مدیر: اے آر خان

سہ ماہی **قندیلِ حق** لندن

شمارہ: 17

جنوری، فروری، مارچ 2022

QINDEEL-E-HAQ

A.R. Khan: +44-7886304637 E-Mail : qindeelehaq@gmail.com



پرینتھا کمارا

ہم جھوٹے ہیں ہم جعلی ہیں
ہم انساں کو ننگی گالی ہیں

جب چاہیں اپنی وحشت کو
جب چاہیں اپنی شہوت کو

معصوموں کے لہو سے صاف کریں
مذہب کے نام پہ جب چاہیں

ہم لوگوں کا قتلِ عام کریں
مسلم کو ہم مرتد کہہ دیں

یا مومن کو کفار کہیں
جو بھی من میں اپنے آئے

ہم اس کو سو سو بار کہیں
پھر خود ہی اس پہ ہو کر منصف

مظلوموں کو لہو لہان کریں
کبھی پتھروں سے کبھی ڈنڈوں سے

ہم چاہیں جسے قربان کریں
ہم ہیں فرقوں کے متوالے

ہم کب مذہب کو مانیں ہیں
نا شعور کی ہم میں بات کوئی

نا ناطہ ہمارا دانش سے
نعروں سے ہمارے گھن آئے

بو آئے ہماری شہوت سے
حیوان و پرند اور سب جیون

ڈر جاوے ہماری دہشت سے
ہم ہی کھیلیں خوں کی ہولی

ہم اُجاڑیں ماؤں کی جھولی
ہم ہیں منصور کے مجرم بھی

ہم ہی سقراط کے قاتل ہیں
جب بھی کہیں ناحق خون بہا

ہم سب بھی اس میں شامل ہیں
ہم حق کے نام پہ باطل ہیں

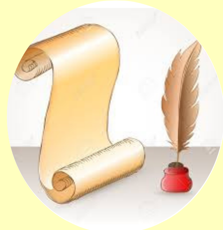
ہم پرینتھا کے قاتل ہیں
ہم خدا کی دنیا کے پاپی ہیں

ہم انساں کو ننگی گالی ہیں

اسامہ رضا

فہرست

فہرست



اداریہ۔پاکستانی مسلمانوں کا چنگیزی چہرہ

رانا عبدالرزاق خان۔لندن



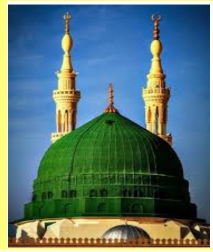
اسلام ایک پر امن مذہب ہے۔جس نے ہمیشہ انسانیت، حقوق اللہ اورحقوق العباد کا درس دیا ہے۔حضور ﷺ آقائے دوجہاں کے اُسوہ حسنہ سے کوئی بھی ایسی سزا ثابت نہیں جو پاکستان کے نام نہاد مسلمانوں کے دماغوں میں بٹھا دی گئی ہے۔۔حضور ﷺ آقائے دوجہاں ی ۶۳ سالہ مکی اورمدنی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔نہ جانے علمائے سُو نے یہ توہین مذہب کہاں سے تاویل کی ہے۔اورعوام کالانعام کو کہاں سے غلط روایات پڑھا کر اسلام کو بدنام کرنے کی مذموم سازش کررہے ہیں۔پاکستان میں مندرجہ ذیل واقعات علمائے حق کی مسلسل ناکامی کا ثبوت ہیں۔یہ واقعات عدلیہ اور انتظامیہ، اور سیاسی جماعتوں اوراشرافیہ کومنہ چڑا رہے ہیں۔اگر ایسی صورت رہی تو سقوط پاکستان جلدی ہا جائے گا۔خاکم بدہن۔ساری دنیا کے سب اسلامی ممالک میں پاکستان جیسانہ اسلام نظر آرہا ہے اور اور ایسے اخلاق باختہ قوانین ۔۔اناللہ و انا الیہ راجعون۔واقعات توہین مذہب کی آڑ میں جو بے گناہ قتل یا شہید ہوئے۔نمبر ا۔ہم کئی دفعہ ایسے واقعات کا سامنا کر چکے ہیں نومبر ۲۰۱۷ مریدکے میں ایک فیکٹری مالک شیخ مجیب کو قتل کر دیا تھا۔ایڈمن منیجر نے مزدوروں کو اکٹھا کرکے بتایا تھا کہ فیکٹری کے مالک نے توہین مذہب کی ہے۔مشتعل افراد نے قتل کیا۔نمبر ۲۔بہاولپور سے 78 کلومیٹر پرے چنی گوٹھ قصبے میں ایک صاحب نے ایک شخص کو پکڑنے کا دعویٰ کیا جو قرآنِ پاک کے اوراق جلا رہا تھا۔ان صاحب اوردیگر ساتھیوں نے اس شخص کو پولیس کے حوالے کر دیا۔پولیس نے اسے لاک اپ میں بند کرکے پرچہ کاٹ دیا۔یہ خبر پھیلتی چلی گئی۔مقامی مساجد سے ’چلو چلو تھانے چلو‘ کے اعلانات ہونے لگے۔لگ بھگ دو ہزار لوگوں نے تھانے کا گھیراؤ کر لیا جہاں 10 سپاہی موجود تھے۔’مجرم کو حوالے کرو‘ کے نعرے لگنے لگے۔پولیس نے تھوڑی بہت مزاحمت کی اور اس میں نو سپاہی زخمی ہوئے۔مجمع اس شخص کو حوالات توڑ کے لے گیا اور مرکزی چوک میں بہیمانہ تشدد کے بعد زندہ جلا دیا گیا بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں تھا اور مجمع میں شامل بہت سے لوگ یہ بات جانتے تھے۔پولیس نے 2000 لوگوں کے خلاف ایف آئی آر کاٹ دی۔کچھ گرفتاریاں اور رہائیاں ہوئیں، مقدمات چلے، رپورٹ طلب کر لی گئی۔یہ انسانیت نہیں درندگی ہے، مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا وغیرہ وغیرہ۔

نمبر ۳۔دادو کے علاقے راجو ڈیرو کے گوٹھ سیتا کی ایک مسجد میں ایک اجنبی مسافر ٹھہرا۔ایف آئی آر کے مطابق امام مسجد نے نمازِ فجر کے بعد قرانِ پاک کے کچھ جلے ہوئے صفحات دیکھے اور اس مسافر کو پولیس کے حوالے کر دیا۔پولیس نے ایف آئی آر کاٹ کے حوالات میں بند کر دیا۔پھر اسی مسجد سمیت دیگر مساجد سے اعلانات ہوئے، آس پاس کے گوٹھوں میں بھی اشتعال پھیل گیا۔تھانے کا گھیراؤ ہوا، مٹھی بھر پولیس والوں سے ہاتھا پائی ہوئی۔مشتعل مظاہرین نے نہ صرف تھانے کے اندر موجود ملزم کو زندہ جلا دیا بلکہ تھانہ بھی جلا دیا۔پولیس نے 200 لوگوں کے خلاف ایف آئی آر کاٹ دی۔کچھ گرفتاریاں اور رہائیاں ہوئیں، مقدمات چلے، رپورٹ طلب کر لی گئی۔یہ انسانیت نہیں درندگی ہے۔مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا وغیرہ وغیرہ۔نمبر ۴۔لاہور سے 56 کلومیٹر پرے کوٹ رادھا کشن کے چک 59 میں مسجد سے اعلان ہوا قرآن کی مبینہ بے حرمتی ہو گئی۔اینٹوں کے ایک بھٹے کے نزدیک جلے ہوئے اوراق ملے۔بھٹہ مالک یوسف گجر اور اس کے ساتھیوں نے واجبات کے حساب کے لیے مسلسل تقاضا کرنے والے 34 سالہ مزدور شہزاد مسیح اور اس کی 24 سالہ ناخواندہ مزدور حاملہ بیوی شمع پر توہین کا الزام لگایا۔دونوں کو بھٹے کے قریب کمرے میں بند کر دیا گیا۔مساجد سے اعلانات شروع ہو گئے، ہجوم بنتا چلا گیا، بھٹے کے عملے نے فرنس کا ڈھکن اٹھا دیا اور دونوں میاں بیوی کو اس میں دھکیل دیا گیا۔دونوں کے دو سے سات برس تک کے تین بچے تھے۔پولیس نے 200 لوگوں کے خلاف

ایف آئی آر کاٹ دی،۔کچھ گرفتاریاں اور رہائیاں ہوئیں، مقدمات چلے رپورٹیں طلب ہوئیں۔ یہ انسانیت نہیں درندگی ہے۔مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا وغیرہ وغیرہ۔

نمبر ۵۔اپریل ۲۰۱۷ مردان کی خان عبدالولی خان یونیورسٹی میں پڑھنے والا 23 سالہ طالبِ علم مشال خان کئی دنوں سے یونیورسٹی کے اندر جاری بدانتظامی کا ناقد بنا ہوا تھا۔چنانچہ یونیورسٹی انتظامیہ کے چند اہلکاروں اور ان کے حامی طلبا نے مشال خان پر توہینِ مذہب کا الزام لگایا۔مجمع اکٹھا کیا گیا اور ہاسٹل کے کمرے سے مشال خان کو باہر لا کر مار مار کے قتل کر دیا گیا۔پولیس نے 58 لوگوں کے خلاف ایف آئی آر کاٹ دی۔کچھ گرفتاریاں اور رہائیاں اور سزائیں ہوئیں، رپورٹیں طلب کی گئیں۔ یہ انسانیت نہیں درندگی ہے۔ مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا وغیرہ وغیرہ۔نمبر ۶۔۔نومبر ۲۰۲۰ خوشاب قائد آباد میں بنک منیجر کو ایک سیکورٹی گارڈ نے قتل کر دیا تھا۔کچھ گرفتاریاں اور رہائیاں اور سزائیں ہوئیں، رپورٹیں طلب کی گئیں۔ یہ انسانیت نہیں درندگی ہے۔ مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا وغیرہ وغیرہ۔نمبر ۷۔۔پرنتھا کمارا منیجر راجکو سپورٹس کمپنی ایک سری لنکن ہندو کا بے جا قتل۔ میں نے آپ کے سامنے پچھلے دس برس میں ہجوم کے ہاتھوں مارے جانے کے سات واقعات رکھے۔ ان میں سے تین انسانوں کو زندہ جلایا گیا۔چاروں واقعات تین مختلف حکومتوں (پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن اور تحریکِ انصاف) کے ادوار میں ہوئے۔ان واقعات میں مختلف المیعاد قید کی سزائیں تو سنائی گئیں مگر اکثریت کی ضمانت ہوگئی۔آج تک کسی کو سزائے موت نہیں ہوئی۔ایک کو موت کی سزا سنائی گئی تھی پھر اسے عمر قید میں بدل دیا گیا۔ان واقعات کو ہمیشہ لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ یا چند لوگوں کی گمراہی قرار دیا گیا۔ ان تمام واقعات کے خلاف جو مذمتی مظاہرے اور دھرنے ہوئے وہ مقتولوں کے حق میں کم اور قاتلوں کے حق میں زیادہ ہوئے۔قاتلوں کا بطور ہیرو اپنے علاقے اور عدالتی احاطوں میں Welcome ہوا اور انھیں عام آدمی سے لے کر پولیس والوں اور وکلا نے ہار پہنائے۔حزبِ اختلاف کی ہر سرکردہ جماعت نے اس ذہنیت کو بڑھاوا دینے والوں کا بلا واسطہ و بالواسطہ ساتھ دیا۔ ان سے سیاسی و مذہبی ہم آہنگی ظاہر کی۔ان کے جلسوں اور دھرنوں میں تقاریر فرمائیں۔دوٹوک موقف اختیار کرنے کے بجائے موقع پرستی کے آلاؤ پر ہاتھ تاپے جاتے رہے۔جب اقتدار ملا تب بھی خفیہ و اعلانیہ سمجھوتے کئے۔کسی نے آج تک پارلیمنٹ میں اس بابت قانون سازی کے لیے مطالبہ نہیں کیا کہ جھوٹا الزام لگانے والوں کو بھی وہی سزا ملنی چاہیے جو توہین کے مرتکب افراد کے لیے مخصوص ہے۔اب یہ آگ آہستہ آہستہ پورے بدن میں پھیلتی جا رہی ہے اور ریاست بغلیں جھانک رہی ہے۔الفاظ تھوتھے چنے میں بدل چکے ہیں۔دنیا کسی مذمت، کسی پرفارمنس، کسی قدم پر ہرگز اعتبار کے لیے تیار نہیں۔جو پھرتیاں اس آگ میں بھسم ہونے والے پہلے غیر ملکی باشندے پریانتھا کمارا کی موت کے بعد ریاست دکھا رہی ہے اس سے آدھی پھرتیاں اگر ریاست اس طرح کے پہلے سانحے کے بعد دکھاتی تو آج ہر کوئی اک دوجے سے نگاہیں نہ چرا رہا ہوتا۔یہ دیگ ہم نے اور ہمارے تمام منتخب و غیر منتخب اداروں، جماعتوں اور گروہوں نے بہت محنت سے تیار کی ہے۔اب اس کے بٹنے کا وقت آ گیا ہے اور ہجوم بڑھتا جا رہا ہے

یہ راستہ جنت کا ہے یا جہنم کا؟ باقی دنیا کو تو صاف نظر آ رہا ہے۔مگر ہماری آنکھوں میں اترا برسوں پرانا موتیا اتنا بگڑ چکا ہے کہ شاید اس کا آپریشن بھی جان لیوا خطرے جیسا ہے۔ہم اس کھائی کے دہانے پر اس لیے پہنچے ہیں کہ ریاست بنیادی سوالات اُٹھانے والوں کی دشمن اور ہم خوفزدہ ہیں۔اس مملکت خداداد میں یہی لوگ جو سلوک جماعت احمدیہ سے روا رکھے ہوئے ہیں۔وہ بھی بہت ہی شرمناک ہے۔ان کا یہود و نصاریٰ والا رویہ کسی عذاب کی آمد کی اطلاع دے رہا ہے۔یہ بدنصیب ملک جسے ایک وکیل نے بنایا تھا اور مولوی نے اس کی مخالفت کی تھی۔اب بھی وہ بدبخت ملاں اس کا مستقل اور ازلی دشمن بنا ہوا ہے۔۷۴ سال سے یہ ملک تنزلی کی طرف رواں دواں ہے۔کل عالم اس قوم کی حرکتوں پر نالاں ہے۔اور یہ اسلام کا ٹھیکیدار بنا پھرتا ہے۔جس طرح کہ اقبال نے کہا تھا کہ ملک خدائے ما است۔مگر جب یہ قوم خدا کی نہیں بنی تو اسے خدا کے ملک کا مالک کیسے بنایا جا سکتا ہے۔مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ قوم جلد عتاب خداوندی کا شکار ہوگی۔اور اسے عبرت کا نشان بنا دیا جائے گا۔جیسا کی عاد و ثمود و بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا تھا۔جس قوم نے بھی کبر اختیار کیا اس کا انجام بخیر نہیں ہوا۔اے اللہ اس قوم پر رحم کر آمین۔



سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درخشاں پہلو

(ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز۔لندن)



اللہ تبارک تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۝ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ۝ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۝ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۝ (النور:36)

''ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں ایک چراغ ہو۔وہ چراغ شیشے کے شمع دان میں ہو۔وہ شیشہ ایسا ہو گویا ایک چمکتا ہوا روشن ستارہ ہے۔وہ (چراغ) زیتون کے ایسے مبارک درخت سے روشن کیا گیا ہو جو نہ مشرقی ہو اور نہ مغربی۔اس (درخت) کا تیل ایسا ہے کہ قریب ہے کہ وہ از خود بھڑک کر روشن ہو جائے خواہ اسے آگ کا شعلہ نہ بھی چھوا ہو۔یہ نور علیٰ نور ہے۔اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا دائمی علم رکھنے والا ہے۔''

خدا آسمان اور زمین کا نور ہے۔ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے اسی کے فیض کا عطیہ ہے۔کوئی اس کے فیض سے خالی نہیں۔وہی تمام فیوض کا مبداء ہے۔اور تمام انوار کا علت العلیل اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔

اس کے نور کو تمثیلی طور پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں اللہ کی وحی کا چراغ روشن ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک طبیعت، آپؐ کی لطیف اور نورانی عقل اور آپ کے فطری پاکیزہ اخلاق اس چراغ کی روشنی کا باعث ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں جو اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی صفات بیان کی گئی ہیں ہمارے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے کامل ترین مظہر تھے۔آپؐ کے وجود مبارک میں صفات حسنہ اور اخلاق کریمانہ کا ایک ایسا عجیب اعتدال اور توازن تھا، افراط و تفریط سے پاک ایسا لطیف امتزاج تھا کہ اس پر تدبر کرنے والا سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرح بے اختیار کہہ اٹھتا کہ میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔

قرآج مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا سب سے جامع، سب سے سچا اور زمانہ کے لحاظ سے سب سے زیادہ قریبی ماخذ ہے۔حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا یہ جملہ کہ:

کان خلقہ القرآن کہ قرآن آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی عکسی تصویر ہے، روح کو وجد میں لاتا اور دل کو گرماتا ہے۔قرآن مجید نہایت خوبصورت انداز میں سیرت النبی کے حسن کے جلوے دکھاتا ہے۔کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کا مظہر اتم قرار دے کر حضورؐ کی صفات کا نقشہ کھینچتا ہے کبھی حکمت و راستی سے بھرے ہوئے احکامات دے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مطہر کے رجحانات اور میلانات کی جھلک دکھاتا ہے۔کبھی آپؐ کی معصومیت، آپ کی رافت، شفقت، محبت، آپ کی عبودیت کاملہ، آپ کے مقام محمود اور آپ کے سراپا محمد ہونے کا ذکر کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

(الاحزاب:22)

''ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔''

اس صدی کے سب سے بڑے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا حضرت اقدس

مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسان کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا نجوم میں نہیں تھا قمر میں نہیں تھا آفتاب میں بھی نہیں تھا وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا صرف انسان میں تھا یعنی انسان کامل میں جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سیّد و مولیٰ سیّد الانبیاء سیّد الاحیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سو وہ نُور اس انسان کو دیا گیا اور حسب مراتب اس کے تمام ہم رنگوں کو بھی یعنی ان لوگوں کو بھی جو کسی قدر وہی رنگ رکھتے ہیں... اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سیّد ہمارے مولیٰ ہمارے ہادی نبی اُمّی صادق مصدوق محمد مصطفیٰ ﷺ میں پائی جاتی تھی۔

اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور اے تمام وہ انسانی روحو! جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو! میں پورے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت دیتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔''

(تریاق القلوب صفحہ 7)

''اصل حقیقت یہ ہے کہ سب نبیوں سے افضل وہ نبی ہے کہ جو دنیا کا مربیّ اعظم ہے۔ یعنی وہ شخص کہ جس کے ہاتھ سے فساد اعظم دنیا کا اصلاح پذیر ہوا۔ جس نے توحید گم گشتہ اور ناپدید شدہ کو پھر زمین پر قائم کیا۔ جس نے تمام مذاہب باطلہ کو حجت اور دلیل سے مغلوب کر کے ہر یک گمراہ کے شبہات مٹائے۔ جس نے ہر یک ملحد کے وساوس دور کئے اور سچا سامان نجات کا... اصول حقہ کی تعلیم سے ازسرنو عطا فرمایا۔ پس اس دلیل سے کہ اس کا فائدہ اور افاضہ سب سے زیادہ ہے اس کا درجہ اور رتبہ بھی سب سے زیادہ ہے۔ اب تواریخ بتلاتی ہے۔ کتاب آسمانی شاہد ہے اور جن کی آنکھیں ہیں وہ آپ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ نبی جو بموجب اس قاعدہ کے سب نبیوں سے افضل ٹھہرتا ہے وہ حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں''۔

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص۔ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 97 حاشیہ)

حدیث میں آیا ہے آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا کہ بہشت میں ایک ایسا مقام ہوگا جس میں صرف مَیں ہوں گا۔ ایک صحابیؓ جس کو آپؐ سے بہت ہی محبت تھی یہ سن کر رو پڑا اور کہا حضور مجھے آپؐ سے بہت محبت ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تجھے مجھ سے محبت ہے تو تُو میرے ساتھ ہوگا۔

(الدرالمنثور فی التفسیر فی الماثور جلد 2 صفحہ 550 تفسیر سورۃ النساء زیر آیت 90 مطبوعہ بیروت 2001ء)

نبی اکرم ﷺ ہر لحاظ سے انسان کامل تھے۔ آپؐ کی حیات طیبہ سراسر نور و ہدایت اور حسن و جمال کا مرقع تھی۔ آپؐ نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، حالانکہ جس معاشرے میں آپؐ نے آنکھ کھولی، اس کی بنیاد ہی جھوٹ، غلط بیانی اور دھوکہ دہی پر تھی۔ جھوٹ کو اگرچہ عیب جانا جاتا تھا مگر اس کا چلن اس قدر عام تھا کہ معیوب ہونے کے باوجود اسے انسان کی ذہانت و فطانت اور ہوشیاری و پُرکاری تصور کیا جانے لگا تھا۔ رسولِ رحمت ﷺ نے ایسے معاشرے میں آنکھ کھولنے کے باوجود اپنے دامن کو ہمیشہ اس آلودگی سے پاک صاف رکھا۔ بچپن اور لڑکپن میں بھی آپؐ کی یہ صفت اتنی معروف اور نمایاں ہو کر ضیا پاش ہوئی کہ معاشرے کا کوئی فرد نہ اس سے بے خبر رہا، نہ کبھی اس کا انکار اور نفی کر سکا۔ پوری قوم کے درمیان آپؐ عنفوانِ شباب ہی میں صادق وامین کے القاب سے معروف ہو گئے تھے۔

آپؐ کی اس صفت کی بدولت بدترین مخالفتوں کے ادوار میں بھی آپؐ کا ستارہ چمکتا رہا۔ چالیس سال کی عمر تک آپؐ پوری قوم کے درمیان بلا استثناء، سب سے معزز و محترم شخصیت تھے۔ جب آپؐ نے چالیس سال کی عمر میں اللہ کی طرف سے حکم ملنے پر اعلان نبوت کیا تو حالات یکسر بدل گئے۔ پوری قوم آپؐ کی مخالفت میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہر قسم کا حربہ آپؐ کے خلاف استعمال کیا جانے لگا۔ کفار جان کے دشمن بن گئے لیکن اس سارے عرصے میں آپؐ کی صداقت کا انکار کوئی نہ کر سکا۔ کوہ صفا کے مشہور خطبے میں آپؐ نے اپنا اصلی خطاب شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے گواہی لی کیا تم لوگوں نے مجھے سچا پایا ہے یا جھوٹا تو مجمع بہ یک زبان پکار اٹھا کہ ہم نے آپ کو ہمیشہ راست گو پایا ہے، آپ (ﷺ) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس گواہی کے باوجود اسی مجلس میں ابولہب اور دیگر لوگوں نے بعد میں دعوتِ حق سے انکار کیا،

رسول اللہ کو جھٹلایا اور نت نئے الزامات تراشے لیکن داعیِ حق ؐ کے بارے میں ان کی وہ پہلی گواہی قولِ فیصل بن کر تاریخ کا حصہ بن گئی اور لوگوں کے ذہن میں ہمیشہ پیوست رہی۔ قریش مکہ میں آپ ؐ کا سب سے بڑا مخالف ابوجہل سمجھا جاتا ہے۔

وہ بھی آپ ؐ کو جھوٹا کہنے کی ہمت نہ کر سکا۔ ایک مرتبہ عرب کی ایک دوسری معروف شخصیت اخنس بن شریق نے ابوجہل سے پوچھا کہ تم جو (ﷺ) کو جھٹلاتے ہو تو کیا واقعی اسے جھوٹا سمجھتے ہو؟ جواب میں اس نے کہا بخدا، میں نہیں سمجھتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹ بولتا ہے، لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ بنو ہاشم میں سے ہے اور ہم بنومخزوم ہیں۔ ہم ہمیشہ سے ان کے روایتی حریف اور مدمقابل ہیں۔ مہمان نوازی سے لے کر جنگ آرائی اور جود وسخا سے لے کر شعر وخطابت تک ہر میدان میں ہم نے ان کا مقابلہ کیا ہے، اب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو ہم اسے نبی مان کر اپنی برتری سے دست بردار ہو جائیں۔ بخدا، ایسا نہیں ہوسکتا۔

اللہ رب العالمین نے اسی واقعے کی جانب قرآن مجید میں کئی مقامات پر اشارہ کر کے آنحضور ؐ کو حوصلہ دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

’’اے نبی (ﷺ)! ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں، ان سے تمھیں رنج ہوتا ہے لیکن یہ لوگ تمھیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔‘‘

(سورۃ الانعام 6: آیت 33)

آپ ؐ کے حق میں صداقت و امانت کی گواہی محض ابوجہل ہی نے نہیں دی بلکہ پوری قوم اس کی گواہ تھی نبی رحمت ﷺ نے اپنی امت کو جو ہدایات دیں، ان میں راست بازی سب سے نمایاں ہے۔ خود آپ ؐ چونکہ اس کی بہترین مثال تھے، اس لئے اللہ رب العالمین نے آپ کو ایسا رعب عطا فرمایا تھا کہ بدترین دشمن بھی آپ ؐ کے سامنے آنکھیں جھکانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

ہم اس نبی (ﷺ) کی امت ہیں، جس نے سچائی کی تعلیم دی اور سچا بن کر ہر دوست اور دشمن سے اپنا سکہ منوایا۔ کسی کلمہ گو کیلئے جھوٹ بولنا ہرگز جائز نہیں۔ سچ بولنا اور اس پر قائم رہنا شیوۂ ایمانی بھی ہے اور سچے رسول کا سچا پیرو کار ہونے کا ثبوت بھی۔

فرمان ربانی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سید المرسلین، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین جناب محمد ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے جو تمام نوع انسانی کے لیے ایک مکمل لائحہ عمل اور ضابطہ حیات ہے، آپ ﷺ ہی وہ فرد کامل ہیں جن میں اللہ رب العزت نے وہ تمام اوصاف جمع کر دیئے ہیں جو انسانی زندگی کے لیے مکمل لائحہ عمل بن سکتے ہیں، کیونکہ آپ ﷺ اپنی قوم میں اپنے رفعت کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے سبب سب سے ممتاز تھے، مزید یہ کہ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ بامروت سب سے زیادہ خوش اخلاق سب سے زیادہ معزز ہمسائے، سب سے بڑھ کر دور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ نرم پہلو، سب سے زیادہ پاک نفس، سب سے زیادہ خیر اندیش، سب سے زیادہ کریم سب سے زیادہ نیک، سب سے بڑھ کر پابند عہد اور سب سے بڑے امانت دار تھے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کا لقب ہی صادق وامین رکھ دیا تھا اور ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی صداقت و دیانت و امانت سے متأثر ہو کر ہی آپ ﷺ سے عقد فرمایا تھا۔

اس مختصر سے مضمون میں نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا احاطہ بہت مشکل ہے چنانچہ چند ایک پہلو ہی پیش کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا بچپن، جوانی اور بڑھاپا یعنی آپ ﷺ کی مکمل زندگی ہی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے، اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو بچپن ہی سے بری محفلوں اور مناہی و منکرات کے کاموں سے بچائے رکھا۔

نبی ﷺ اپنے بچپن کے ایک واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

’’اہل جاہلیت جو کام کرتے تھے مجھے دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان کا خیال نہیں گزرا۔ لیکن ہر بار اللہ تعالی نے میرے اور اس کام کے درمیان رکاوٹ ڈال دی، اس کے بعد مجھے کبھی ان کا خیال نہیں گزرا یہاں تک کہ اللہ نے مجھے پیغمبری سے مشرف فرمایا۔ ہوا یوں کہ جو لڑکا میرے ساتھ بالائی مکہ میں بکریاں چرایا کرتا تھا ایک رات اس سے میں نے کہا کیوں نہ تم میری بکریاں

دیکھو اور میں مکہ جا کر دوسرے نوجوانوں کی طرح وہاں شبانہ قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کرلوں اس نے کہا ٹھیک ہے میں نکلا ابھی مکہ کے پہلے ہی گھر کے پاس پہنچا تھا کہ باجے کی آواز سنائی پڑی، میں نے پوچھا کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا فلاں کی فلاں سے شادی ہے میں سننے بیٹھ گیا اور اللہ نے میرے کان بند کر دیئے اور میں سو گیا، پھر سورج کی تمازت سے میری آنکھ کھلی اور میں اپنے ساتھی کے پاس آیا۔ اس کے پوچھنے پر میں نے ساری تفصیلات بتائیں اس کے بعد ایک رات پھر میں نے یہی بات کہی اور مکہ پہنچا تو پھر اسی طرح کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد کبھی غلط ارادہ نہ ہوا۔''

(الرحیق المختوم ص 114۔15)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی اجمالی زندگی اور سیرت کا ایک پہلو دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کیسی تھی لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف جب چالیس سال ہو چکی اور اس طویل عرصے میں آپ کے اب تک کے معاملات نے قوم سے آپ کا ذہنی اور فکری فاصلہ بہت زیادہ کر دیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہائی پسند ہو گئے تھے اور آپ کو خلوت بہت محبوب ہو گئی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ستو اور پانی لیکر مکہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک غار میں چلے جاتے اس غار کو غار حرا کہتے ہیں، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی عبادت کرتے اور کائنات کی تخلیق اور اس کے پیچھے کارفرما قدرت نادرہ کے بارے میں غور و خوض فرماتے اور پھر جب اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت سے نوازا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے سے بھی زیادہ اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ صحیح البخاری میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو تہجد کی نماز میں اس قدر قیام فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک میں ورم پڑ جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں کہا جاتا تو فرماتے:

أَفَلَآ أَكُونُ عَبۡدًا شَكُورًا ''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں''

(صحیح البخاري (2/50)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقویٰ کا عالم یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھانے کو ملے۔ بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں اور تجھ سے مانگا کروں اور کھا کر تیری حمد و ثنا کروں۔'' (حلیۃ الاولیاء جلد 8 ص 133)

سیدہ عائشہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور اکثر فاقہ پر فاقہ کئے جاتے تھے ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والے ایک ایک مہینہ اس طرح گزارتے کہ گھر میں آگ نہ سلگائی جاتی اور ہمارا کھانا یہی ہوتا کھجور اور پانی۔　　(ابن ماجہ جلد سوم ص 527)

اللہ رب العزت نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے اعلیٰ اخلاق سے نوازا تھا، یہ آپ کا اعلیٰ اخلاق ہی تھا کہ جس نے دشمن کو دوست، اور سخت دل کو نرم خو بنا دیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی بلند اخلاق کی تعریف اللہ رب العزت نے ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿5﴾

''ترجمہ: اور یقیناً تو بہت بڑے خُلق پر فائز ہے۔'' (القلم:5)

مؤطا امام مالک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''میں بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں''

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمت گزار فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔ اس مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اُف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا یہ کام کیوں نہ کیا؟ (صحیح البخاري (8/14)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق ہی تھا کہ جس نے لوگوں سے ظلمت و جہالت کو نکال کر نور صداقت اور معرفت الٰہی کو متمکن کر دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق اور نرم خو ہونے کی صفت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی:

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمۡۖ وَلَوۡ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلۡقَلۡبِ لَٱنفَضُّواْ مِنۡ حَوۡلِكَۖ　　(آل عمران:160)

''ترجمہ: پس اللہ کی خاص رحمت کی وجہ سے تو ان کے لئے نرم ہو گیا۔ اور اگر تُو تندخو (اور) سخت دل ہوتا تو وہ ضرور تیرے گرد سے دُور بھاگ

جاتے۔"

نبی ﷺ شجاعت و بہادری میں بھی بہت بلند مقام رکھتے تھے آپ ﷺ سب سے زیادہ دلیر تھے نہایت کٹھن اور مشکل حالات میں بھی جبکہ اچھے اچھے بہادروں اور جانبازوں کے پاؤں اُکھڑ جاتے، آپ اپنی جگہ ثابت قدم رہتے اور پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھتے، پائے ثبات میں ذرا لرزش نہ آتی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب زور کا رن پڑتا اور جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ لیا کرتے تھے آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔

(شفاء قاضی عیاض 1/89 بحوالہ الرحیق المختوم)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات اہل مدینہ کو خطرہ محسوس ہوا لوگ شور کی طرف دوڑے تو راستے میں رسول اللہ ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ ﷺ لوگوں سے پہلے ہی آواز کی جانب پہنچ گئے تھے کہ (خطرے کے مقام کا جائزہ لیں)۔ اس وقت آپ ﷺ بغیر زین کے گھوڑے پر سوار تھے، گردن میں تلوار حمائل کر رکھی تھی اور فرما رہے تھے ڈرو نہیں (کوئی خطرہ نہیں) (مسلم، جلد 6، ص: 28)

اور کسی شاعر نے شاید آپ ﷺ ہی کے بارے میں کہا تھا کہ

مائیں ایسے بچے بہادر جنتی ہیں خال خال

اور اگر آج آقائے کائنات کے غلام اپنے سینوں میں آپ ﷺ کی شجاعت بھر لیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان شاء اللہ۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دریا دلی اور سخاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس نے بھی کوئی چیز آپ ﷺ سے مانگی، آپ نے انکار نہ کیا بلکہ دے دی۔ (بخاری)

ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بکریاں دیں کہ جس سے دو پہاڑوں کے درمیان والی زمین بھر گئی۔ وہ شخص اپنی قوم کے پاس جا کر کہنے لگا میری قوم کے لوگو! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا کچھ دیتے ہیں پھر محتاجی کا ڈر نہیں رہتا۔

(مسلم جلد 6 ص 31)

اقرح بن حابس نے دیکھا کہ آپ ﷺ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے ہیں تو ایک صحابی نے کہا اللہ کے نبی ﷺ میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی ان کو پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو رحم نہ کرے گا۔ (بچوں، یتیموں، عاجزوں اور ضعیفوں پر) اللہ بھی رحم نہ کرے گا اس پر۔

نبی ﷺ سب سے زیادہ متواضع اور تکبر سے دور تھے۔ آپ ﷺ اپنے لئے صحابہ کرام کو کھڑے ہونے سے منع فرماتے تھے۔ مسکینوں کی عیادت کرتے تھے فقراء کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، غلام کی دعوت منظور فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں کسی امتیاز کے بغیر ایک عام آدمی کی طرح بیٹھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے جوتے خود ٹانکتے تھے، اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگاتے تھے، اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کام کرتے تھے جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنے گھر کے کام کاج کرتا ہے۔ آپ ﷺ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اپنی بکری کا دودھ خود دوہتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے (مشکوٰۃ 2/520)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار چاندنی رات میں آپ ﷺ کو دیکھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا اور چاند کو دیکھتا۔ آخر (اسی نتیجہ پر پہنچا کہ) آپ ﷺ چاند سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں۔

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف فرما تھے پسینہ آیا تو چہرے کی دھاریاں چمک اٹھیں یہ کیفیت دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے ابوکبیر ہذلی کا یہ شعر پڑھا:

"جب ان کے چہرے کی دھاریاں دیکھو تو وہ یوں چمکتی ہیں جیسے روشن بادل چمک رہا ہے۔"

(رحمۃ للعالمین جلد 2 ص 172)

نبی ﷺ جتنے صورت کے حسین تھے اتنے ہی سیرت کے خوبصورت۔ اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ صحابہ کرام رحم مادر سے رضی اللہ عنہ کا لقب لے کر نہیں آئے تھے۔ بلکہ انہوں نے نبی ﷺ کے اسوہ اور سیرت کو اپنایا تھا۔ اور اللہ نے ان کو جنت کے سرٹیفکیٹ دے دئے۔ دنیا میں بھی کامیاب آخرت میں بھی

کامیاب۔

رسولِ کائنات، فخرِ موجودات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو خالق ارض وسما رب العلیٰ نے نسلِ انسانی کے لیے نمونہ کاملہ اور اسوۂ حسنہ بنایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو فطری طریقہ قرار دیا ہے۔ محسن انسانیت صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے معمولات زندگی ہی قیامت تک کے لیے شعار ومعیار ہیں، یہی وجہ ہے کہ سیرۃ النبی ﷺ کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے یوم ولادت سے لے کر روزِ رحلت تک کے ہر ہر لمحہ کو قدرت نے محفوظ کرا دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالوں نے محفوظ رکھا ہے اور سند کے ساتھ تحقیقی طور پر ہم تک پہنچایا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم واجمعین بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس جمیل تھے۔ان کی عبادات میں ہی نہیں بلکہ چال ڈھال میں بھی سیرۃ النبی ﷺ کا نور جھلکتا تھا یہی سبب ہے کہ خود رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" (ترمذی)

''ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جن سے بھی اقتداء ومحبت کا تعلق جمالو گے ہدایت پا جاؤ گے۔''

شمائلِ ترمذی حلیہ مبارکہ بیان کرنے کا سب سے مستند وجامع ذریعہ ہے جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے، آپ ﷺ میانہ قد، سرخی مائل، سفید گورا رنگ، سرِ اقدس پر سیاہ ہلکے گھنگھریالے ریشم کی طرح ملائم انتہائی خوبصورت بال جو کبھی شانہ مبارک تک دراز ہوتے تو کبھی گردن تک اور کبھی کانوں کی لو تک رہتے تھے۔ رخِ انور اتنا حسین کہ ماہِ کامل کی مانند چمکتا تھا، سینۂ مبارک چوڑا، چکلا کشادہ، جسم اطہر نہ دبلا نہ موٹا انتہائی سڈول چکنا کہیں داغ دھبہ نہیں، پیشانی کشادہ بلند اور چمکدار، ابروئے مبارک کمان دار غیر پیوستہ، دہن شریف کشادہ، ہونٹ یاقوتی مسکراتے تو دندانِ مبارک موتی کے مانند چمکتے، دانتوں کے درمیان ہلکی ہلکی درازیں تھیں بولتے تو نور نکلتا تھا سینہ پر بالوں کی ہلکی لکیر ناف تک تھی باقی پیکر بالوں سے پاک تھا صحابہ کا اتفاق ہے کہ آپ جیسا خوبصورت نہیں دیکھا گیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ شاعرِ رسول ﷺ ہیں، وہ اپنے نعتیہ قصیدے میں نقشہ کھینچتے ہیں:

''آپ ﷺ سے حسین مرد میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت مرد کسی عورت نے نہیں جنا۔ آپ ہر قسم کے ظاہری وباطنی عیب سے پاک پیدا ہوئے۔''

نہ کبھی آپ چیخ کر بات کرتے تھے نہ قہقہہ لگاتے تھے نہ شور کرتے تھے نہ چلا کر بولتے تھے ہر لفظ واضح بولتے جو مجمع سے مخاطب ہوتے تو تین بار جملہ کو بالکل صاف صاف دہراتے تھے اندازِ کلام باوقار، الفاظ میں حلاوت کہ بس سنتے رہنے کو دل مشتاق، لبوں پر ہمہ دم ہلکا سا تبسم جس سے لب مبارک اور رخِ انور کا حسن بڑھ جاتا تھا راہ چلتے تو رفتار ایسی ہوتی تھی گویا کسی بلند جگہ سے اتر رہے ہوں نہ دائیں بائیں مڑ مڑ کر دیکھتے تھے نہ گردن کو آسمان کی طرف اٹھا کر چلتے تھے۔ باوقار مردانہ خوددارانہ رفتار ہوتی، قدمِ مبارک کو پوری طرح رکھ کر چلتے تھے کہ نعلین شریفین کی آواز نہیں آتی تھی۔ ہاتھ اور قدم ریشم کی طرح ملائم گداز تھے۔ کبھی غصہ نہیں ہوتے تھے، اپنا کام خود کرنے میں تکلف نہ فرماتے تھے کہ کوئی مصافحہ کرتا تو اس کا ہاتھ نہیں چھوڑتے تھے جب تک وہ الگ نہ کرلے جس سے گفتگو فرماتے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے کوئی آپ سے بات کرتا تو پوری توجہ سے سماعت فرماتے تھے، پھر بھی ایسا رعب تھا کہ صحابہ کو گفتگو کی ہمت نہ ہوتی تھی ہر فرد یہی تصور کرتا تھا کہ مجھ کو ہی سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔

آپ ؐ کی آوازِ حق ایک عظیم الشان انقلاب کی ابتداء تھی جس نے دنیائے انسانیت کی تاریخ بدل دی یہ اعلان توحید کی حیات نو کا پیغام تھا جس نے مردہ دل عربوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی اور پھر دنیا نے وہ منظر دیکھا جس کا تصور بھی نہ تھا کہ قاتل عادل بن گئے، بت پرست بت شکن بن گئے، ظلم وغضب کرنے والے حق پرست اور رحم دل بن گئے، سینکڑوں معبودانِ باطل کے سامنے جھکنے والی پیشانیاں خدائے واحد کے سامنے سرنگوں ہوگئیں، عورتوں کو جانور سے بدتر جاننے والے قطع رحمی اور کمزوروں پر ستم ڈھانے والے عورتوں کے محافظ، صلہ رحمی کے خوگر اور کمزوروں کا سہارا بن گئے، نفرت

وعدوات کا آتش فشاں سرد ہو گیا محبت و اخوت کی فصلِ بہاراں آ گئی، راہزن راہبر اور ظالم عدل و انصاف کے پیامبر بن گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق اور اعلانِ توحید کی راہ میں اپنے ہی لوگوں کے ایسے ایسے مصائب و آلام دیکھے کہ کوئی اور ہوتا تو ہمت ہار جاتا مگر آپ صبر و استقامت کے کوہِ گراں تھے، دشمنانِ اسلام نے قدم قدم پر آپ کو ستایا، جھٹلایا، بہتان لگایا، مجنون و دیوانہ کہا، ساحر و کاہن کا لقب دیا راستوں میں کانٹے بچھائے جسم اطہر پر غلاظت ڈالی، لالچ دیا، دھمکیاں دیں، اقتصادی ناکہ بندی اور سماجی مقاطعہ کیا، آپ کے شیدائیوں پر ظلم وستم اور جبر واستبداد کے پہاڑ توڑے، نئے نئے لرزہ خیز عذاب کا جہنم کھول دیا کہ کسی طرح حق کا قافلہ رک جائے، حق کی آواز دب جائے، مگر دورِ انقلاب شروع ہو گیا تھا توحید کا نعرہ بلند ہو چکا تھا، اس کو غالب آنا تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، امی ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی امتیاز ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی ایک واضح دلیل ہے کہ ایک امی لقب رسول نے دنیائے انسانیت کو ایسا کلام دیا جس کی فصاحت و بلاغت اور لذت وحلاوت کے سامنے فصحائے عرب سرنگوں نظر آتے ہیں اور قیامت تک دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا جب قرآن مجید کی آیات کریمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ہوتی تھیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مختلف صحابہ کرام سے ان کی کتابت کرواتے تھے کاتبین وحی کے اسماء حسب ذیل ہیں، نیز انھیں میں سے خطوط و فرامین لکھنے والے ہیں:

حضرت ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عامر بن فہیرہ، عبداللہ بن ارقم، اُبی بن کعب، ثابت بن قیس بن شماس، خالد بن سعید، حنظلہ بن ربیع، زید بن ثابت، معاویہ بن ابی سفیان، شرجیل بن حسنہ۔ رضی اللہ عنہم۔

سیرۃ النبی ﷺ کی یہ ایک جھلک ہے سیرۃ مبارکہ کا مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر ہم آپ ﷺ کو ایک نمونہ کامل نہیں بنا سکتے۔ آپ جہاں داعی برحق ہیں تو وہیں انسانِ کامل بھی ہیں۔ آپ شوہر بھی ہیں آپ باپ بھی ہیں، آپ خسر بھی ہیں آپ داماد بھی ہیں، آپ تاجر بھی ہیں آپ قائد بھی ہیں۔ آپ سپہ سالار بھی ہیں آپ مظلوم بھی ہیں، آپ مہاجر بھی ہیں آپ نے زخم بھی کھائے آپ نے مشقت بھی جھیلی آپ نے بھوک بھی برداشت کی آپ نے بکریاں بھی چرائیں آپ نے سیادت بھی فرمائی۔ آپ نے معاملات بھی کیے، آپ نے لین دین بھی فرمایا، آپ نے قرض بھی لیا، آپ نے ایک انسان کی حیثیت سے معاشرہ کا ہر وہ کام کیا جو ایک انسان فطری طور پر کرتا ہے۔ اس لیے آپ کو نمونہ بنائے بغیر نہ کوئی کامیاب باپ، شوہر، خسر، داماد، تاجر و سپہ سالار بن سکتا ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی کماحقہٗ اپنی طاقت بھر اطاعت و عبادت کر سکتا ہے آپ کی سیرت طیبہ حیات انسانی کے ہر گوشہ کا کامل احاطہ کرتی ہے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 12/اگست 2005ء میں فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک حسین پہلو سادگی، مسکینی اور قناعت بھی تھا۔ جس کی آپؐ نے ہمیں تعلیم بھی دی اور اپنے عمل سے مثالیں بھی قائم فرمائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ کی یہ شان ہے {وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ} (ص: 87) یعنی میں تکلف کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ آپؐ کے قول کے ساتھ ساتھ آپؐ کا ہر فعل بھی تصنع اور بناوٹ سے پاک تھا، تکلف سے پاک تھا۔ ہر عمل میں سادگی بھری ہوئی تھی۔ اور تصنع اور تکلّف سے پاک زندگی کا اتنا اونچا معیار تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے یہ اعلان کروایا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دلوں کو جانتا ہے، جس نے آپؐ کو مبعوث فرمایا، آپؐ پر شریعت اتاری، آپؐ سے یہ اعلان کروایا کہ دنیا کو بتا دو کہ میں تمام تر تکلّفات سے پاک ہوں۔ میری زندگی میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو دنیا کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کو کبھی استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو استعمال تو کرتا ہوں لیکن وہی زندگی کا مقصود و مطلوب نہیں ہیں بلکہ ان کا استعمال بھی اللہ تعالیٰ کے حکم تحدیث نعمت کی وجہ سے ہی ہے۔ اور اگر مجھے کوئی چیز پسند ہے، اگر کوئی میری مرغوب چیز ہے، اگر میرا کوئی مطلوب و

مقصود ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اللہ تعالیٰ کا پیار ہے۔ یہ دنیا کی چیزیں تو عارضی ٹھکانہ ہیں اور جہاں اپنے عمل سے ہمیں یہ دکھایا کہ یہ دنیاوی چیزیں میرا مقصد حیات نہیں ہیں وہاں یہ تعلیم بھی دی کہ دنیا کی آسائشیں اور نعمتیں تمہارے فائدہ کے لئے تو ہیں، ان سے فائدہ اٹھاؤ لیکن ان دنیاوی چیزوں کو ہی سب کچھ سمجھ نہ بیٹھو۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی چاہئے اور اگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو تو سادگی اور قناعت ہی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہی چیزیں ہیں جو تمہیں خدا کا قرب دلانے کا باعث بنتی ہیں۔ لیکن اگر تم دنیا کے آرام و آسائش کی تلاش میں پڑ گئے اور اس قدر پڑ گئے کہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا بھی بھول گئے تو پھر آہستہ آہستہ یہی چیزیں تمہارا مطلوب و مقصود ہو جائیں گی اور مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی یاد آہستہ آہستہ دل سے نکل جائے گی۔ اس بارے میں قرآن کریم نے ہمیں متعدد جگہ پر نصیحت فرمائی۔ حکم دیا ہے کہ دنیا کی چیزوں کو ہی مقصود نہ سمجھو۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

{وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۔لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۔وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ}

(طٰہٰ:132)

’’ترجمہ: اور اپنی آنکھیں اس عارضی متاع کی طرف نہ پسار جو ہم نے ان میں سے بعض گروہوں کو دنیاوی زندگی کی زینت کے طور پر عطا کی ہے تا کہ ہم اس میں ان کی آزمائش کریں۔ اور تیرے رب کا رزق بہت اچھا اور باقی رہنے والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہمیں جو اس نبی کی امت میں شامل ہونے کا دعویٰ کرنے والے ہیں یہ توفیق دے کہ آپؐ کے اس اسوہ پر عمل کرتے ہوئے اس کو اپنا ئیں۔ ایک ایک حدیث میں کئی کئی پیغام ہیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ یہ ہمارے سامنے اُسوہ ہیں، آنحضورؐ نے جن پر عمل کرکے دکھایا یہ نمونے قائم فرمائے۔ یہ ہمارے عمل کے لئے ہیں، ہماری بہتری کے لئے ہیں۔ صرف سننے کے لئے اور کہانیوں کے لئے نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



غزل

عبدالجلیل عباد جرمنی

نیا ایک باب پھر کھلنے لگا ہے
جو باطل تھا وہ اب مِٹنے لگا ہے

ستارہ چل رہا ہے چال اپنی
اندھیرا دیکھ لو چھٹنے لگا ہے

شبِ دامن پہ کرتی رقص کرنیں
یہ آنسو کام اب کرنے لگا ہے

بدلتا جا رہا جو وقت کروٹ
کوئی عُقدہ یہاں کُھلنے لگا ہے

جو منظر تھا پسِ پردہ ابھی تک
اُسی سے پردہ اب اُٹھنے لگا ہے

طلوع مغرب سے سورج ہورہا ہتے
زمیں کی آنکھ کو دِکھنے لگا ہے

صحرا کے مَن سیاب نکلی ہے خوشبو
بدن یہ دھوپ کا کِھلنے لگا ہے

گلے جب سے حسیں مِلنے لگے ہیں
محبت کا یقیں ہونے لگا ہے

یہ کیسا چودھویں کا چاند اُبھرا
خزانہ نُور کا بٹنے لگا

خُدائی تاج یہ سَر پہ ہے جس کے
خُدا اس کی زباں بننے لگا ہے

زمانہ اُس کے آگے سَرنگوں ہے
خُدا عزت جسے دینے لگا ہے

مسیح کا یہ روحانی سلسلہ اب
جہاں میں پھولا ور پھلنے لگا ہے

اِشارے آرہے ہیں آسماں سے
کوئی اب بادشاہ بننے لگا ہے

چلو عباد تم تو کُوئے جاناں
مُوذّن پھراذان دینے لگا ہے



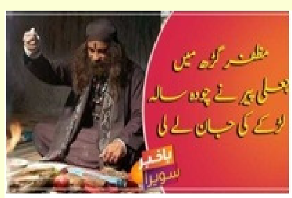
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کئے جانے والے جادو کی حقیقت

خواجہ محمد افضل بٹ



تمہید

نبی کی وفات کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مذہب کے لوگ دین کی تعلیم سے دور ہوتے جاتے ہیں اور مذہبی تعلیم کو بھول جاتے ہیں۔ تب معاشرے میں دو گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک گروہ کے لوگ تو ویسے ہی مذہب کی حقیقت سے دور جا پڑتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ مذہب پر عمل صرف دوسری قسم کے گروہ کے لوگوں کا کام ہے اور مذہب کا سارا کا سارا دارومدار انہیں کے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں اور یہ دوسری قسم کے لوگ بھی چونکہ نبی کے زمانہ سے دور ہو چکے ہوتے ہیں تو وہ مذہب کو اپنی مرضی سے چلاتے ہیں اور اپنی ہی مرضی کے عقائد نافذ کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ لوگ جو کسی بھی مذہب کے علماء کا طبقہ ہوتا ہے وہ عوام الناس جو کہ گروہ اول سے تعلق رکھتے ہیں، کی مذہب سے لاعلمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ عوام الناس کو ایسے عجیب وغریب معاملات میں الجھا کر اپنی روزی روٹی کمانے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اپنی چالاکیوں کو رزق کمانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ان سب کاموں کے لئے مذہب کا سہارا لیتے ہیں اور یہ نہیں خیال کرتے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ، وَاللہُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ۔ جبکہ وہ اپنی ایسی حرکات سے اور مذہبی تعلیمات میں اپنی مرضی کی تاویلات کر کے عوام الناس کو گمراہ کرتے ہیں اور ان کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ان کے اس قسم کے عقائد اور تاویلات سے انبیاء، مذاہب اور بسا اوقات ز خدا تعالیٰ کی ذات پر پڑتی ہے۔

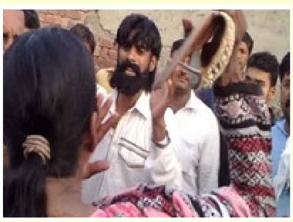


ایسا ہی آجکل پاکستان کے مختلف ٹی وی چینلز پر دیکھنے میں آرہا ہے ، جہاں مختلف مکتبہ فکر کے لوگ اور علماء پینل کی شکل میں آتے ہیں۔ جب ان سے جادو کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو جادو کو برحق قرار دینے کے لئے ایک روایت پیش کرتے ہیں اور اس طرح وہ اپنی دکانداری چمکاتے ہیں اور کمال بے شرمی سے بتاتے ہیں کہ ہمارے سرور کائنات حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا اور اس کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر نسیان رہنے لگا تھا۔ (معاذ اللہ)

ان علماء کے عقائد کا رد عمل

جب نام نہاد علماء ایسے دلائل بغیر تحقیق کے عوام الناس کے سامنے پیش کرتے ہیں عوام الناس ان کی باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بات بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ نعوذ باللہ من ذالک جادو برحق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک یہودی کے جادو کے زیر اثر ہو گئے تھے۔ اور اس طریق پر ایسے نام نہاد علماء کی دکان کی چاندی ہو جاتی ہے۔

پھر تعویذ گنڈے کرنے والے جعلی پیر اور علماء جادو اور عمل کے نام پر عورتوں کی عصمت لوٹنے کے اور جان تک لینے کے کئی واقعات سامنے آرہے ہیں۔



ابھی اس روایت پر کچھ بات کرنے سے پہلے اس وقت کے نام نہاد علماء کی حالت زار پر بات کرتے ہیں جو یہ بات خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ من ذالک سرور کائنات، شاہ دو جہاں، حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک یہودی کے جادو کے زیر اثر ہو گئے تھے، اور عوام الناس کو بھی مجبور کرتے ہیں کہ وہ بھی ایسی بے ہودہ باتوں کو قبول کریں۔ افسوس صد افسوس ایسے لوگوں کی سوچ پر۔

پھر ایسے عقائد کی وجہ سے اعتراضات کی ایک بوچھاڑ ہے جو اسلام پر ہو جاتی ہے۔ اور ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات اقدس کو الزامات سے بچا سکیں۔

حدیث سحر

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: سُحِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهُ، حَتَّى إِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ عِنْدِي، دَعَا اللَّهَ وَدَعَاهُ، ثُمَّ قَالَ: أَشَعَرْتِ يَا عَائِشَةُ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ « قُلْتُ: وَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: جَاءَنِي رَجُلاَنِ، فَجَلَسَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي، وَالآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ، ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: مَا وَجَعُ الرَّجُلِ؟ قَالَ: مَطْبُوبٌ، قَالَ: وَمَنْ طَبَّهُ؟ قَالَ: لَبِيدُ بْنُ الأَعْصَمِ اليَهُودِيُّ مِنْ بَنِي زُرَيْقٍ، قَالَ: فِيمَا ذَا؟ قَالَ: فِي مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ وَجُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ، قَالَ: فَأَيْنَ هُوَ؟ قَالَ: فِي بِئْرِ ذِي أَرْوَانَ قَالَ: فَذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ إِلَى البِئْرِ، فَنَظَرَ إِلَيْهَا وَعَلَيْهَا نَخْلٌ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَ: وَاللَّهِ لَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الحِنَّاءِ، وَلَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ « قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَأَخْرَجْتَهُ؟ قَالَ: »لاَ، أَمَّا أَنَا فَقَدْ عَافَانِيَ اللَّهُ وَشَفَانِي، وَخَشِيتُ أَنْ أُثَوِّرَ عَلَى النَّاسِ مِنْهُ شَرًّا« وَأَمَرَ بِهَا فَدُفِنَتْ

(صحیح بخاری حدیث نمبر 5766)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ پر سحر کیا گیا (یعنی دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ آپ کو سحر کر دیا گیا ہے) حتیٰ کہ ان ایام میں آپ بعض اوقات یہ خیال فرماتے تھے کہ آپ نے فلاں کام کیا ہے حالانکہ درحقیقت نہیں کیا ہوتا تھا۔ (ایک اور روایت میں یہ ہے کہ) آپ بعض اوقات خیال کرتے تھے کہ میں اپنی فلاں بیوی کے گھر ہو آیا ہوں حالانکہ آپ اس کے گھر نہیں گئے ہوتے تھے۔ انہی ایام میں آپ ایک دن میرے مکان میں تھے اور آپ گھبراہٹ میں بار بار خدا کے حضور دعا فرماتے تھے اس دعا کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اے عائشہ! کیا تم تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ بات بتا دی ہے جو میں نے اس سے پوچھی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (خواب میں) میرے پاس دو آدمی آئے ان میں سے ایک میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف بیٹھ گیا۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا اس شخص کو کیا تکلیف ہے؟ (یہ انداز گفتگو بھی حکایت عن الغیر کی تائید کرتا ہے) دوسرے شخص نے (فتنہ پردازوں کے خیال کے مطابق) جواب دیا یہ وہی ہے جسے سحر کیا گیا ہے۔ اس پر پہلے شخص نے پوچھا اسے کس نے سحر کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا اسے لبید بن اعصم یہودی نے سحر کیا ہے جو بنی زریق کا حلیف ہے (اور ایک روایت میں ہے کہ وہ منافق تھا) اس پر پہلے شخص نے پھر سوال کیا کس چیز کے ذریعہ سحر کیا گیا ہے؟ دوسرے نے کہا ایک کنگھی میں سر کے بالوں کی گرہیں باندھ کر اور اسے ایک نر کھجور کی خشک شاخ میں لپیٹ کر رکھا گیا ہے۔ پوچھنے والے نے سوال کیا یہ کنگھی وغیرہ کہاں رکھی ہے؟ دوسرے نے جواب دیا وہ ذروان کے کنویں میں رکھی ہے۔ اس خواب کے بعد آپ اپنے بعض صحابہ کے ساتھ اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اس کا معائنہ فرمایا۔ اس پر کھجوروں کے کچھ درخت اُگے ہوئے تھے پھر آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس واپس تشریف لائے اور ان سے فرمایا۔ عائشہ! میں اسے دیکھ آیا ہوں۔ اس کنوئیں کا پانی مہندی کے پانی کی طرح سرخی مائل ہو رہا ہے۔ اور اس کے کھجور کے درخت تھوہر کے درختوں کی طرح مکروہ نظر آتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا آپ نے اس کنگھی وغیرہ کو باہر نکلوا کر پھینک کیوں نہ دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، خدا نے مجھے محفوظ رکھا اور مجھے شفا دے دی تو پھر میں اسے باہر پھینک کر لوگوں میں ایک بری بات کا چرچا کیوں کرتا (جس سے کمزور طبیعت کے لوگوں میں سحر کی طرف خوانخواہ توجہ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا) پس اس کنوئیں کو دفن کر کے بند کروا دیا گیا''



علماء کو کہاں غلطی لگی!

اصل میں غلطی علماء کو حدیث کو سمجھنے میں لگی اور انہوں نے اس پر تحقیق کرنے کی بجائے ظاہر پر ہی اکتفا کر لیا یا صرف ظاہر پر ہی اکتفاء کرنا چاہا۔ پس یہ بات مدنظر رکھنی

چاہیئے کہ حکایت عن الغیر کا طریق کلام عربوں میں عام رائج تھا بلکہ خود قرآن مجید نے بھی بعض جگہ اس طرز کلام کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ دوزخیوں کو مخاطب کر کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

ذُقۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ (الدخان:50)

یعنی اے جہنم میں ڈالے جانے والے شخص! تو خدا کے عذاب کو چکھ بے شک تو بہت عزت والا بڑا شریف انسان ہے۔

اب اس سے ہرگز یہ مراد نہیں لینا چاہیئے کہ نعوذ باللہ جہنم واصلین کو معزز کہا جارہا ہے۔ بلکہ یہ انداز گفتگو ہے کہ اے وہ شخص جس کو اس کے ساتھی اور وہ خود بھی اپنے آپ کو معزز خیال کرتے تھے اب تو خدا کے عذاب کو چکھ لے۔ تو خود کو معزز اور دوسروں کو حقیر خیال کرتا تھا اب اس عذاب کا مزہ چکھ لو۔ بالکل ایسے ہی خواب میں ان دو آدمیوں یا دو فرشتوں نے اختیار کیا جو آنحضرت ﷺ کو اس خواب میں نظر آئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جو کہا کہ اسے جادو ہوا ہے اس سے مراد بھی وہی تھی کہ لوگوں کے خیال کے مطابق اسے سحر ہو گیا ہے اور لوگوں کے خیال کا انہوں نے وہاں ذکر کیا ہے۔

قرآنی دلیل

ایسے نام نہاد علماء کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ

لَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَيۡثُ اَتٰى (طٰہٰ:70)

یعنی ایک ساحر خواہ کوئی سا طریق اختیار کرے وہ خدا کے ایک نبی کے مقابل پر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اب کیا خدا تعالیٰ نعوذ باللہ کمزور پڑ گیا تھا کہ اپنے اس وعدے کو پورا نہ کرتا۔ یا ان کے جادو کی طاقت خدا تعالیٰ کی طاقت سے زیادہ ہوگئی تھی۔ جو خدا تعالیٰ اپنا وعدہ پورا نہ کرسکا (معاذ اللہ)

رؤیا کا اصل مقصد

خواب کی اصل غرض یہ تھی کہ جو چیز ان خبیثوں نے چھپا کر ایک کنوئیں میں رکھی ہوئی تھی اور اسکے ذریعہ وہ اپنے ہم مشرب لوگوں کو دھوکا دیتے تھے اسے خدا اپنے رسول پر ظاہر کردے تا ان کے اس مزعومہ سحر کو ملیامیٹ کر دیا جائے۔ اور درحقیقت ایسا ہی ہوا کہ ان کے آلۂ سحر کو سپرد خاک کر دیا گیا اور بالواسطہ طور



سب جان و مال اپنا خدا پر فدا کیا

(حضرت مرزا شریف احمدؓ)

اے قوم احمدی تُو ذرا غور سے تو دیکھ
دینِ خدا کے واسطے تُو نے ہے کیا کیا
ہے دعوٰئ وراثت اصحابِ مصطفٰےؐ
ان کی طرح بتا تو سہی تُو نے کیا کیا
کن کن مصیبتوں میں وہ ثابت قدم رہے
کچھ یاد ہے تمہیں جو صحابہ نے تھا کیا
چُھوٹا وطن عزیز چُھٹے ہمنشیں چُھٹے
کفار نے ہر عیش کو ان کے فنا کیا
لُوٹے گئے ، شہید ہوئے ، راہِ دیں میں
سب جان و مال اپنا خدا پر فِدا کیا
پروانہ تھے وہ شمع صداقت کے واسطے
فرحاں تھی روح گو تنِ خاکی جلا کیا
ہر امتحاں کے وقت وہ ثابت قدم رہے
بڑھ بڑھ کے اپنی جاں کو قرباں سدا کیا
راضی خدا تھا ان سے وہ اس کی رضا پہ خوش
ان عاشقوں نے نفس کو ایسا فنا کیا
اسلام کی اشاعتِ کامل کے فرض کو
تمہی کہو کہ تم نے کہاں تک ادا کیا
کتنوں نے دین کے لئے دنیا نثار کی
کتنوں نے جان و مال کو وقفِ خدا کیا
جو مال دے گئے تھے مسیحِ محمدیؐ
کس کس کو تم نے وہ زرِ خالص عطا کیا
حصہ لیا ہے تم نے جو تبلیغ دین میں
اعلان حق جو تم نے ببانگ درا کیا

(بحوالہ روزنامہ الفضل آن لائن لندن)

پر اس کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ کی طبیعت کا یہ فکر بھی کہ یہ لوگ اس قسم کی شرارتیں کر کے سادہ مزاج لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، زائل ہو گیا اور یہ خدائی وعدہ بڑی آب وتاب کے ساتھ پورا ہوا کہ:

لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى (طٰہٰ:70)

اب اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ:

صلح حدیبیہ کے واقعہ کے بعد جس کی وجہ سے حضور ﷺ دوسروں کی لغزش کا خیال سے کافی فکر میں رہتے تھے اور انہی ایام میں آپ نے دردوں کے علاج کی غرض سے اپنے سر مبارک پر سینگیاں بھی لگوائی تھیں۔ آپ کچھ عرصہ کے لئے نسیان کی مرض میں مبتلا ہو گئے تھے اور آپ کوئی دنیوی باتیں جو گھریلو معاملات سے تعلق رکھتی تھیں بھول جاتے تھے۔

آپ کی اس حالت کو دیکھ کر یہودیوں اور منافقوں نے جو ہمیشہ ایسی باتوں کی آڑ لے کر اسلام اور مقدس بانی اسلام کو بدنام کرنا چاہتے تھے یہ مخفی چرچا شروع کر دیا کہ ہم نے نعوذ باللہ مسلمانوں کے نبی پر جادو کر دیا ہے۔ ان کا یہ چرچا ایسا ہی تھا جیسا کہ انہوں نے غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے حضرت عائشہ کو بدنام کرنا شروع کر دیا تھا اور اس طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی تلخ کرنے کی ناپاک کوشش کی تھی۔

اس مزعومہ سحر کی ظاہری علامت کے طور پر تا کہ سادہ طبع لوگوں کو زیادہ آسانی سے دھوکا دیا جا سکے ان خبیث فطرت لوگوں نے یہودی النسل منافق لبید بن اعصم کے ذریعہ پرانے طریق کے مطابق ایک کنگھی میں کچھ بالوں کی گرہیں باندھ کر اسے ایک کنوئیں میں دبا دیا اور مخفی گپ بازی شروع ہو گئی جو حضور ﷺ کی مزید پریشانی کا موجب ہوئی۔

حضور ﷺ نے خدا تعالیٰ سے گھبراہٹ اور اضطراب سے دعائیں کیں کہ اے خدا تو ہی اپنے فضل سے اس فتنہ کو روک اور لوگوں کو ٹھوکر کھانے سے بچا لے

خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور لوگوں کے سامنے لبید بن اعصم کی شرارت کا پول کھول دیا۔ اس پر آپ ﷺ صحابہؓ کے ہمراہ اس کنوئیں تک گئے اور (مزعومہ) سحر زدہ کنگھی کو سپرد خاک کر دیا اور ساتھ ہی کنواں بھی بند کروا دیا۔

انبیاء کرام پر جادو اثر نہیں کرتا

آنحضرت ﷺ کو خدا تعالیٰ نے ایسی قوت قدسیہ عطا کی تھی کہ آپ ﷺ پر کسی کے سحر کا اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ قرآن کریم نازل کرنے والا خدا کہہ رہا ہے۔ قرآن کریم کی روشن اور واضح آیات سے آنحضرت ﷺ کے وجود باجود کی عظمت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ سید ولد آدم اور تمام نبیوں کے سردار ہیں۔ رسولوں اور انبیاء علیہم السلام کی یہ شان نہیں ہوتی کہ ان پر جادو کا کچھ اثر ہو سکے۔

سحر تو حضرت سلیمانؑ پر نہ چل سکا، نہ حضرت موسیٰؑ پر چل سکا، نہ حضرت عیسیٰؑ اور نہ ہی کسی اور نبی پر جادو کا اثر ہوا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے سرور کائنات، شاہ دو جہاں، جس وجود کے لئے ہی تمام کائنات کی تخلیق ہوئی، یعنی ہمارے سید و مولا، سید الانبیاء حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر جادو اثر کرتا۔

انبیاء کے مخالف بھی تو انبیاء کے پیروکاروں پر یہی الزام لگاتے آئے ہیں کہ

يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا

(بنی اسرائیل:48)

ترجمہ: ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم ایک محض ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جو سحر زدہ ہے۔

اب دیکھا جائے تو یہ قول تو انبیاء کے مخالفین کا ہوا کرتا ہے اور یہ آجکل کے علماء کس طرح خود تسلیم کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ من ذالک حضور ﷺ پر جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ ایک دوسرے مقام پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جادو بھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ رسولوں اور نبیوں کی یہ شان نہیں ہوتی کہ ان پر جادو کا کچھ اثر ہو سکے۔ بلکہ ان کو دیکھ کر جادو بھاگ جاتا ہے جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى (طٰہٰ:70) دیکھو حضرت موسیٰؑ کے مقابل پر جادو تھا۔ آخر موسیٰ غالب ہوا کہ نہیں؟ یہ بات بالکل غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مقابلہ پر جادو غالب آ گیا۔ ہم اس کو کبھی نہیں مان سکتے۔ (ملفوظات جلد 9 صفحہ 471)

یعنی 1. جادو بھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

2. رسولوں اور نبیوں پر جادو کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کو دیکھ کر جادو بھاگ جاتا ہے۔

3. کسی خبیث نے اس واقعہ میں بعض باتیں ملا دی ہیں۔ ایسی باتیں کہنے والے تو ظالم ہیں نہ مسلمان۔ یہ تو بے ایمانوں اور ظالموں کا قول ہے۔

کیا نبی کو نسیان ہو سکتا ہے؟

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ انبیاء کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ 1: وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مصفّیٰ وحی پا کر خدا تعالیٰ کا پیغام دنیا تک پہنچانے کے لئے اس کا نبی اور رسول ہوتا ہے۔ 2: وہ انسانوں میں سے ایک انسان ہوتا ہے۔ اور اسکے ساتھ تمام انسانی قوانین لگے ہوتے ہیں اور وہ ان قوانین کا بطور انسان ماتحت ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (سورہ الانبیاء آیت 109)

یعنی اے رسول! تو لوگوں سے کہہ دے کہ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں (اور تمام ان قوانین کے تابع ہوں جو دوسرے انسانوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں) ہاں میں یقیناً خدا کا ایک رسول بھی ہوں اور خدا کی طرف سے مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے وحی والہام سے نوازا گیا ہوں۔

اس آیت میں نبیوں اور رسولوں کی دوہری حیثیت کو کمال عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ یعنی انہیں ایک جہت سے دوسرے انسانوں سے ممتاز کیا اور دوسری طرف سے ان کو دوسرے انسانوں سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ پس اگر کوئی یہ کہے کہ نبی بشری لوازمات اور انسان کے طبعی خطرات سے بالا ہوتے ہیں وہ جھوٹا ہے۔ یقیناً نبی بھی دوسرے انسانوں کی طرح بیمار ہوتے ہیں اور ان کو بھی مختلف بیماریاں لاحق ہوتی ہیں جیسے کہ دوسرے انسانوں کو لاحق ہوتی ہیں۔ ہاں سوائے اس کے کہ کسی ایک نبی کو خدا کی طرف سے کسی خاص بیماری سے استثناء دیا گیا ہو۔

ایک اعتراض اور اس کا ازالہ

اگر کوئی شخص یہ بات کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو کہا ہے کہ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى (سورہ الاعلیٰ آیت 7) یعنی تو کبھی نہیں بھولے گا۔ تو آپ ﷺ کو نسیان کیوں کر ہو گیا؟

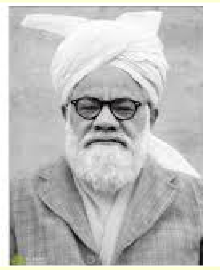
یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ وعدہ صرف قرآنی وحی کے متعلق ہے نہ کہ عام اور اس جگہ مراد یہ ہے کہ اے نبی! ہم اپنی جو وحی تجھ پر امت کی ہدایت کے لئے نازل کریں گے اسے تو نہیں بھولے گا اور ہم قیامت تک اس کی حفاظت کریں گے۔ عام معمولات زندگی اور دنیوی باتوں کے متعلق یہ وعدہ ہرگز نہیں ہے۔

حضور ﷺ نے خود ایک جگہ پر بیان فرمایا کہ

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَاذْكُرُوْنِيْ

(ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب اذا صلی خمسا)

یعنی میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں اور جس طرح تم کبھی بھول جاتے ہو میں بھی بھول سکتا ہوں۔ پس اگر مَیں کسی معاملہ میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔



علماء گزشتہ کا کیا عقیدہ تھا؟

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:

’’پس جس طرح آنحضرت ﷺ کو کبھی کبھی عام اور وقتی نسیان ہو جاتا تھا اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد کچھ عرصہ کے لئے بیماری کے رنگ میں نسیان ہو گیا۔ چنانچہ یہی وہ تشریح ہے جو سحر والی روایت کے تعلق میں بعض گزشتہ علماء نے کی ہے۔ مثلاً علامہ مازری فرماتے ہیں:

قَدْ قَامَ الدَّلِيْلُ عَلٰى صِدْقِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا مُعْجِزَاتُ شَاهِدَاتٌ بِتَصْدِيْقِه وَاِمَّا مَا يَتَعَلَّقُ بِاُمُوْرِ الدُّنْيَا الَّتِيْ لَمْ يُبْعَثْ لِاَجْلِهَا فَهُوَ فِيْ ذَالِكَ عُرْضَةٌ لِّمَا يُعْرَضُ مِنَ الْبَشَرِ كَالْاَمْرَاضِ (فتح الباری شرح بخاری جلد نمبر 10 صفحہ 177)

یعنی آنحضرت ﷺ کی صداقت پر بے شمار پختہ دلائل موجود ہیں اور آپ ﷺ کے معجزات بھی آپ کی سچائی پر گواہ ہیں۔ باقی عام دنیا کے امور جن کے لئے آپ ﷺ مبعوث نہیں کئے گئے تھے سو اس تعلق میں یہ ایک بیماری کا عارضہ سمجھا جائے گا جیسا کہ انسان کو دوسری بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔

اور علامہ ابن القصار فرماتے ہیں:

الَّذِيْ اَصَابَهٗ كَانَ مِنْ جِنْسِ الْمَرَضِ، بقوله فی اٰخِرِ الْحَدِيْثِ اِمَّا اَنَّهٗ فَقَدْ شفانی

(فتح الباری شرح بخاری جلد نمبر 10 صفحہ 177)

یعنی آنحضرت کو جو یہ عارضہ نسیان کا پیش آیا تو یہ بیماریوں میں سے ایک

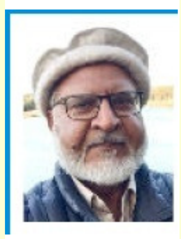
بیماری تھی جیسا کہ حدیث کے ان آخری الفاظ سے ظاہر ہے کہ اللہ نے مجھے شفا دے دی ہے۔(مضامین بشیر جلد سوم صفحہ 652۔653)

نتیجہ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:

’’خلاصہ کلام یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی مذکورہ حالت جسے دشمنوں کے سحر کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے وہ ہرگز کسی سحر وغیرہ کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ پیش آمدہ حالات کے ماتحت محض نسیان کی بیماری تھی جسے بعض فتنہ پرداز لوگوں نے رسول پاک کی ذات والا صفات کے خلاف پراپیگنڈے کا ذریعہ بنالیا۔قرآن مجید نبیوں پر سحر کے قصہ کو دور سے ہی دھکے دیتا ہے۔عقل انسانی اسے قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔حدیث کے الفاظ اس تشریح کو جھٹلاتے ہیں جو اس پر مڑھی جارہی ہے۔اور خود سرور کائنات افضل الرسل کا ارفع مقام سحر والے قصے کے تارپود بکھیر رہا ہے۔‘‘

(مضامین بشیر جلد سوم صفحہ 653)



حمدِ باری تعالیٰ

ڈاکٹر طارق انور باجوہ لندن

وہ مخاطب ہوا مجھ سے کہہ کر کہ تُو
کر رہا ہے مرے پیار کی جستجُو
مجھ سے ملنے کی رکھتا ہے تُو آرزو
تیری آنکھوں سے ہے جو رواں آب جو
دل میں رہتا ہے تیرے سدا اللہ ہُو
تیرا حق ہے کرے مجھ سے تُو گفتگُو
اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو
اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو

تُو نے چھوڑا ہے میرے لئے سب جہاں
نعمتیں میں نے جو دیں، ہیں تجھ پر عیاں
شکر سے ہر گھڑی تیری تر ہے زباں
صبر کرتا ہے تُو آئے گر امتحاں
ہے تجھے جاں سے پیاری مری آبرو
ہے مرے ذکر سے گرم تیرا لہو
اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو
اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو

یہ بنے ہیں جو سارے زمان و مکاں
تیری خاطر بنائے ہیں دونوں جہاں
ہے ترے دل میں، میری محبّت نہاں
تُجھ کو اندازہ کیا تُو کہاں میں کہاں
دیکھ سکتا نہیں تُو مجھے رُو برو
میرا جلوہ مگر ہے یہاں چار سُو
اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو
اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو

میں تو اس کی عنایت پہ حیراں ہوا
ذات کا اس کی مجھ کو جو عرفاں ہوا
اس کی رحمت کا شفقت کا جویاں ہوا
دیکھ کر مہرباں، اس پہ قرباں ہوا
آزمائش میں جو ہو گیا سُرخرو
اس کا دل پا گیا رازِ لَا تقنطُوا
اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو
اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو

آمنہ کے بطن سے ہویدا ہوا
دیکھ کر جو تِرا حسن شیدا ہوا
اُس کے دل میں تُو مثلِ سُویدا ہوا
پھر، نہ عاشق کبھی ویسا پیدا ہوا
تیرے جیسا نہیں ہے کوئی خوبرو
ہم کھڑے ہوں ترے سامنے با وضو
اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو
اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو اللہ ہُو



کفر کا فتویٰ اور خلافت ثالثہ

(انجینئر محمود مجیب اصغر)



''اس بات سے اکثر مسلمان بے خبر ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ ہوگا۔''

(تفسیر مسیح موعود جلد 8 صفحہ 135)

دیں غار میں چھپا ہے اک شور کفر کا ہے۔
اب تم دعائیں کرلو غار حرا یہی ہے

آج کل احمدی مسلمانوں پر کفر کے فتوے کا بڑا چرچا ہے بانی جماعت احمدیہ مسلمہ فرماتے ہیں

''جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی خدا اپنے خاص اور پیارے بندوں کو بیگانہ آدمیوں کی نظر سے کسی نہ کسی طرح ظاہری اعتراض کے نیچے لا کر محجوب اور مستور کر دیتا ہے تا اجنبی لوگوں کی ان پر نظر نہ پڑ سکے اور تا وہ خدا کی غیرت کی چادر کے نیچے پوشیدہ رہیں''

محمد رسول اللہ

یہی وجہ ہے کہ سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ جیسے کامل انسان پر جو سراسر نور مجسم ہیں اندھے پادریوں اور نادان فلسفیوں اور جاہل آریوں نے اس قدر اعتراض کئے ہیں کہ اگر وہ سب اکٹھے کئے جائیں تو تین ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہیں پھر کسی دوسرے کو کب امید ہے کہ مخالفوں کے اعتراض سے بچ سکے اگر خدا چاہتا تو ایسا ظہور میں نہ آتا مگر خدا نے یہی چاہا کہ اس کے خاص بندے دنیا کے فرزندوں کے ہاتھ سے دکھ دیئے جائیں اور ستائے جائیں اور ان کے حق میں طرح طرح کی باتیں کہی جائیں۔

حضرت عیسیٰ مسیح

اسی طرح انجیل سے ثابت ہے کہ بدقسمت یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو بھی کافر اور مکار اور گمراہ اور گمراہ کرنے والا اور فریبی ٹھہرایا یہاں تک کہ ایک چور کو ان پر ترجیح دی

حضرت موسیٰ

ایسا ہی فرعون نے بھی حضرت موسیٰ کو کافر کر کے پکارا جیسا کہ قرآن شریف میں فرعون کا یہ کلمہ درج ہے

وفعلت فعلتك التي فعلت وانت من الكافرين

یعنی اے موسیٰ جو کام تو نے کیا وہ کیا اور تو کافروں میں سے ہے

حضرت مسیح محمدی

پس یہ کفر عجیب کفر ہے کہ ابتداء سے تمام رسول اور نبی وراثت کے طور پر نادانوں کی زبان سے اس کو لیتے آئے یہاں تک کہ آخری حصہ اس کا ہمیں بھی مل گیا پس ہمارے لئے یہ فخر کی جگہ ہے کہ ہم اس حصہ سے کہ جو نبیوں اور رسولوں اور صدیقوں کو قدیم سے ملتا آیا ہے محروم نہ رہے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ کئی گذشتہ نبیوں کی نسبت یہ حصہ ہمیں زیادہ ملا ہے۔''

(چشمہ معرفت بحوالہ تفسیر مسیح موعود جلد 6 صفحہ 368، 369)

ہم عصر علماء سوء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

''میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اگرچہ آپ بھی کفر کے فتووں سے بچے ہوئے نہیں ہیں اور خیر سے ہندوستان میں اول الکافرین ٹھہرائے گئے ہیں تاہم ان کو دوسرے مسلمانوں کے کافر بنانے کا اس قدر جوش ہے کہ جیسے راستباز لوگوں کو مسلمان بنانے کا شوق ہوتا ہے۔

ان کے شاگرد رشید میاں محمد حسین بٹالوی جو شیخ کہلاتے ہیں انہیں کے نقش قدم پر چلے ہیں بلکہ شیخ جی تو کچھ زیادہ گرمی دار تکفیر کے شوق اپنے استاد سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ان دونوں استاد اور شاگرد کا مذہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ننانوے وجوہ ایمان کی کھلی کھلی ان کی نگاہ میں پائی جائیں اور ایک ایمانی وجہ ان کی اپنی کونہ نظری کا فر کہنا ہی مناسب ہے چنانچہ اس عاجز کے ساتھ بھی ان

حضرات نے ایسا ہی برتاؤ کیا۔''
(آسمانی فیصلہ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 2)

آدم سے لےکر اخیر تک

''گورنمنٹ کا ادنی چپڑاسی وصول لگان کے واسطے آجاوے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرتا اور اگر کرے تو گورنمنٹ کا باغی ٹھہرتا ہے اور سزا پاتا ہے مگر خدائی گورنمنٹ کی لوگ پرواہ نہیں کرتے خدا تعالی سے آنے والے لاریب غربت کے لباس میں ہوتے ہیں لوگ ان کو حقارت اور تمسخر سے دیکھتے ہیں ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں مگر اللہ تعالی فرماتا ہے

یاحسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانو به یستهزءون

اللہ تعالٰی سچا ہے وہ جھوٹ نہیں کہتا کہ آدم سے لےکر اخیر تک جتنے بھی نبی آئے ان تمام سے ہنسی ٹھٹھا کیا گیا مگر جب وقت گزر جاتا ہے پھر لگتے ہیں تعریفیں کرنے..........اسی منہاج پر مجھے بھی تمام پنجاب کے اور ہندوستان کے علماء نے کافر، دجال، فاسق، فاجر وغیرہ کے خطاب دیۓ ہیں۔''
(تفسیر مسیح موعود جلد 7 صفحہ 137)

امام کامل حسین رضی اللہ عنہ سے لےکر ہمارے اس زمانہ تک یہی سیرت اور خصلت ان ظاہر پرست مدعیانِ علم کی چلی آئی کہ انہوں نے وقت پر کسی مرد خدا کو قبول نہیں کیا۔
(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 34)

فتوی دینے والے بدتر لوگ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہی زمانے نیک قرار دیۓ ہیں ایک صحابہ کا زمانہ جس کا امتداد اس حد تک متصور ہے جس میں سب سے آخری صحابی فوت ہوا ہو اور امتداد اس زمانہ کا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے وقت تک ثابت ہوتا ہے اور دوسرا زمانہ وسط ہے جس کو بلحاظ بدعات ام الخبائث کہنا چاہیئے اور جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے اور اس زمانے کا آخری حصہ جو مسیح موعود کے زمانہ اقبال سے ملحق ہے اس کا حال احادیث نبویہ کے رو سے نہایت ہی بدتر معلوم ہوتا ہے بیقہی نے اس کے بارے میں ایک حدیث لکھی ہے یعنی یہ کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے مولوی اور فتوے دینے والے ان تمام لوگوں سے بدتر ہوں گے اور حجج الکرامہ میں لکھا ہے کہ درحقیقت مہدی اللہ (مسیح موعود) پر کفر کا فتوی دینے والے یہی لوگ ہوں گے اس بات سے اکثر مسلمان بے خبر ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ مسیح موعود پر کفر کا فتوی ہوگا۔''
(تفسیر مسیح موعود جلد 8 صفحہ 134، 135)

خلافت ثالثہ کا نازک دور

جس طرح یزید بن معاویہ نے سیاسی مقاصد کی خاطر حکومت کی طرف سے حضرت امام حسین علیہ السلام پر ظالمانہ طور پر فتوی لگوایا تھا اسی طرح ایک عالمی سازش کے تحت 1974ء میں احمدیہ فرقہ کے مسلمانوں کو قانون سازی کرکے غیر مسلم قرار دےکر انہیں بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا

معرکہ کربلا کے بعد سب سے اہم واقعہ (نوائے وقت 20 نومبر 74ء)

''وزیر قانون نے کہا کہ قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو نے قادیانیوں کا نوے (90) سالہ پرانا مسئلہ اپنی سیاسی بصیرت سے حل کیا ہے یہ ان کا بڑا کارنامہ ہے کہ تاریخ اسلام میں معرکہ کربلا کے بعد یہ سب سے اہم واقعہ ہے۔''

حضرت امام حسین پر ظالمانہ فتوی

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے فرمایا" جب حضرت امام حسین کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تو کوئی وجہ بھی پیدا کرنی تھی نا اور وجہ یہ کفر اور واجب القتل ۔قصہ یہ ہے سن لیں: یہ تاریخ میں ہے کہتے ہیں کہ بصرہ کے گورنر ابن زیاد نے قاضی شریح کو دربار میں طلب کیا۔ گورنر جو یزید خلیفہ وقت یا باشاہ وقت کی طرف سے مقرر ہیں جو خود تابعین میں سے ہیں اور اس سے کہا کہ آپ حسین ابن علی کے قتل کا فتوی صادر کریں قاضی شریح نے انکار کیا اور اپنا قلمدان اپنے سر پر دے مارا اور اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا یہ ایک دن کا واقعہ ہے۔

جب رات ہوئی تو ابن زیاد نے چند تھیلیاں زر کی سونے کی اشرفیوں کی اس نے بھیجیں

صبح ہوئی شریح ابن زیاد کے پاس آیا ابن زیاد گورنر کے پاس پھر وہی گفتگو شروع کی شریح نے کہا کہ کل رات میں نے قتل حسین پر بہت غور کیا اور اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں (تھیلیاں لینے کے بعد) کہ ان کا قتل کر دینا واجب ہے کیونکہ

انہوں نے خلیفہ وقت پر خروج کیا ہے پھر قلم اٹھایا اور فرزند رسول کا فتوی اس مضمون کا لکھا میرے نزدیک ثابت ہوگیا ہے کہ حسین ابن علی دین رسول سے خارج ہوگیا ہے لہذا وہ واجب القتل ہے یعنی نبی کریم ﷺ کے دین سے خارج ہوگیا ہے اور واجب القتل ہے۔

(خطاب برموقع سالانہ اجتماع مجلس خدا الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ 7 نومبر 1980)

احمدی مسلمان ہیں

فرمایا" ہم سب بفضل اللہ تعالی مسلمان ہیں میں ایمان رکھتا ہوں قرآن پر جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا میں ایمان رکھتا ہوں خدائے واحد و یگانہ کی ہستی پر جو قادر مطلق ہے میں ایمان رکھتا ہوں کہ اللہ تمام صفات حسنہ سے متصف ہے میں ایمان رکھتا ہوں کہ اسلام ایک عظیم مذہب ہے اور ایمان رکھتا ہوں اس بات پر کہ اگر تم اسلام کے نور سے منور ہو گے اور اللہ کی مرضی کے آگے اپنی مرضی کو چھوڑ دو گے تو خدا تم پر بڑے فضل نازل کرے گا وہ تم سے ذاتی تعلق قائم کرے گا اگر تم محمد ﷺ کی محبت کو دل میں جگہ دو گے تو تم دیکھو گے کہ خدا تم سے محبت کرتا ہے۔

میں ذاتی تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ خدا مجھ سے پیار کرتا ہے میں تو ایک عاجز ترین انسان ہوں بلکہ اس لئے کہ میں اللہ تعالٰی اور اس کے عظیم رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں وہی اللہ جس سے میں محبت کرتا ہوں اور جس کے رسول سے میں محبت کرتا ہوں مجھ سے کہتا ہے کہ تم مسلمان ہو جب خدا کہتا ہے کہ تو مسلمان ہے تو پھر دنیا کی کون سی طاقت مجھے غیر مسلم ٹھہرا سکتی ہے۔''

(دورہ مغرب 1400ھ صفحہ 345)

یہ خیال احمقانہ ہے ہمارے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کے لئے کسی فتوی کی ضرورت نہیں۔

''یہ خیال کرنا احمقانہ بات ہے کہ جب تک حکومت وقت ہمیں مسلمان تسلیم نہ کرے خدا بھی ہمیں مسلمان نہی مانے گا ہمیں کسی کی سند کی ضرورت نہیں ہاں ہمیں فکر یہ ہونی چاہیئے کہ ہمارا خدا ہم سے ناراض نہ ہو جائے اس سے کبھی بے وفائی نہیں کرنی اصل تو خدا ہے بنیادی حقیقت اس کائنات کی توحید باری تعالی ہے اس کو چھوڑ کر اس کو ناراض کر کے ہم کہاں جائیں گے۔''

(خطبات ناصر جلد ہشتم صفحہ 641)

قرآن کیا کہتا ہے

" وہاں ایک صحافی کہنے لگا نارویجین کہ یہ جو دوسرے فرقوں کے مسلمان ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے آپ کو ناٹ مسلم Not Muslim قرار دے دیا ہے میں نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے انہوں نے ناٹ مسلم قرار دیا ہے یا نہیں؟

قرآن کریم میں یہ آیت ہے

قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنو (الحجرات آیت 15)

ان کے لئے تو اعراب کا ترجمہ میں نے کیا تھا A Section of Muslims کیونکہ اعراب کے معنی سمجھنے میں ان کو دقت ہوتی ہے بہر حال ایک حصہ اعراب کا کہتے ہیں" آمنا" ہم مومن ہیں"قل لم تؤمنوا" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انہیں کہہ دو تم مومن نہیں ہو آیت کا اگلا حصہ میں پہلے لے لیتا ہوں" ولما یدخل الایمان فی قلوبکم "

ترجمہ: اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے (یعنی یہ کہ ہم مومن ہیں) تو ان سے کہہ دے کہ تم حقیقۃ ایمان نہیں لائے لیکن تم کہا کرو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں (یعنی یہ کہ ہم مسلمان ہیں) کیونکہ (اے اعراب) ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اس آیت میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو اپنے آپ کو مومن اور مسلمان کہتے ہیں لیکن خدا ان سے کہتا ہے کہ تم مومن نہیں ہو کیونکہ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا خدا انہیں اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے آپ کو مسلمان کہو بڑی عجیب آیت ہے

میں نے وہاں اس کو سمجھایا میں نے کہا دیکھو قرآن کریم میں یہ لکھا ہے اس آہت کی روشنی میں یہ لوگ ہمیں جو مرضی ہے کہتے رہیں ہم انکو ناٹ مسلم Not Muslim نہیں کہہ سکتے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم مومن ہیں ہم ان کو زیادہ سے زیادہ ناٹ مومن کہہ سکتے ہیں

ناٹ مسلم Not Muslim نہیں کہہ سکتے یہ جو مرضی کہتے پھریں سمجھدار لوگ ہیں انہوں نے مسئلے کو سمجھ لیا اور ایک سب سے بڑے اخبار نے لکھ دیا پھر نمایاں کر کے لکھ دیا مسلمانوں کی جماعت کے امام سے وہاں یہ باتیں ہوئیں

ان کو وہاں بعض لوگوں نے تنگ کیا کہ ہم نے ان کو غیر مسلم قرار دے دیا تم نے کیونکر ان کو لکھ دیا مسلمان؟ تو اس نے ایک سب اڈیٹوریل Sub Editorial لکھا...کوئی میرے خیال میں پندرہ بیس سطروں کا ہوگا اس کے آخری دو فقرے یہ تھے کہ دس ملین Ten Million کی ایک جماعت اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے جب تک یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہیں گے ہم ان کو مسلمان لکھتے رہیں گے تو ان کو تو سمجھ آ گیا مسئلہ وہاں '' بہر حال ساری دنیا کو سمجھ آ جائے گا آپ فکر نہ کریں انشاء اللہ۔''

(خطبات ناصر جلد ہشتم جلد 8 صفحہ 659657)

مسلمان کی تعریف

حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے

من صلی صلواتنا و استقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالك المسلم الذی له ذمة الله و ذمة رسوله فلا تخفروا الله فی ذمته"

(بخاری کتاب الصلوۃ باب فضل استقبال القبلة)

میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص ہماری نماز جیسی نماز پڑھے یعنی جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں ویسے ہی وہ نماز پڑھ رہا ہو اور قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہو اور ہمارے ذبیحہ کو کھا رہا ہو اور جو چیزیں کھانے کے لحاظ سے حرام ہیں ان سے بچنے والا ہو تو ذالک المسلم یہ وہ مسلمان ہے...جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی امان اور حفاظت میں ہے پس اے مسلمانو جو عھد اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان باندھا ہے..اس میں خیانت نہیں کرنی۔''

(خطبات ناصر جلد سوم صفحہ 435431)

حقیقی مسلمان کی تعریف

''حقیقی معنوں میں مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں اسلام کے ثمرات کا مستحق قرار پاتا ہے اگر یہ ایک حقیقت ہے اور یقیناً ہے تو پھر ساری دنیا مل کر کسی کو مسلمان کہے تو وہ کہہ سکتی لیکن وہ اسے اسلام کے ثمرات سے متمتع نہیں کر سکتی اسلام کے ثمرات سے تو خدا تعالیٰ ہی متمتع کرتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا ہم احمدیوں پر بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ وہ ہمیں اسلام کے ثمرات سے مسلسل متمتع کر رہا ہے ہمارے مردوں، عورتوں اور بچوں تک کو وہ رؤیائے صالحہ کے ذریعہ مستقبل کی خبریں دیتا ہے اور پھر انہیں وہ پورا کر دکھاتا ہے۔''

(دورہ مغرب 1400ھ صفحہ 151)

بھٹو ایک ہوشیار انسان

''ایک زمانہ تھا کہ پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو کافر قرار دیا گیا وہ دور گزر گیا اور اب انہیں کوئی کافر نہیں کہتا اور وہ عیسائی ہی شمار ہوتے ہیں اگر ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ماجرا گزر رہا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ایسا دنیا میں ہوتا ہی آیا ہے۔بھٹو ایک ہوشیار انسان تھا اس نے اعلان یہ کیا کہ احمدی آئین یا قانون کی اغراض کے تحت نامسلم شمار ہوں گے کسی اور غرض کا اس نے ذکر نہیں کیا۔''

(دورہ مغرب 1400ھ صفحہ 289)

امام محمد بن عبدالوہاب

'' ہمارے وہ بھائی جن کو لوگ وہابی کہتے ہیں یعنی امام محمد بن عبدالوہاب کے متعبین (بعد میں آنے والوں نے ان کی تعلیم کی پرواہ نہیں کی اور ان کی تعلیم کے مطابق بدعات سے پاک معاشرہ قائم نہیں کیا) بہر حال لوگ امام محمد بن عبد الوہاب کی اتباع کرنے والے ہیں اور ان سے منسلک ہیں ان کے متعلق دوسرے تمام فرقوں کے علماء نے کفر کا فتویٰ دیا۔''

(خطبات ناصر جلد پنجم صفحہ 565)

''.... کچھ عرصہ پہلے ہمارے شاہ فیصل اور ان کے خاندان اور ان کے ہم عقیدہ لوگوں کو کم از کم بارہ سال تک حج سے روکا گیا اور ان کے بعض ہم خیال یا ملتے جلتے خیالات رکھنے والے لوگ جو ہندوستان سے حجاز چلے گئے تھے ان سب پر اس وقت کی حکومت نے بڑی سختیاں شروع کر دیں...''

(ایضاً صفحہ 566)

بالکل نہ دھیان دیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے چودھویں صدی ھجری کے آخری سال 22 ملکوں کے دورے کے بعد خطبہ جمعہ 24 اکتوبر.1980ء میں فرمایا:

'' بہر حال دو ذمہ داریاں ہیں خدا کا شکر ادا کریں اور انتہائی کوشش جو آخری اونس ounce ذرہ ہے آپ کی طاقت کا وہ اسلام کے غلبہ کے لئے لگا

دیں اور بالکل نہ دھیان دیں ان آوازوں کی طرف جو آپ کو ناٹ مسلم Not Muslim قرار دیتی ہیں.......میں علی وجہ البصیرت یہ اعلان کرتا ہوں... خدا مجھے اپنی زبان سے مسلمان کہتا ہے اور انسان کی آواز مجھے غیر مسلم کہے تو کیا میں انسان کی آواز کے پیچھے چل پڑوں دنیا کی کوئی طاقت ہمیں خدا کے پیار سے دور نہیں لے جاسکتی دنیا کی کوئی طاقت ہمیں محمد ﷺ کے دامن سے پرے نہیں ہٹا سکتی جو دامن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نے پکڑا ہے وہ اس مضبوطی سے پکڑا ہے کہ کوئی طاقت اسے چھڑوا نہیں سکتی اور جو نور خدا تعالیٰ نے ہماری زندگیوں میں اسلام کا اور اپنی صفات کا پیدا کیا ہے اس نور میں زندہ رہنا، اس نور میں مرجانا ہزار زندگیوں سے اچھا سمجھتے ہیں ہم۔''

(خطبات ناصر جلد ہشتم صفحہ 667)

کافر قرار دینے کا حق

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے چودھویں صدی ہجری کے آخری جمعہ کے روز اپنے خطبہ جمعہ (7 نومبر 1980ء) میں فرمایا:

''دنیا میں کسی کو خدا تعالیٰ نے یہ حق نہیں دیا کہ کسی دوسرے کو دائرہ اسلام سے خارج کرے صرف یہ حق محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دیا اور محمد ﷺ نے یہ حق صرف ایک دفعہ استعمال کیا اور یہ کہہ کے اسے استعمال کیا کہ " جو شخص کسی ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے کافر کہے گا وہ خود کافر ہو جائے گا۔'' (ابوداؤد کتاب السنہ)

(خطبات ناصر جلد ہشتم صفحہ 690)

چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری کا سنگھم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت چودھویں صدی ہجری کے سر پر ہوئی اور خلافت ثالثہ میں تکمیل پذیر ہوئی اور پندرھویں صدی ہجری کا آغاز ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے چودھویں اور پندرھویں صدی کے سنگھم جماعت احمدیہ کو مخاطب کر کے فرمایا

''.تم خدا کی خاطر ایمان لائے ہو جو اپنے بندہ سے کہتا ہے ''اسلم'' محمد رسول اللہ ﷺ کو بت پرستوں نے کیا کچھ نہیں کہا تھا ساری دنیا آپ کے خلاف متحد ہو گئی تھی مگر یہ اتحاد آپ کو اور آپ کے مقصد کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکا تھا اسی طرح جب مہدی علیہ السلام مبعوث ہوئے تو دنیا آپ کے آقا اور مطاع ﷺ کی طرح آپ کے خلاف بھی متحد ہو گئی مگر نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کہ وہ اکیلا تھا ایک کروڑ بن گیا ترقی کی اگر یہی رفتار رہی تو انشاء اللہ اگلی صدی کے دوران (مراد پندرھویں ہے) دنیا میں ایک بھی غیر مسلم نہیں رہے گا ہاں یہ صحیح ہے کہ مومنوں کے لئے امتحان اور ابتلاء کا آنا بھی ضروری ہے مگر نتیجہ ہمیشہ مومنوں ہی کے حق میں نکلتا ہے سو انشاء اللہ آخری فتح ہماری ہی ہے ہمارے ہی ذریعہ اسلام دنیا میں غالب آئے گا اور تمام بنی انسان محمد ﷺ کے جھنڈے تلے آجمع ہوں گے۔''

(دورہ مغرب 1400ھ صفحہ 404-405)

''ہم اس بات کو لعنت سمجھتے ہیں کہ ہماری زبان یہ کہے کہ ہم مسلمان نہیں اور ہم نے خدا کو چھوڑ دیا ہے۔''

فیضان خلافت

عاصی صحرائی



کف پائے خلافت سے، ہوئے روشن جہاں کتنے
ذرا سی ایک کوشش سے، ہوئے دریا رواں کتنے
رواں ہے، کاروانِ احمدیت، جانب منزل
ابھی فکرو نظر، کے درمیاں ہیں قادیاں کتنے
سعیدانِ وفا سے، رنگ و بو، قائم ہے دنیا میں
کھلے خونِ شہادت سے جہاں میں گلستاں کتنے
لگی تعزیز طاہر پر ہے، مسرور زنداں میں
خلافت کے امینوں نے دیئے ہیں امتحاں کتنے
قیادت مل گئی مسرور کی ہم کو زمانے میں
اسی کی فکر سے، اُبھرے امیر کارواں کتنے
پرندوں کو ملی، جب نطقِ گویائی تو وہ بولے
یہاں مسرور کے شیدائی بھی ہیں خوش بیاں کتنے



تحفظِ بنیادِ اسلام بل، آزادیٔ رائے پر حملہ ہے

خورشید ندیم

ہم سرعت کے ساتھ ایک ایسے معاشرے کی طرف بڑھ رہے ہیں جس میں آزادیٔ رائے ہر صورت ختم ہو جائے اور شہری روبوٹ میں ڈھل جائیں۔ جو ریاست کے طے کردہ مذہب، قومی مفاد اور نظریۂ پاکستان کے برخلاف رائے رکھے اور زبان کھولے، وہ قابلِ تعزیر ٹھہرے۔ لگتا ہے کہ اہلِ مذہب اس کے لیے ریاست کے دست و بازو بن رہے ہیں، یہ سمجھے بغیر کہ کل وہی اس کا ہدف ہو سکتے ہیں۔ میری نظر میں 'تحفظِ بنیادِ اسلام بل' ایسے معاشرے کی طرف ایک بڑی جست ہے۔

آزادیٔ رائے اہلِ اقتدار کو کبھی پسند نہیں رہی۔ بادشاہتوں اور آمریتوں میں تو یہ رویہ قابلِ فہم ہے کہ شخصی اقتدار کسی اخلاق اور قانون کا پابند نہیں ہوتا۔ انسانیت طویل عرصہ اسی نظامِ حکومت کی زد میں رہی۔ یہاں تک کہ اللہ کے پیغمبروں نے غلامی پر ضرب لگائی اور اللہ کے آخری رسول سیدنا محمد ﷺ کے شاگردِ رشید سیدنا عمرؓ کا جملہ لوحِ تاریخ پر ثبت ہو گیا کہ جن کو ماؤں نے آزاد جنا، کوئی انہیں غلام بنانے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ اٹھارہویں صدی میں روسو نے بہ اندازِ دگر یہی کہہ کر گویا اس پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ یہ الہامی علم ہو یا غیر الہامی، دونوں انسان کی آزاد حیثیت پر متفق ہیں۔ اس آزادی میں، آزادیٔ رائے بدرجہ اولیٰ شامل ہے۔

تاریخ یہ ہے کہ حکمران، توہینِ ریاست اور توہینِ مذہب دونوں کو بطور ڈھال استعمال کرتے رہے ہیں۔ اموی دور میں اہلِ اقتدار پر گرفت کرنے والے 'بغاوت' یا دوسرے الفاظ میں توہینِ ریاست کے مرتکب قرار پائے۔ عباسیوں نے توہینِ مذہب کے نام پر اپنے مخالفین پر عرصۂ حیات تنگ کیا۔ امام احمد ابنِ حنبلؒ پر یہی مقدمہ قائم ہوا کہ وہ قرآن مجید کو مخلوق نہیں مانتے، اس لیے قابلِ تعزیر ہیں۔

دورِ جدید نے سیدنا عمرؓ کے جملے کو ایک سیاسی نظام کی صورت میں متشکل کر دیا۔ جمہوریت میں آزادیٔ رائے بنیادی انسانی حق ہے اور اس پر کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔ انسانی عزت و حرمت اور جان و مال کا تحفظ بھی بنیادی انسانی حقوق میں شامل ہے اور آزادی رائے کا وہ تصور کہیں بھی قابلِ قبول نہیں جو کسی فرد کی آبرو یا جان و مال کو نقصان پہنچانے کا سبب بنے۔ اس کے لیے سخت قوانین بنائے گئے ہیں۔ مغربی ممالک میں، کسی پر جھوٹا الزام لگانے کی پاداش میں، لوگ عمر بھر کی کمائی سے محروم کر دیے جاتے ہیں؛ تاہم ریاست کو کہیں یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ لوگوں کے بنیادی عقائد میں مداخلت کرے یا وہ طے کرے کہ کیا لکھنا چاہیے اور کیا نہیں۔

پاکستان کہنے کو ایک جمہوری ملک ہے لیکن اسے تدریجاً ایک پولیس سٹیٹ میں بدلا جا رہا ہے۔ پہلے قومی مفاد کی تعریف کے حقوق ریاست نے اپنے نام کیے اور اب مذہبی مقدمات کی تعریف و تشریح بھی اپنے ذمہ لے لی۔ اس کا مظہر یہ نیا بل ہے جو پنجاب اسمبلی نے منظور کیا اور جسے تحفظِ بنیادِ اسلام کا نام دیا گیا ہے۔ اس بل کے تحت ایک سرکاری افسر، جب چاہے کسی کتاب کو بازار سے اٹھا لے اور کتاب فروش کو گرفتار کر لے۔ آدمی صفائی دیتا رہے گا اور اس میں برس ہا برس گزر جائیں گے۔ کیا اس ماحول میں کسی معاشرے کا فکری ارتقا ممکن ہے؟ کیا اسلام یہی چاہتا ہے؟

پھر یہ بل ایک طرف اس مقصد کو پورا کرتا دکھائی نہیں دیتا جسے اس کا شانِ نزول بتایا جا رہا ہے اور دوسری طرف اس نے بے شمار نئے سوالات اٹھا دیے ہیں۔ مجھے کوئی شبہ نہیں کہ یہ بل نہ مذہب کی تفہیم کا کوئی اچھا نمونہ ہے اور نہ معاشرے کی ساخت سے واقفیت کا اظہار ہے۔ میں یہاں چند امور کی نشان دہی کرنا چاہتا ہوں:

1۔ توہین سے ہماری مراد کیا ہے؟ توہین اور تنقید میں کیا فرق ہے؟ یہ فرق کون بیان کرے گا؟ ایک افسر کس بنیاد پر کسی کتاب کے مصنف کو اس کا

مرتکب قرار دے گا؟ اس بل میں تورات، انجیل اور پرانی الہامی کتب کی توہین کو بھی جرم کہا گیا ہے۔ اب مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ موجود کتبِ سماوی، الا قرآن مجید، محرّف ہیں۔ ان میں تحریف کر دی گئی ہے۔ کسی آسمانی کتاب کے بارے میں یہ کہنا کہ اس میں تحریف ہوگئی ہے، کیا توہین ہے؟ کیا کسی مسیحی کے لیے یہ قابلِ قبول ہے؟

2۔ کافر اور غیر مسلم میں کیا فرق ہے؟ کیا ہر غیر مسلم کافر ہے؟ ہم اگر کسی مسیحی کو کافر کہیں تو وہ اسے اپنی توہین سمجھتا ہے۔ وہ خود کو صاحبِ ایمان کہتا ہے کیونکہ وہ خدا اور حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے۔ یہی معاملہ یہودیوں کا ہے۔ اگر کل کوئی پاکستانی مسیحی عدالت میں جا کر یہ مقدمہ قائم کرے کہ انہیں کافر نہ کہا جائے تو اس بل کی روشنی میں، اس کا کیا جواب ہوگا؟

3۔ مسلم تاریخ کے باب میں ہمارے ہاں دو مستقل آرا ہیں جو مسلمانوں میں قدیم ترین فرقہ بندی کی بنیاد ہیں۔ بعض جدید شیعہ علما نے صحابہ کی توہین کو حرام کہا لیکن اس کے باوصف تاریخ کے بارے میں ان کا نقطہ نظر وہی ہے۔ وہ تنقید اور توہین میں فرق کرتے ہیں۔ کیا اس بل کے بعد شیعہ نقطہ نظر پیش کیا جا سکے گا؟ اس بل پر شیعہ ردِ عمل ہمارے سامنے ہے۔

4۔ روایات اور تاریخ کی وہ کتب جنہیں مسلم روایت میں مراجع و مصادر کی حیثیت حاصل ہے، اُن میں ان گنت روایات ایسی ہیں، جن کی بنیاد پر وہ کتابیں لکھی گئیں جن پر آج پابندی لگائی جا رہی ہے۔ اگر ان روایات کے اصل ماخذ کی اشاعت جائز ہے تو ان کی بنیاد پر قائم مقدمات کی حامل کتب پر پابندی کا کیا جواز ہے؟

5۔ اس بل کا اطلاق کیا شائع شدہ کتب پر بھی ہوگا؟ برصغیر میں ایک دوسرے کو گستاخ قرار دینے کی ایک روایت ہے اور اس کی بنیاد بعض کتب پر ہے۔ کیا وہ کتابیں شائع ہوتی رہیں گی؟ اگر ان کی اشاعت جاری ہے تو پھر نئی پابندی کیسے نتیجہ خیز ہوسکتی ہے؟ اسی طرح ہمارے قدیم مصنفین جو جید عالم تھے، اپنی تحریروں میں زیادہ القاب استعمال نہیں کرتے تھے۔ مثال کے طور پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتابوں میں جہاں رسالت مآب ﷺ کا نامِ نامی آیا ہے، وہ کم و بیش ہر جگہ صرف 'نبی ﷺ' لکھتے ہیں۔ کیا ان کتب کے نئے ایڈیشن تبدیلی کے ساتھ شائع ہوں گے؟

6۔ مسلمان ہمیشہ حفظِ مراتب کے قائل رہے ہیں مگر اس کا کوئی مسلمہ اصول نہیں۔ اس کا تعلق ذوق اور تفہیم سے ہے۔ اہلِ تشیع سیدنا علی کے ساتھ علیہ السلام اور سنی، رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔ بعض سنی بھی سیدنا علی کے لیے علیہ السلام لکھتے ہیں۔ اسی طرح غیر صحابی کے لیے بھی رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے۔ اس پر کوئی پابندی کیسے لگائی جا سکتی ہے اور اس کی دینی دلیل کیا ہے؟

7۔ احترامِ مذاہب و شخصیات کا ایک قانون پہلے سے موجود ہے۔ ایسے میں ایک نئے قانون کا جواز کیا ہے؟

نصابی کتب کے بارے میں، میں الگ سے لکھوں گا۔ مذہبی معاملات میں ریاست کی بڑھتی مداخلت کے دو نتائج ناگزیر ہیں۔ ایک یہ کہ خود اہلِ مذہب دیوار سے لگ جائیں اور ایک دن خود ہی اس کے خلاف نکل پڑیں دوسرا یہ کہ عوام مذہبی معاملات اور ان سے وابستہ خوف کے باعث ایک سیکولر ریاست کا مطالبہ لے کر کھڑے ہو جائیں۔ یہ اس طرزِ عمل کا ناگزیر نتیجہ ہے جس پر یورپی تاریخ کی گواہی ثبت ہے۔



خلافت

عاصی صحرائی

خوش رنگ ہے شاداب ہے خیابانِ خلافت
اک رنگ سے بے مثل ہے گویا کہ قیادت
اِک رنگ سے پُرنور ہے بس اُس کی امامت
اک رنگ سے خوشبوسی ہے اس کی کرامت
اِک رنگ سے توقیر کا مینار بنی ہے
اِک رنگ سے اسلام کا شاہکار بنی ہے
اِک رنگ سے تبلیغ کا حصار بنی ہے
اِک رنگ سے بہت ارفع کردار بنی ہے

۞۞۞۞۞۞۞



تحفظ بنیاد اسلام بل کا حاصل چند اہم سوالات ہیں۔ آیئے ان پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ (آصف محمود)

سوال یہ ہے کہ تحفظ بنیاد اسلام بل کی ضرورت کیا تھی؟ اس بل کا مقصد اگر شعائر اور مقدس ہستیوں کے احترام کو یقینی بنانا تھا تو یہ قانون تو پہلے ہی سے موجود تھا۔

تعزیرات پاکستان میں مذہب کے خلاف جرائم کے عنوان سے ایک پورا باب موجود ہے۔ دفعہ 295 کے تحت کسی مذہب کی عبادت گاہ کی بے حرمتی کی سزا دو سال تک قید یا جرمانہ ہے۔ 295 اے کے تحت پاکستان کے کسی بھی شہری کے مذہبی جذبات اور مذہبی عقائد کی توہین کی سزا دس سال تک قید یا جرمانہ ہے۔ 295 بی کے تحت قرآن کریم کی توہین کی سزا عمر قید ہے۔ 295 سی کے تحت توہین رسالت کی سزا موت ہے۔ 296 کے تحت کسی مذہبی اجتماع میں خلل ڈالنے کی سزا ایک سال تک قید یا جرمانہ ہے۔

297 کے تحت کسی بھی مذہب کے قبرستان میں بلا اجازت گھس کر اس کے ماننے والوں کے جذبات مجروح کرنے کی سزا ایک سال تک قید یا جرمانہ ہے۔ 298 کے تحت مذہبی معاملات میں کسی کی دل آزاری کرنے کی سزا ایک سال سے تین سال تک قید یا پانچ لاکھ روپے جرمانہ ہے۔ ے۔ 298 اے کا تعلق مقدس ہستیوں کے احترام سے ہے۔ اس کے مطابق امہات المومنین، اہل بیت، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی توہین کی سزا تین سال تک قید یا جرمانہ ہے۔

قید اور جرمانے سے متعلق تمام دفعات میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ عدالت چاہے تو قید اور جرمانے کی دونوں سزائیں ایک ساتھ سنا سکتی ہے۔ احترام مذاہب کا یہ قانون جب پورے ملک میں پہلے سے ہی نافذ ہے تو پنجاب اسمبلی کو تحفظ بنیاد اسلام بل لانے کی کیا ضرورت تھی؟

دوسرا سوال پنجاب اسمبلی کے دینی فہم سے متعلق ہے۔ شیعہ سنی اختلافات کی صدیوں پرانی ایک تاریخ ہے۔ ہر مکتب فکر کی اپنی ایک تعبیر ہے اور اس تعبیری اختلاف کے باوجود دونوں مکاتب مسلمانوں ہی کے دو گروہ شمار کیے جاتے ہیں۔ اہم بات اب یہ نہیں کہ اختلاف ختم ہو جائیں کہ ایسا ممکن ہی نہیں۔ اہم یہ ہے کہ اختلاف رائے کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا سلیقہ آ جائے۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ اپنے عقیدے پر قائم رہیے لیکن دوسروں کی توہین یا دل آزاری مت کیجیے۔ دل آزاری اور توہین کا تعلق قانون سے ہے اور اس باب میں قانون سازی پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ اس کے بعد حفظ مراتب کا معاملہ ہے کہ کون کسے رضی اللہ عنہ کہتا ہے اور کون علیہ السلام، یہ ہر مکتب فکر کا داخلی معاملہ ہے اور کسی پر قانون کے ذریعے کوئی قدغن عائد نہیں کی جا سکتی۔

شیعہ مسلمان اہل بیت کے لیے علیہ السلام کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور اہل سنت کی بعض کتابوں میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے رضی اللہ عنہ لکھا گیا ہے۔ آپ قانون کے ذریعے کسی کو بھی کسی دوسرے کی دل آزاری سے تو روک سکتے ہیں لیکن کیا یہ وظیفہ بھی قانون کا ہے کہ وہ دوسروں کو بتائے انہوں نے اپنی محترم ہستیوں کو کیسے مخاطب کرنا ہے؟

تیسرے سوال کا تعلق پنجاب اسمبلی کے آئینی فہم سے ہے۔ میرا نہیں خیال اس ایوان میں نصف درجن بھی ایسے لوگ ہوں گے جنہوں نے آئین کا مطالعہ فرما رکھا ہو اور جنہیں یہ علم ہو کہ آئین نے جہاں اسلام کو ریاست کا مملکتی مذہب قرار دے رکھا ہے وہاں ہر مکتب فکر کو یہ حق بھی دے رکھا ہے کہ تعبیر دین کے باب میں وہ اپنے مکتب فکر کی رائے پر عمل کرنے میں آزاد ہے اور اس پر کسی دوسرے مکتب فکر کی تعبیر دین اختیار کرنا لازم نہیں ہے۔

آئین پاکستان کا ایک باب اسلامی دفعات سے متعلق ہے۔ وہاں آرٹیکل 227 میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ قرآن وسنت کے مفہوم کا جب قانون کی دنیا میں اطلاق ہو گا تو ہر مکتب فکر پر یہ اطلاق اس مکتب فکر کی تعبیر کے مطابق ہو گا۔ آئین سازوں نے اپنے فکری تنوع کو تسلیم کرتے ہوئے آئین میں لکھ رکھا ہے کہ کسی فرقے سے متعلق معاملات میں قرآن وسنت کا مطلب وہی ہو گا جو

اس فرقے کے ہاں ہو۔اب ایک صوبے کی اسمبلی کو یہ حق کیسے دیا جا سکتا ہے وہ آئین کی مبادیات کے خلاف قانون سازی کر لے؟

چوتھا سوال پنجاب اسمبلی کے سماجی فہم سے متعلق ہے۔سوال یہ ہے کیا نیم خواندہ روایتی جاگیردارانہ پس منظر سے مغلوب ہمارے قانون ساز سماجیات کا کچھ فہم رکھتے ہیں؟ ہر معاشرے میں کچھ فالٹ لائنز موجود ہوتی ہیں۔حکومت کا کام انہیں بھر دینا ہوتا ہے؟ تا کہ اختلافات کے باوجود بقائے باہمی کو یقینی بنایا جا سکے۔پنجاب اسمبلی نے سماج کی اس فالٹ لائن کو نمایاں کر دیا ہے۔معلوم نہیں اب یہ تلخی کہاں تک جائے گی اور کیا رخ اختیار کرے گی۔

مشرق وسطی میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے، ہمارے سامنے ہے۔مشرق وسطی کے خطرناک فرقہ وارانہ سیاسی رجحانات ایک عرصے سے پاکستان کی دہلیز پر دستک دے رہے تھے۔حکمت اور بصیرت کا تقاضا تھا کہ ان رجحانات سے اپنے سماج کو بچایا جاتا۔ہمارے سماج کی ساخت ایسی ہے کہ ہم ایسی کسی کشمکش کے متحمل نہیں ہو سکتے۔پنجاب اسمبلی نے اس کشمکش کی چنگاریاں اپنے سماج میں لا کر رکھ دی ہیں اور ملی یکجہتی کونسل کی اب تک کی ساری کوششوں کو دائروں کا سفر بنا دیا ہے۔دیکھیے انجام کیا ہوتا ہے۔

آخری سوال کا تعلق پنجاب حکومت کی فکری دیانت سے ہے۔کتابوں کی اشاعت کے حوالے سے جو پیچیدگی پیدا کر دی گئی ہے اور ڈائرکٹر جنرل پبلک ریلیشنز کو جس طرح کے انتظامی اور عدالتی اختیارات بیک وقت دے دیے گئے ہیں اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ بل واقعی تحفظ بنیاد اسلام کے لیے لایا گیا ہے یا مذہب کا نام استعمال کرتے ہوئے شہری آزادیوں کو سلب کرنے کی کوشش کی گئی ہے؟

ڈی جی پی آر کی فکری استعداد ہی کیا ہوتی ہے کہ مذہب، فلسفہ، سماجیات اور ادب پر کتابوں کی اشاعت کی اجازت اس سے طلب کی جائے؟ کیا یہ بیوروکریسی کا فاشزم ہے جسے ایک مذہبی عنوان مسلط کیا جا رہا ہے؟ سے

افتخار عارف نے کہا تھا: عجب گھڑی تھی/ کتاب کیچڑ میں گر پڑی تھی

پنجاب اسمبلی کی تازہ مشق بتا رہی ہے، ہم بھی ایسے ہی لمحے کی گرفت میں ہیں۔

نماز

(حضرت حافظ سید مختار احمد مختار شاہجہانپوری صاحبؒ)

اللہ کیا عجیب یہ نعمت نماز ہے
دنیا و دین میں باعثِ راحت نماز ہے
حکمِ خدا یہ ہے کہ پڑھو مل کے پانچ وقت
افضل عبادتوں میں عبادت نماز ہے
پھر یہ بھی حکم ہے کہ جماعت کے ساتھ ہو
اس طرح اور جاذبِ رحمت نماز ہو
بہرِ نمازِ جمعہ یہ ہو اہتمامِ خاص
سب جان لیں کہ وجہِ مسرّت نماز ہے
لازم ہے ذوق و شوق برائے نمازِ عید
یہ مومنوں کی مظہرِ شوکت نماز ہے
جو ظلمتِ گناہ کو آنے نہ دے قریب
وہ نورِ حق ، وہ شمعِ ہدایت نماز ہے
بیمار کو مزہ نہیں ملتا طعام کا
دل صاف ہو تو موجبِ لذت نماز ہے
پھیلا ہوا ہے اس کا اثر دو جہان میں
جس کو نہیں زوال وہ دولت نماز ہے
اس کے سوا اب اور ذریعہ کوئی نہیں
قُربِ خدا کی ایک ہی صورت نماز ہے
صحت ہو یا مرض ہو حضر ہو کہ ہو سفر
مومن کی روح کے لیے فرحت نماز ہے
لازم ہے یہ ادا ہو خشوع و خضوع سے
بے شبہ اِک وسیلۂ جنت نماز ہے
جرم و سزا سے ہم کو بچاتی ہے روز و شب
فضلِ خدا سے دافعِ زحمت نماز ہے



جسٹس محمد منیر اور عطا اللہ شاہ بخاری صاحب کا معرکہ

ابو نائل



پاکستان بننے کے چند سال بعد 1953 میں لاہور اور پنجاب کے دیگر شہروں میں ایک تحریک نے زور پکڑا۔اس تحریک کا بنیادی مطالبہ تھا کہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔اس تحریک کو شروع کرنے میں سب سے نمایاں کردار مجلس احرار کا تھا۔ 6 مارچ کو لاہور میں لارشل لاء لگا یا گیا۔اور جسٹس کیانی اور جسٹس منیر پر مشتمل ایک تحقیقاتی عدالت قائم کر دی گئی تا کہ یہ تعین کیا جائے کہ ان فسادات کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ چار ستمبر کو مجلس احرار کے قائد عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کو گواہی کے لئے اس عدالت میں طلب کیا گیا۔اس گواہی میں انہوں نے کیا کہا۔اس بارے میں ایک ویڈیو یو ٹیوب چینل الندا پر جاری کی گئی ہے۔اس ویڈیو میں بیان کیا گیا ہے کہ اس موقع پر عطا اللہ شاہ بخاری صاحب اور جسٹس منیر کے درمیان ایک معرکہ ہوا۔ اور عدالت کی عمارت نعروں سے لرز اُٹھی۔ اس بارے میں عرض ہے کہ اس عدالت کی کارروائی کا حرف بحرف ریکارڈ محفوظ ہے۔اور LUMS یونیورسٹی کی سائٹ پر موجود ہے۔ پڑھنے والوں کی سہولت کے لئے عطا اللہ شاہ بخاری صاحب کی گواہی کے عدالتی ریکارڈ کا عکس اس کالم کے ہمراہ دیا جا رہا ہے۔عطا اللہ شاہ بخاری صاحب گواہ نمبر 21 کی حیثیت سے پیش ہوئے تھے۔ان کی گواہی پڑھنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ چینل الندا کی ویڈیو میں بیان کردہ اکثر تفاصیل کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔لیکن چونکہ دس لاکھ سے زائد افراد یہ ویڈیو دیکھ چکے ہیں اور دو ہزار سے زائد افراد اس پر داد و تحسین کے ڈونگرے بھی برسا چکے ہیں اور کئی کتب میں بھی یہی کہانی بیان کی گئی ہے۔اس لئے مناسب ہوگا کہ اس گواہی کا حرف بحرف اردو ترجمہ پیش کر دیا جائے تا کہ پڑھنے والے خود موازنہ کر سکیں۔عدالتی کارروائی کا ریکارڈ انگریزی میں ہے۔اس موقع پر یہ سوال و جواب ہوئے۔

سوال: پاکستان کے قیام کے بارے میں احرار کا نظریہ کیا تھا؟

بخاری: بحیثیت جماعت احرار پاکستان بننے کے حق میں تھے۔

سوال: کیا احرار کے کسی لیڈر نے قائد اعظم کے بارے میں" کافر اعظم" کے الفاظ استعمال کئے تھے؟

بخاری: میں نے سنا ہے کہ مولوی مظہر علی اظہر نے قائد اعظم کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کئے تھے۔

سوال: پاکستان بننے کے بعد کیا کسی احراری لیڈر نے پاکستان کو" پلیدستان" قرار دیا تھا؟

بخاری: نہیں

سوال: کیا کسی احراری لیڈر نے پاکستان بننے سے پہلے پاکستان کو" پلیدستان" قرار دیا تھا؟

بخاری: مجھے علم نہیں

سوال: سرگودھا کے اخبار" بے باک" کی یکم اپریل 1952 کی اشاعت میں ایک احراری لیڈر کی یہ تقریر شائع ہوئی

" یہ سچ ہے کہ چوہدری افضل حق نے پاکستان کو پلیدستان قرار دیا تھا۔میں اسے دہراتا ہوں کہ انہوں نے وہی کہا تھا جو سچ ہے۔تم بھی اب یہی کہو گے کہ یہ پلیدستان ہے۔مجھے بتاؤ جس ملک میں غریب بھوکے مرتے ہوں اور مزدوروں کا برا حال ہو۔رشوت عام ہو۔کسی کی شکایت نہ سنی جاتی ہو۔یہ پاکستان ہے یا پلیدستان ہے۔"

کیا آپ کو اس کا کوئی علم ہے۔

بخاری: نہیں۔یہ بالکل غلط ہے کہ میں نے قائد اعظم کے بارے میں" کافر اعظم" کے الفاظ استعمال کئے تھے یا میں نے یہ کہا تھا کہ اگر پاکستان بن گیا تو میں پیشاب سے اپنی داڑھی مونچھ منڈوا دوں گا۔حقیقت یہ ہے کہ میں نے

جامع مسجد دہلی میں جمعہ کے بعد التجا کی تھی کہ میں قائد اعظم سے مل کر ان کے سامنے اپنا نقطہ نظر پیش کرنا چاہتا ہوں۔

سوال: کیا آپ پاکستان میں ایک اسلامی ریاست کے قیام کی حمایت کرتے ہیں؟ بخاری: ہاں

سوال: اس ریاست میں آپ کفار کو کیا حیثیت دیں گے؟

بخاری: اس سوال کا تعلق آئین سازی سے ہے اور اس کے بارے میں پاکستان کے 36 علماء نے ایک قرارداد منظور کی ہوئی ہے۔

سوال: کیا آپ کو علم ہے کہ اس قرارداد میں پاکستان میں غیر مسلموں کی حیثیت کے بارے میں کچھ کہا گیا ہے؟

بخاری: جہاں تک مجھے اس قرارداد کے الفاظ یاد ہیں، اس میں کہا گیا تھا کہ قانون ساز اسمبلی میں غیر مسلموں کی سیٹیں ہوں گیں اور انہیں کچھ حقوق حاصل ہوں گے۔

سوال: آپ کی رائے میں کیا ایک مسلمان پابند ہے کہ ایک کافر حکومت کی فرمانبرداری کرے۔

بخاری: یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک مسلمان ایک غیر مسلم حکومت کا وفادار شہری بن سکے۔

سوال: پوری دنیا میں مسلمانوں کی کل کتنی آبادی ہے؟

بخاری: وہ ستر کروڑ کے قریب ہیں۔

سوال: ان ستر کروڑ میں سے کتنے اس اسلامی حکومت کے تحت ہوں گے؟

بخاری: چھ کروڑ کے قریب۔ یہ سارے پاکستان میں ہوں گے۔

سوال: باقی 64 کروڑ کا کیا بنے گا؟

بخاری: وہ اپنی قسمت کے بارے میں خود سوچیں۔

سوال: کیا آپ کو علم ہے کہ صلیبی جنگوں کے بعد یورپ میں ایسے آئین موجود تھے جن میں اس قسم کے خیالات کی وجہ سے جن کا پرچار آپ کر رہے ہیں، یہ اعلان کیا گیا تھا کہ مسلمان قانون کی رو سے شہریت کے اہل نہیں ہیں۔

بخاری: مجھے پہلے اس کا علم نہیں تھا لیکن چونکہ عدالت ایسا کہہ رہی ہے تو ایسا ہی ہوگا۔ اگر دوسری غیر مسلم حکومتیں اپنے ریاست کی بنیاد اپنے مذہب پر رکھیں



غزل

عاصی صحرائی

اپنی عقیدتوں کا نہ ہر گز شمار کر
دل سے مسیح و مہدی کے خلفاء سے پیار کر
دامن ترا خلوص سے خالی نہ ہو کبھی
اس میں گہر وفا کے ابھی تابدار کر
تجھ کو ہے گر یقین کی منزل کی آرزو
دارورسن کی سمت نظر نہ بار بار کر
تسکین نصیب ہو ہمیں فیضِ رسول سے
دستِ دعا دراز سوئے کردگار کر
ہونے کو ہیں عطاؤں کی برسات جلد ہی
اُٹھی ہے قادیاں سے گھٹا اعتبار کر
تجھ سے جو لرزاں ہوچکے ہیں تیرے ہی دشمن
فکرو نظر کے دام سے عاصیؔ تُو وار کر

تو مجھے اس پر خوشی ہوگی۔

سوال: خواہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمان اپنے شہریت کے حقوق کھو بیٹھیں۔

بخاری: بالکل۔ اسلامی حکومت میں ذِمی کے معین حقوق ہوتے ہیں۔ میں انہیں بغیر کتاب کے بیان نہیں کر سکتا۔ انہیں ریاست کی حفاظت میں قائم کیا جائے گا۔ یہ سربراہ حکومت یا مجلس شوریٰ کا اختیار ہوگا کہ وہ انہیں جو چاہے عہدہ دے۔

سوال: ہندوستان میں کتنے کروڑ مسلمان رہتے ہیں۔ بخاری: چار کروڑ

سوال: کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہوگا اگر ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے اور انہیں کوئی شہری حقوق حاصل نہ ہوں۔

بخاری: میں پاکستان میں ہوں انہیں مشورہ نہیں دے سکتا۔

سوال: کیا ان چار کروڑ مسلمانوں کے لئے ممکن ہوگا کہ وہ اپنی ریاست کے وفادار شہری بن سکیں۔ بخاری: نہیں

سوال: اگر پاکستان اور ہندوستان میں جنگ ہو تو ان کا کیا فرض ہوگا؟ کیا وہ پاکستان کی افواج سے لڑ سکتے ہیں؟

بخاری: انہیں خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ ان کا کیا فرض ہے؟

سوال: آپ اس ملک کی مستقبل کی حکومت کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں؟

بخاری: میں اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کرنا چاہتا۔ یہ علماء کا کام ہے کہ وہ اس کا جواب دیں۔ میں ایسی حکومت پسند کروں گا جس کی بنیاد اسلام کے اصولوں پر ہو۔ جب تک یہ حکومت اس اصول کے مطابق ہے۔ میں اس بات پر برا محسوس نہیں کروں گا کہ اس کی تفصیلات ایک خالص اسلامی ریاست کے مطابق ہیں کہ نہیں ہیں۔

سوال: کیا آپ کے نزدیک احمدی کافر ہیں۔

بخاری: یقینی طور پر

سوال: پاکستان میں ایک اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد ان کافروں سے کیا سلوک ہوگا۔ بخاری: غیر مسلم کی حیثیت سے قانون ساز اسمبلی میں ان کی اپنی نمائندگی ہوگی۔

سوال: کیا انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی اجازت ہوگی؟

بخاری: میں اس پر کوئی رائے نہیں دیتا۔ یہ قانون ساز ادارے کا کام ہے۔

سوال: کیا آپ کے نزدیک سیاسی سرگرمیوں کے لئے مساجد کا استعمال جائز ہے؟

بخاری: میں مذہب کو سیاست سے علیحدہ نہیں کرتا۔

مذکورہ ویڈیو کے شروع میں بیان کیا گیا ہے کہ جب عطا اللہ شاہ بخاری صاحب گواہی کے لئے آئے تو لاکھوں مداح وہاں موجود تھے۔ اس کے ساتھ تصویر بھی دکھائی گئی ہے۔ عرض ہے کہ یہ تصویر اس تحقیقاتی عدالت کے موقع کی نہیں بلکہ گاندھی جی کی ”ہندوستان چھوڑ دو“ تحریک کے موقع کی ہے۔ اور ہندوستان کی سول سروس ایگزام میٹریل کی سائٹ کے علاوہ ہندوستان کی بہت سی سائٹس پر موجود ہے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ مجلس احرار کا پاکستان کے بارے میں کیا نظریہ تھا۔ مجلس احرار نے قرارداد منظور کی تھی کہ ہم مطالبہ پاکستان سے کسی صورت اتفاق نہیں کر سکتے۔

[حیات امیر شریعت مصنفہ جانباز مرزا ص353]



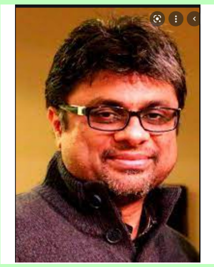
ایک داعی الی اللہ کے لئے یہ ضروری ہے

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

پس ایک داعی الی اللہ کے لئے یہ ضروری ہے اور صرف یہ داعی الی اللہ کو یاد رکھنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ ہر احمدی چاہے وہ فعال ہو کر تبلیغ کرتا ہے یا نہیں اگر دنیا کے علم میں ہے کہ فلاں شخص احمدی ہے، اگر ماحول اور معاشرہ جانتا ہے کہ فلاں شخص احمدی ہے تو وہ احمدی یاد رکھے کہ اس کے ساتھ احمدی کا لفظ لگتا ہے، اگر وہ تبلیغ نہیں بھی کر رہا تو تب بھی اس کا احمدی ہونا اسے خاموش داعی الی اللہ بنا دیتا ہے۔ بعض دفعہ غیر احمدیوں اور غیر مسلموں کے مجھے خط آجاتے ہیں کہ آپ کی جماعت کی نیکی کی تو بڑی شہرت سنی ہے اور آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سب مسلمانوں سے اچھے ہیں، لیکن فلاں احمدی نے مجھے اس طرح دھوکہ دیا ہے، میرا حق اُس سے دلوایا جائے۔ تو ایک احمدی کا ایک عمل، ایک فعل، پوری جماعت کی بدنامی کا باعث بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جو انسانی فطرت کی پاتال تک سے واقف ہے جس طرح وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے کوئی اور نہیں جان سکتا ہے، اسی نے پیدا کیا ہے۔ اس نے یہ فرمایا کہ دعوت الی اللہ کرنے والے سے کون بہتر ہو سکتا ہے؟ تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ دعوتِ الی اللہ کرنے والے کی کوشش ہوتی ہے اور ہونی چاہئے کہ وہ اعمالِ صالحہ بجا لائے اور یہ اعلان کرے کہ مَیں کامل فرمانبردار بنتا ہوں یا بننے کی کوشش کروں گا۔ مجھ پر مسلمان ہونے کا احمدی ہونے کا صرف Label نہیں لگا ہوا۔ بلکہ مَیں خدا تعالیٰ کے احکامات کو کامل فرمانبرداری سے ادا کرنے کی کوشش کرنے والا ہوں اور ایک مسلمان فرمانبردار تبھی بنتا ہے جب حقوق اللہ کی طرف بھی توجہ رہے اور حقوق العباد کی طرف بھی توجہ رہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمان کے فرمانبردار ہونے کا عبادت کے ساتھ بہت تعلق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے کہ مسلمان وہی ہے جو دعا اور صدقات کا قائل ہو۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 195)

(خطبۂ جمعہ فرمودہ 9 اپریل 2010ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)



کیا مرتد ہونا ممکن ہے؟

حاشر ابن ارشاد

ہم عموماً بلاسفیمی کا ترجمہ توہین کرتے ہیں تاہم یہ ترجمہ اس وسیع المعانی ترکیب کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ بلاسفیمی مذہب کی نگاہ میں جرم اور گناہ کے توافق کی اعلیٰ ترین مثال ہے اس لیے سامی مذاہب کی حد تک اس کی سزا بھی شدید ترین ہے۔ آج کے دن گرچہ عیسائیت اور یہودیت بلاسفیمی کی سزا کو تج چکے ہیں لیکن کچھ مسلمان ممالک میں اب بھی یہ ایک حد اور تعزیر کے طور پر رائج ہے۔ رہے ہندوازم، بدھ ازم اور سکھ ازم جیسے بڑے مذاہب یا فلسفوں کے پیروکار، تو وہ بلاسفیمی کو کبھی بھی قانونی دائرے میں نہیں لائے۔

اکثر مسلمان ممالک میں بلاسفیمی کے حوالے سے کوئی نہ کوئی قانون سازی موجود ہے تاہم پچاس اسلامی ممالک میں صرف چند ملک ایسے ہیں جہاں بلاسفیمی کی سزا موت ہے۔ ان ممالک میں شیعہ فکر کا مرکز ایران اور سنی وہابی فکر کا مرکز سعودی عرب نمایاں ہیں۔ یہاں یہ بات محل نظر ہے کہ یہ دونوں ممالک مذہب کی بالکل جداگانہ تشریح کرتے ہیں لیکن ایک مذہبی ریاست ہونے کے ناتے بلاسفیمی کی شدید ترین سزا پر متفق نظر آتے ہیں۔ اس فہرست میں اور نمایاں ممالک افغانستان، قطر، متحدہ عرب امارات، موریطانیہ، یمن اور پاکستان شامل ہیں۔

بلاسفیمی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہودیت اور عیسائیت میں بلاسفیمی کو خدا کے خلاف جرم قرار دیا گیا ہے اور صدیوں اس کا ارتکاب کرنے والے موت کی سزا کے مستحق ٹھہرے ہیں تاہم وقت کے تقاضوں کے پیش نظر اس کی تعریف بدلتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ سائنس دانوں کی تحقیق اور فلسفیوں کے افکار کو بھی بلاسفیمی کے زمرے میں ڈالا گیا۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مذہبی پیشواؤں نے بلاسفیمی کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اور لاکھوں لوگ صدیوں پر محیط ایک کشمکش میں اس کا شکار بنے تاہم اجتماعی معاشرتی شعور کے ارتقاء کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بلاسفیمی کو عیسائی اور یہودی معاشروں میں جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تاہم اب بھی ان مذاہب کے سخت گیر شارح اس کو ایک گناہ کبیرہ گردانتے ہیں۔

اسلامی طرز فکر میں اب بھی بلاسفیمی کو ایک گناہ کے ساتھ ساتھ جرم بھی سمجھا جاتا ہے اگرچہ اس کی قانونی تشریحات میں بہت سے داخلی تضادات موجود ہیں۔ جن ممالک میں بلاسفیمی کے لیے موت کی سزا مقرر ہے وہاں اس کا ناتہ شارحین ارتداد سے جوڑتے ہیں اور اس پر حد جاری کرتے ہیں۔ حدود کے بارے میں یہ اتفاق ہے کہ اس کی نص براہ راست قرآن سے برآمد کی جاتی ہے لیکن اس معاملے میں جمہور علماء کا یہ اتفاق فراموش کر دیا جاتا ہے کیونکہ قرآن میں بلاسفیمی کسی بھی صورت جرم کے طور پر مذکور نہیں۔ اسی طرح قرآن میں ارتداد کی بھی کسی دنیاوی سزا کا ذکر نہیں۔ کن لوگوں کو قتل کیا جا سکتا ہے، اس پر قرآن میں سیر حاصل مواد ہے لیکن اس فہرست میں مرتد یا گستاخ کسی بھی طرح شامل نہیں ہیں۔ اس کے بعد سیرت کے کچھ واقعات، کچھ روایات اور احادیث سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ رسول اللہ کے دور میں توہین اور ارتداد کی سزا موت دی گئی تھی لیکن یہ بات فراموش کر دی جاتی ہے کہ یہ نتائج قرآن کی تعلیم سے براہ راست متصادم ہیں۔ سورۃ بقرہ کی آیت 256 میں یہ واضح ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر ممکن نہیں ہے۔ قرآن کے کچھ مفسرین اس مشکل سے نکلنے کے لیے بعض اوقات دور کی کوڑی لانے سے پرہیز نہیں کرتے جیسا کہ مودودی صاحب سورۃ التوبہ کی بارہویں آیت سے یہ استدلال لاتے ہیں کہ مرتد مباح الدم ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ اس آیت کو جس طرح مرضی پڑھ لیجیے، اس سے کسی بھی طرح یہ مطلب نکالنا ممکن نہیں ہے۔ روایات کو پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی اسی طرح کی تشریح سے کام چلایا گیا ہے اور تاریخی حقائق سے چشم پوشی کی گئی ہے۔

مثال کے طور پر ابن خطل کا واقعہ اس ضمن میں بار بار پیش کیا جاتا ہے کہ

توہین کے جرم میں اسے اس حال میں قتل کر دیا گیا کہ وہ محفوظ رہنے کی خاطر کعبہ کے پردوں میں لپٹا ہوا تھا اور وہ بھی ایسے دن جب مکہ میں فتح کے بعد ہر ایک کے لیے عام معافی کا اعلان تھا۔اس سے نتیجہ یہ نکالا گیا کہ توہین کا مرتکب ہر حال میں موت کا سزاوار ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے یہ واقعہ براہ راست کسی ماخذ سے پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ابن خطل کی کہانی تھی کیا۔عبداللہ ابن خطل کو ٹیکس وصولی مہم پر ایک غلام کے ہمراہ مدینہ سے روانہ کیا گیا تھا۔راستے میں انہوں نے غلام کو قتل کر دیا اور رقم کے ساتھ فرار ہو کر مکہ پہنچ گئے۔چونکہ یہ معلوم تھا کہ ان کے خلاف غبن اور قتل کا مقدمہ اسلامی اصول کے مطابق تو صرف موت تھا جس کا اعلان مدنی ریاست میں کر دیا گیا تھا تو ابن خطل مرتد ہو کر مکہ میں پناہ گزین ہو گئے۔فتح مکہ کے وقت وہ مکہ میں موجود واحد شخص تھے جو باقاعدہ ایک اسلامی عدالت سے سزا یافتہ تھے اور اس سزا کا اطلاق ان کے پکڑے جانے پر کر دیا گیا۔باقی اہل مکہ جنگی حریف تھے اور جنگ میں کیے گئے قتل خواہ وہ ہندہ اور وحشی کے ہاتھوں حضرت حمزہ کی شہادت ہی کیوں نہ ہو، جنگ کا ناگزیر لازمہ سمجھے گئے اور اس پر کسی سے تعرض نہیں کیا گیا۔اسی طرح وہ لوگ جو برسوں سے اسلام اور نبوت کا ٹھٹھا اڑاتے تھے، ان پر بھی کسی جرم میں مقدمہ نہیں چلایا گیا۔باقی روایات کا بھی بغور جائزہ لیا جائے تو وہ اس کسوٹی پر کھری نہیں اتریں گی جس سے موت کی سزا کا تعین کرنا مقصود ہے۔اب یہ بات بتانا ہمارے خطیب کیوں مناسب نہیں سمجھتے، یہ تو وہی بہتر بتا سکتے ہیں

اس بات پر یہاں سانس لیتے ہیں اور پھر تیسرے بنیادی ماخذ کا جائزہ لے لیتے ہیں یعنی کہ اصول فقہ۔پاکستان میں حنفی فقہ قانون سازی کی بنیاد ہے۔احناف توہین کو ارتداد کے زمرے میں گنتے ہیں اور رائے یہ ہے کہ جرم کا مرتکب اگر مسلمان ہو تو اسے موت کی سزا دی جا سکتی ہے لیکن ساتھ ساتھ مجرم کو تین دن کی مہلت بھی دی جائے گی جس دوران وہ توبہ کر سکتا ہے اور توبہ پر سزا ساقط ہو جائے گی۔پوچھیے کہ ہمارے توہین کے قانون میں یہ گنجائش کہاں گئی؟اس سے بھی دل چسپ امر یہ ہے کہ احناف کے نزدیک غیر مسلم پر یہ حد جاری نہیں ہو سکتی۔کیا ہمارا قانون یہ تفریق کرتا ہے؟

مالکی اور حنبلی فقہ میں ارتداد پر توبہ کی گنجائش نہیں ہے، اسی طرح غیر مسلم مجرم اگر اسلام قبول کر لے تو اس کی سزا موقوف ہو جاتی ہے۔ویسے ہمارے یہاں مالکی فقہ پر کیا کوئی قانون بنایا گیا ہے؟

شافعی توبہ کا دروازہ کھلا رکھنے کے قائل ہیں یعنی کہ مجرم کی توبہ کی صورت میں سزا معاف کر دی جائے گی۔

فقہہ جعفریہ میں بھی موت کی سزا ہے لیکن مسلمان کے لیے، غیر مسلم اسلام قبول کر کے سزا سے بچ سکتا ہے۔

تمام مکتبہ ہائے فکر اس حوالے سے تین باتوں پر متفق ہیں

1۔مسلم اور غیر مسلم کی سزا یکساں نہیں ہو گی کیونکہ توہین کا بنیادی مقدمہ ارتداد سے جڑے گا اور غیر مسلم مرتد نہیں ہو سکتا

2۔توہین اپنی نوع میں اس وقت تک جرم نہیں ہے جب تک اسے ارتداد کے درجے میں ثابت نہ کر دیا جائے

3۔کسی بھی صورت میں یہ فیصلہ کہ جرم ثابت ہوا یا نہیں، صرف عدالت کا دائرہ کار ہے اور ملزم کو صفائی کا موقع دیے بغیر حد جاری کرنا یا تعزیر نافذ کرنا ممکن نہیں ہے

4۔مباح الدم، یعنی جس کا قتل جائز ہو، صرف ریاست اور عدالت سے مشروط ہے۔کسی ایک شخص یا گروہ کے پاس کسی کو مباح الدم سمجھ کر قتل کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔اس معاملے میں یہ توجیہ کہ عدالت یا ریاست یہ سزا نہیں دے رہی، قتل کو جواز نہیں بخش سکتی

ان تمام موشگافیوں میں وہ نکتہ جو ہمارے اکثر احباب نظر انداز کر جاتے ہیں وہ ہے ارتداد کا مقدمہ۔چلیے ہم یہ بحث نہیں کرتے کہ ارتداد قرآن کی رو سے جرم نہیں ہے اور بر بنائے بحث اس کا جرم ہونا تسلیم کر لیتے ہیں۔اس کے بعد ارتداد کی تعریف متعین کرنا ضروری ہے۔اس لیے ہم نے ایک سخت گیر موقف رکھنے والے ادارے جامعہ بنوریہ کے دارالافتا سے جاری کردہ تعریف آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔مرتد کون ہے؟اس سوال کا جواب علامہ محمد یوسف یہ دیتے ہیں۔

”مرتد وہ شخص ہے کہ اپنی مرضی اور رضامندی سے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر جائے“

ستانوے فی صد آبادی والے مسلم ملک مین کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی مرضی اور رضامندی سے اسلام قبول کیا ہے؟ سوائے ایسے بالغ مردوں کے جو

کسی دوسرے مذہب سے اسلام میں داخل ہوئے، کوئی بھی شخص اس تعریف پر پورا نہیں اترے گا۔ ہمارا اسلام پیدائش کے اتفاق سے زیادہ کچھ نہیں اس لیے اس ملک میں یوسف یوحنا جیسے پندرہ بیس لوگوں کو چھوڑ کر کسی کا ارتداد ممکن ہی نہیں۔ ایک قمیض خریدنے جائیں تو۔ لوگ پندرہ قمیضوں کو پرکھ کر ایک کا انتخاب کرتے ہیں، اس طرح مذہب کا مرضی اور رضامندی سے انتخاب بھی اس وقت ممکن ہے جب اور کچھ نہیں تو دس بارہ بنیادی مذاہب کا تقابل تو کسی نے کیا ہو۔ یہ کہنا کہ ہم مرضی اور رضامندی سے مسلمان ہوئے ہیں، اتنی ہی حقیقت ہے جتنا یہ کہنا کہ ہم اپنی مرضی اور رضامندی سے پیدا ہوئے ہیں۔

ارتداد کا کوئی مقدمہ کسی ایسے مسلمان پر قائم کرنا ممکن ہی نہیں جو" پیدائشی مسلمان" ہو اس لیے یہ ساری فقہی اور قانونی عمارت جو بڑی محنت سے اس ملک پر قابض آمروں نے کھڑی کی تھی بغیر کسی بنیاد کے ہے اور بغیر بنیاد کے عمارت مکینوں کے لیے تحفظ کا نہیں، موت کا پیغام ہوتی ہے۔

بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ پاکستان میں ایک اور رجان جواب فروغ پا رہا ہے، اس میں سکہ بند مذہبی معذرت خواہ اکثر بہت خوشنما لبادے میں لپیٹ کر توہین کے نام پر کیے گئے جرائم کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

یہ معذرت خواہ اس بات سے تو مکر نہیں پاتے کہ فقہی لحاظ سے بھی توہین کے ملزم سے پوچھے بغیر اس جرم کا فیصلہ ممکن نہیں اور وہ اگر جرم سے انکاری ہو تو خواہ شواہد کتنے ہی مضبوط ہوں اسے مجرم قرار دینا ممکن نہیں۔ اور اگر کسی طرح ارتداد ثابت ہو بھی جائے تو عدالت توبہ کے لیے تین دن کی مہلت دینے کی پابند ہے۔ اور مجرم صرف اس صورت ٹھہرائے گی جب تین دن بعد بھی ملزم توہین پر مصر رہے۔ رہے ذمی تو ان پر یہ حد جاری کرنا ممکن ہی نہیں۔

اب اس دلیل کے بعد یہ ظاہر ہے کہ ملزم یا تو مجرم قرار پائے گا یا پھر معصوم۔ اور ریاست کے لیے محض ایک مجرم مباح الدم ہوگا۔ اب اس کے بعد مسئلہ رہ گیا ان لوگوں کا جو اپنے ہاتھ میں قانون لیں اور کسی "ملزم" کو قتل کر دیں۔ یہاں چونکہ ہمدردی اور معذرت خواہی آڑے آتی ہے اس لیے تقی عثمانی صاحب جیسے حضرات ایک نیا راستہ ڈھونڈتے ہیں۔ وہ الگ بات ہے کہ یہ راستہ اپنی ہی تراشی گئی دلیل کی کھائی میں گر کر فنا ہو جاتا ہے۔ اس دلیل کی رو سے اگر یہ امکان ہو کہ ایک شخص کسی کو گستاخ سمجھ کر قتل کر دے تو وہ ایسا اس لیے کرتا ہے کی گستاخ ارتداد کے باعث مباح الدم ہے، لہذا قاتل کو قصاصاً سزائے موت نہیں دی جانی چاہیے۔

اب کوئی پوچھے کہ اے شیخ الاسلام، پہلے آپ کہتے ہیں کہ ملزم کو صفائی کا موقع دیے بغیر حد جاری کرنا ممکن نہیں اور حد جاری کرنے کے بعد بھی توبہ کا موقع دیے بغیر اسے قتل کرنا ممکن نہیں تو مارے جانے والے کو کوئی مرتد کیسے ثابت کر سکتا ہے۔ نہ وہ قبر سے اٹھ کو صفائی دے سکتا ہے اور نہ ہی اب توبہ کرنا اس کے لیے ممکن ہے۔ ہر حال میں قاتل نے ایک معصوم کو قتل کیا ہے اور اس کی کوئی صفائی دینا ممکن نہیں ہے۔ لیکن چھوڑیے جناب، اس ملک میں جبہ اور دستار والوں سے سوال ممکن نہیں ہے۔

بحث کو یہاں سمیٹتے ہیں۔ توہین اور ارتداد کے نام پر قانون سازی کم از کم اسلام کی رو سے ممکن نہیں ہے لیکن کمال یہ ہے کہ اسلام کا کندھا استعمال کر کے شدت پسندی کو فروغ دینے والی یہ بندوق چلائی جاتی ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ فقہی لحاظ سے یہ قانون بن گیا ہے تو بھی اس کے تحت مقدمہ کبھی بھی براہ راست توہین کا نہیں ہوگا بلکہ براستہ ارتداد ہوگا اور کسی "پیدائشی مسلمان" کا ارتداد ایک ناممکن امر ہے۔ رہے ہمارے خطیب اور علماء دین تو ان کی خلعت احمریں بے گناہوں کے خون سے سرخ ہے اور وہ اسے وجہ افتخار سمجھتے ہیں اس لیے ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ ملک میں اب ان قوانین پر بات کرنا بھی توہین گنا جاتا ہے تو معنی خیز مکالمہ کیسے ہو۔ نوجوانوں کو عشق کے نام پر سر اتارنا سکھایا جاتا ہے۔ قاتل محترم ٹھہرتے ہیں اور مقتولین کے خاندان بھی در بدر ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب روز بروز بدتر ہوا چلا جاتا ہے۔

جدلیاتی مادیت یہ بتاتی ہے کہ فرد کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ معاشرتی ڈھانچہ درست نہ کر دیا جائے اور معاشرتی اصلاح کے لیے جو سیاسی ارادیت درکار ہے وہ موہوم نہیں بلکہ معدوم ہے۔

تو گھوم پھر کر نتیجہ وہی نکلا جو فیض صاحب نے نکالا تھا کہ یہ ملک ایسے ہی چلتا رہے گا۔ انسان ایک دن سب فنا ہو جائیں گے اور آخر میں، بس نام رہے گا اللہ کا۔۔۔

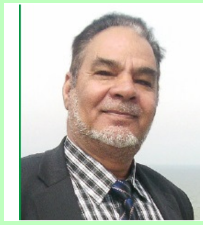


ربوہ ربوہ ہے

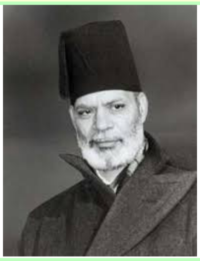
آصف محمود باسط

وہ ہستی رات کے سجدوں سے جب ابھرتی تھی
گلی گلی کئی جگنوسے جگمگاتے تھے
ابھی اندھیرا ہی ہوتا،دکانیں کھل جاتیں
ضرورتیں بھی ہماری کہاں زیادہ تھیں؟
تلاوتوں کی صداؤں سے دن نکلتا تھا
جہاں افق پہ ذرا روشنی نظر آتی
پھر آفتاب جو ہمراہ لے کے دھوپ آتا
کہیں پہ جانب مکتب رواں دواں ہیں قدم
لو دفتروں کی عمارت میں گھنٹہ گونج اٹھا
اور اب تو شام تک کار جہاں کا راج ہوگا
کوئی اشاعت و تصنیف میں مگن ہوگا
کہیں پہ دین کی تدریس چل رہی ہوگی
کہیں پہ روز کے اخبار چھپ رہے ہوں گے
سوال کوئی کسی کو ہوا ہے ذہن نشین
اسی طرح مری بستی میں دن گزرتا تھا
ہر ایک کام نمازوں کے گرد گھومتا تھا
میں اپنی بستی سے باہر بھی جاتا رہتا تھا
جہاں کہیں بھی گیا، لوٹ کر وہیں پہنچا
پھر ایک دن مجھے بستی سے دورجانا پڑا
مجھے یقین تھا میں جلد لوٹ آوں گا
بچھڑتے وقت میں جوں جوں قدم اٹھاتا تھا
کہ جیسے کہتا ہو کیوں جا رہے ہو، لوٹ آؤ
مگر وہ وقت کڑا تھا، سو میں بھی چلتا رہا
ہزاروں میل کی لمبی اڑان تھی در پیش
مرے وجود سے مَس ہو گیا تھا حرف کُن
خدا کی ذات کا میں دنیا کو نشاں دے دوں
میں شہر شہر گیا، اپنے شہر نہ جا سکا
مگر شہر مرے روح و تن میں بستا ہے

جہاں بھی جاؤں، تجھے دل میں لے کے جاتا ہوں
کہ تیرے جیسا نہیں کوئی ہے، یہ صدا ہے میری
صدائے صل علیٰ سحر اترتی تھی
نمازیوں کے قدم مسجدوں کو جاتے تھے
تمام چیزیں ضرورت کی ان مل جاتیں
کہ زندگی کی ادائیں بہت ہی سادہ تھیں
یوں شب گزیدہ اندھیرا سحر میں ڈھلتا تھا
تو زندگی بھی در و بام پر اتر آتی
ہمارےشہر محبت پہ کیسا روپ آتا
ہیں نونہال اگرچہ، مگر جواں ہیں قدم
حیات نو سے بدن ذرہ ذرہ گونج اٹھا
سبھی کے سر وپہ وقار عمل کا تاج ہوگا
کوئی فتاوی کی تالیف میں مگن ہوگا
کہیں کتاب میں تحقیق ڈھل رہی ہوگی
خیال تجربہ گاہوں میں کھپ رہے ہوں گے
تو کتب خانے میں جا کر ہوا اپنا گزین
ہر ایک کام سے صبح کو شام کرتا تھا
وہ شہر عشق الٰہی میں جیسے جھومتا تھا
پر اس کی یاد کا دریا بھی ساتھ بہتا تھا
واں ابتلا بھی گر آیا، تو دکھ نہیں پہنچا
اک امتحان تھا، مجھ کو ضرور جانا پڑا
بھلا میں چھوڑ کر اس کو کہاں پہ جاوں گا
وہ شہر میرے بدن سے لپٹا تھا
خدارا مجھ کو تم ایسے نہ چھوڑ کر جاؤ
وہ بن کے ریت مرے ہاتھ سےپھسلتا رہا
کے خبر تھی کہ رہنی ہے یہ ہمیشہ ہمیش
مشام جاں میں بسا دی گئی تھی ایک ہی دھن
میں کل جہان میں توحید کی اذاں دے دوں
جو لوٹ آنے کا وعدہ تھا، وہ نبھا نہ سکا
میرا خیال اس کے چمن میں بتا ہے
میں ملک ملک، ترا پیچ بو کے آتا ہوں
کہ تیری شان سلامت رہے، دعا ہے مری



حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی قومی وملی خدمات وطن وقوم کے لئے عظیم الشان جدوجہد



رانا عبدالرزاق خاں لندن

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بنی نوع انسان کی ہمدردی کو اپنا اصول قرار دیتے ہوئے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے کی شرط یہ بیان فرمائی: یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض اللہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چلتا چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نو کو فائدہ پہنچائے گا۔

(تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ 150)

حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا:

میرا مقصود مطلوب وتمنا خدمت خلق است

ہمیں کارم، ہمیں بارم، ہمیں رسمم۔ ہمیں راہم

اللہ تعالی نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو اس عظیم مقصد کے لیے قائم فرمایا اور ایسے وجود عطا کئے جنہوں نے عام خلق اللہ کی ہمدردی کے لیے غیر معمولی کی خدمات سر انجام دیں۔ بیسویں صدی میں احمدیت، حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جیسا نابغہ روزگار وجود نمودار ہوا جنہوں نے دامے درمے قدمے سخنے قومی خدمات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ زیر نظر مضمون میں آپ کی انہی خدمات جلیلہ کا تذکرہ ہے۔ سائمن کمیشن: 7291 کے آخر میں برطانوی پارلیمنٹ نے ملک کی آزادی کے جوش وخروش کو دیکھ کر حالات کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیشن بھیجا جو سائمن کمیشن کہلاتا ہے۔ اس کمیشن کے دائرہ عمل میں علاوہ مرکزی اور صوبائی قانون ساز اسمبلیوں اور کونسل آف سٹیٹ کے نمائندوں اور حکومت کے بڑے افسروں سے مشورہ کرنے کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ وہ ملک کی قابل ذکر جماعت جماعتوں کے خیالات بھی دریافت کریں۔ چونکہ اس میں کسی ہندوستانی ممبر کو شامل نہیں کیا گیا تھا اس لئے قائداعظم، سر عبدالرحیم اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ مگر جب حضرت امام جماعت احمدیہ (خلیفۃ المسیح الثانی) نے ہندوؤں کی چالاکی اور اپنوں کی سادگی بھانپتے ہوئے ''مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت'' لکھ کر یہ سمجھایا کہ اس سے شدید نقصان پہنچے گا تو قائداعظم، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان کے علاوہ مسلمانوں کی اکثریت نے کمیشن کے ساتھ تعاون کرنا ضروری سمجھا۔ اخبار ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' نے اپنی 5 نومبر 192۸ کی اشاعت میں کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے والے ممبران کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: شہادت دینے والوں پر جرح کرنے کے باب میں ایک نمایاں شخصیت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی ہے۔ آپ داڑھی رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کوئی دور از کار بات نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیشہ مطلب کی بات کہتے ہیں۔ اور اس لحاظ آپ سر آرتھر فروم سے مشابہ ہیں۔ یعنی آپ کی آواز پر شوکت ہے اور نہایت برجستہ تقریر کرنے والے ہیں۔

(الفضل 9 نومبر 192۸)

گول میز کانفرنس: 1930 میں ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے برطانوی حکومت نے لندن میں ایک گول میز کانفرنس منعقد کی۔ جس میں شمولیت کی حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو بھی دعوت دی گئی۔ اس کانفرنس میں آپ کی شاندار خدمات کا ذکر کرتے ہوئے روزنامہ 'انقلاب'' نے لکھا۔ سر سیموئیل ہور وزیر ہند نے اپنی ایک حالیہ تقریر میں اعلان کیا تھا کہ گول میز کانفرنس کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا انہیں حل کرنے کے لیے قیمتی اور نتیجہ خیز خدمات سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے سر انجام دیں۔ (انقلاب پرچہ 13 جولائی 1941)

اخبار ''شہباز'' لاہور نے لکھا، 1930 میں ہندوستانی اصلاحات کے سلسلہ میں لندن میں گول میز کانفرنس کے اجلاس شروع ہوئے۔ سر محمد ظفر اللہ خان تینوں گول میز کانفرنسوں اور ہندوستانی اصلاحات سے متعلق دونوں ایوانوں کی

مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کے مندوب تھے۔ان کانفرنسوں اور کمیٹی میں آپ نے جوشاندار خدمات سرانجام دیں ان سے ہندوستان اور ہندوستان سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں آپ کی شہرت میں بہت اضافہ ہوگیا۔سرمحمدظفراللہ خان نے انگلستان کے ہوشیار ترین مباحث اور سیاستدان مسٹر چرچل پر زبردست جرح کی۔(انقلاب 4 جولائی 1941) گول میز کانفرنس کے مندوبین میں سب سے زیادہ کامیاب آغا خان اور چوہدری ظفر اللہ خان ثابت ہوئے۔(اقبال کے آخری دوسال صفحہ 51) اخبار ''مسلم آواز'' کراچی نے لکھا۔سرظفراللہ خان کے متعلق قائداعظم فرمایا کرتے تھے: کہ ظفراللہ کا دماغ خداوند کریم کا زبردست انعام ہے۔ان گول میز کانفرنسوں میں شرکت اور قوم اور ملک کی خدمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1934 میں جب میں وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل میں آنریبل سرفضل حسین صاحب کی جگہ خالی ہوئی تو آپ کو بلامقابلہ ممبر منتخب کرلیا گیا۔

مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کی صدارت: حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کی خدمات کا مسلمانوں کے سنجیدہ طبقہ پر اس قدر اثر تھا کہ مسلم لیگ کا جو اجلاس ۲۶ دسمبر 1931 کو دہلی میں ہونا قرار پایا اس کی صدارت کے لیے آپ کی خدمت میں درخواست کی گئی۔چوہدری صاحب نے کرسی صدارت پر بیٹھ کر ایک فاضلانہ خطبہ ارشاد فرمایا۔جس میں مسلم نقطہ نگاہ کی ترجمانی ایسے عمدہ رنگ میں کی کہ حاضرین عش عش کر اُٹھے اس خطبے کو مسلم لیگ کی تاریخ میں نہایت ہی اہم درجہ حاصل ہے۔روزنامہ ''انقلاب لاہور'' نے خطبہ صدارت درج اخبار کرتے ہوئے لکھا کہ۔: چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کے صدر کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھا اس میں سیاسیات ہند اور سیاسیات اسلامی کے تمام مسائل پر نہایت سلاست سادگی اور سنجیدگی سے اظہار خیالات پر فرمایا۔اخبار ''الامان دہلی'' 3 دسمبر 1931 نے لکھا: جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تجاویز اور اس کے خطبہ صدارت کا تعلق ہے اس میں پوری پوری مسلمانان ہند کی ترجمانی کی گئی۔یہ اجلاس گزشتہ جلسوں سے زیادہ کامیاب رہا۔خطبہ صدارت میں جس دلیری و بیباکی کے ساتھ حکومت کے رویے کی مذمت اور اور حقوق مسلمین کی وکالت کا حق ادا کیا گیا ہے۔وہ بھی اس اجلاس کی ایک تاریخی خصوصیت ہے

''الخلیل'' دہلی یکم جنوری 1932 نے لکھا۔: تمام خطبہ آپ کی فاضلانہ اور دلیرانہ ترجمانی سے لبریز ہے۔آپ نے اس خطبہ صدارت میں جن گرانقدر خیالات کا اظہار کیا ہے حقیقت میں وہی مسلمانوں کے خیالات ہیں۔

قرارداد پاکستان کی تائید: قائداعظم کی قیادت کا اہم ترین واقعہ قرارداد پاکستان ہے۔جو 23 مارچ 1940 کو لاہور میں منظور ہوئی۔اس قرارداد کے بعد سرٹیفورڈ کرپس ہندوستان آئے اور ہندوستان کی آزادی کا ایک جدید فارمولا پیش کیا۔جسے مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے مسترد کردیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی آزادی قطعی محال اور بالکل ناممکن دکھائی دینے لگی۔عین اس تاریک دور میں چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب کو جو ان دنوں فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج تھے۔کامن ویلتھ ریلیشن کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان جانا پڑا جہاں آپ نے سرکاری نمائندہ ہونے کے باوجود انگلستان کے سامنے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ ایسے زوردار پر شوکت و قوت الفاظ میں رکھا کہ دنیا بھر میں تہلکہ مچ گیا اور انگلستان کے سرآوردہ اخبارات کے علاوہ ہندوستان کے مسلم اور غیر مسلم پریس نے اس پر بکثرت تعریفی مضامین لکھے۔چنانچہ اخبار انقلاب 22 فروری 1945 نے سرظفراللہ خان کی صاف گوئی کے عنوان سے لکھا۔: چوہدری سرظفراللہ خان نے کامن ویلتھ کانفرنس منعقدہ لندن میں جو تقریر فرمائی وہ ہر انگریز اور اتحادی ملکوں کے ہر فرد کے لئے دلی توجہ کی مستحق ہے۔کیا اس ستم ظریفی کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ جس ہندوستان نے پچیس لاکھ بہادر مختلف جنگی میدانوں میں جمعیتہ اقوام برطانیہ کی آزادی کو محفوظ رکھنے کی خاطر لڑ رہے ہیں وہ خود آزادی سے محروم ہے۔حیدرآباد دکن کے روزنامہ پیام 22 فروری 1945 نے لکھا۔: سرظفراللہ کی آواز میں ایک گرج ہے ایک دھماکہ ہے جس کو ہم نظر انداز نہیں کرسکتے۔اخبار ''پرتاب'' 22 فروری 1945 نے لکھا: ہندوستان کے فیڈرل کورٹ کے جج سرظفراللہ خان آج کل لندن گئے ہوئے ہیں آپ کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی ڈیلی گیشن کے لیڈر ہیں۔برطانیہ کی

حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر آپ کی تقریر نے نے پانی پھیر دیا۔

ملک خضر حیات کا استعفیٰ: پنجاب میں ملک خضر حیات خان پارٹی کے لیڈر ہونے کی وجہ سے پنجاب کے وزیر اعظم تھے اور اگرچہ انتخابات میں مسلم لیگ کافی نشستیں حاصل کر چکی تھی مگر انتقال اقتدار کے لئے ملک صاحب کا استعفیٰ ضروری تھا۔ لاہور میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو چکے تھے مسلم لیگ نون کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ پریس پر پابندیاں تھیں۔ ملک صاحب جھکنے میں نہیں آ رہے تھے۔ 2 مارچ 1947 کو چوہدری ظفر اللہ صاحب نے قائد اعظم محمد علی جناح کو تار ڈلوایا کہ ملک صاحب استعفیٰ دے رہے ہیں۔ چنانچہ اس استعفیٰ کی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے انگریزی اخبار ''ٹریبیون'' نے 5 مارچ 1947 لکھتا ہے:

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ خضر حیات خاں ٹوانہ صاحب نے یہ فیصلہ سر محمد ظفر اللہ خانصاحب کے مشورہ اور ہدایات کے مطابق کیا ہے۔ سنا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کی تازہ رایجی ٹیشن کے دوران جماعت احمدیہ کے امام نے خضر حیات کا کو لکھا کے وہ لیگ کے سامنے جھک جائیں۔ یہ خط سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ذریعے بھیجا گیا تھا جنہوں نے اپنے امام کی ہدایت کی پرزور تائید کی ملک خضر حیات صاحب نے سر ظفر اللہ خاں کو لاہور مشورہ کے لئے بلایا جس کے بعد ملک صاحب نے وہ بیان دیا جو اخبارات میں شائع ہوا۔

باؤنڈری کمیشن میں جدوجہد: 30 جون 1947 کو پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے لیے ایک حد بندی کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا گیا۔ جس کی صدارت ریڈ کلف کو سونپی گئی۔ باؤنڈری کمیشن نے 14 جولائی 1947 کے اجلاس میں فیصلہ کیا کہ جو جماعتیں کوئی میمورنڈم پیش کرنا چاہتی ہیں۔ وہ ۱۸ جولائی تک مع چار زائد نقول اور ایسے چار نقشوں کے پیش کر دیں جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ صوبے کی حد کس جگہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک مسلم لیگ کے کیس کا تعلق ہے اس نازک ترین ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے قائد اعظم کی نظر انتخاب احمدیت کے مایہ ناز فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب پر پڑی۔ جنہوں نے انتہائی مشکلات اور تیاری کے مختصر ترین وقت کے باوجود مسلم اقلیت کے حقوق کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ آنریبل چوہدری صاحب نے جس قابلیت کے ساتھ یہ کیس لڑا اس کا ذکر کرتے ہوئے جناب حمید نظامی صاحب رقم طراز ہیں۔ حد بندی کمیشن کا اجلاس ختم ہوا۔۔۔ چار دن چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت مدلّل نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول بحث کی۔ کامیابی بخشنا خدا کے ہاتھ میں ہے مگر جس خوبی اور قابلیت کے ساتھ سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا اس سے مسلمانوں کو اتنا اطمینان ضرور ہو گیا کہ ان کی طرف سے حق و انصاف کی بات نہایت مناسب اور احسن طریقہ سے ارباب اختیار تک پہنچا دی گئی ہے۔ سر ظفر اللہ خاں صاحب کو کیس کی تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا ملا مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف ہوں گے۔ (روزنامہ نوائے وقت یکم اگست 1947)

نیز 24۔ اگست کی شاعت میں ان فقید المثال خدمات کو سراہتے ہوئے مزید لکھا۔ جب قائد اعظم نے چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہو تو ظفر اللہ خان نے فوراً خدمات سرانجام دینے کی حامی بھری۔ اور اُسے ایسی قابلیت سے سرانجام دیا کہ قائد اعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو-این-او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا۔ جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابل احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا۔ آپ نے ملک وملت کی شاندار خدمات سر انجام دیں۔ تو قائد اعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو بااعتبار منصب وزیر اعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے۔ اس شاندار لازوال کارنامے کا ذکر جسٹس منیر صاحب صاحب (جو ریڈ کلف ایوارڈ میں مسلمانوں کی طرف سے ممتاز رکن تھے) نے بھی عدالتی رپورٹ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔: عدالتی ہذا کا صدر جو اس باؤنڈری کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے گورداسپور اس پور کے معاملہ میں کی تھی۔ یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات میں ظاہر و باہر

ہیں اور جس شخص کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے چوہدری ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات سرانجام دیں۔

مسئلہ کشمیر: 25 دسمبر 1947 کو چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کراچی میں وزیر خارجہ کا حلف اٹھایا۔قائداعظم نے آپ سے فرمایا کہ آپ برما کے جشنِ آزادی میں شرکت کریں۔ ابھی آپ رنگون میں ہی تھے کہ پاکستان کے سفیر مقیم امریکا مسٹر حسن اصفہانی نے وزیراعظم لیاقت علی خاں کو اطلاع دی کہ بھارت نے پاکستان کو حملہ آور قرار دیتے ہوئے کشمیر کا مسئلہ سکیورٹی کونسل میں میں پیش کر دیا ہے۔اور وہاں ظفر اللہ خاں کا بحث کے لئے انتظار کیا جارہا ہے۔اس پر وزیر اعظم پاکستان نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو کہا کہ پاکستان کے وزیر خارجہ 7 جنوری کو رنگون سے واپس کراچی پہنچیں گے۔انہیں ریکارڈ فراہم کرنے کے لئے اور کیس کی تیاری کے لیے معقول مدت درکار ہوگی۔اور ابھی تک ہمیں بھارت کی شکایت کی کاپی بھی نہیں ملی۔اس لیے سکیورٹی کونسل کا اجلاس معقول مدت کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔بھارتی نمائندہ سکیورٹی کونسل پر زور دیتا رہا کہ پاکستان کے چار ہزار باوردی حملہ آوروں نے بھارت کی افواج پر حملہ کر کے بھارت کے لئے سنگین خطرہ پیدا کر دیا۔ہے اس لیے اجلاس 15 جنوری سے پہلے طلب کیا جائے مقصد یہ تھا کہ وزیر خارجہ پاکستان کو نہ ریکارڈ فراہم کرنے کا موقع مل سکے نہ کیس کی تیاری کا۔یوں مسئلہ کشمیر پر ان کی پہلی تقریر ہی عالمی اسٹیج پر پاکستان کے لیے جگ ہنسائی کا موجب ہو اور بھارت کا دنیا میں بول بالا ہو جائے جبکہ بھارتی وفد کے لیڈر مسٹر گوپال سوامی تھے جو سالہا سال تک کشمیر کے وزیر اعظم رہ چکے تھے اور پوری طرح تیار تھے حضرت چوہدری صاحب نے 7 جنوری 1947 کو واپس کراچی پہنچے تو تازہ ترین صورتحال سے انہیں آگاہ ہی ہوئی۔فوری طور پر مطلوبہ ریکارڈ کا مہیا ہونا مشکل تھا بہر حال جو بھی ریکارڈ مل سکا اس کی بُک تک فراہم نہ ہو سکے۔ریکارڈ کا اکثر حصہ بوریوں میں بند کر کے نوزائیدہ مملکت کے وزیر خارجہ 21 جنوری کو سہ پہر کے قریب نیویارک پہنچے۔اتنے بڑے کیس کی تیاری کے لیے اب بیداری اور تکان کے مارے وزیر خارجہ کے پاس صرف 13 اور 14 جنوری کے دو دن تھے۔سکیورٹی کونسل کا اجلاس 15 تاریخ کو شروع ہونے والا تھا۔وزیر خارجہ نے اللہ تعالی کے حضور عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ کیس کی تیاری شروع کی اور اور پھر اپنے کیس کو ایسی قابلیت اور مہارت سے پیش کیا کہ بھارت کو لینے کے دینے پڑ گئے۔لندن ٹائمز رقمطراز ہے۔

سکیورٹی کونسل میں بحث نے جو رخ اختیار کیا اس سے ہندوستان کے تخیل اور فکر کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ہندوستان اپنے کیس کو اس قدر مضبوط خیال کرتا تھا گویا وہ ہر قسم کی تردید سے بالاتر ہے۔اور اسے یقین تھا کہ اقوام متحدہ فوری طور پر پاکستان کو سرزنش کرے گی۔اور کشمیر کے معاملہ کو سلجھانے میں ہندوستان کو آزاد چھوڑ دے گی لیکن چوہدری ظفر اللہ خان نے کمال قابلیت سے پاکستان کی طرف سے اس طرح صفائی پیش کی کونسل کے اکثر ممبران پر واضح ہو گیا کہ ہندوستان کی طرف سے معاملات کو مکمل صورت میں پیش نہیں کیا گیا۔پاکستان کے وزیر خارجہ نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت اس درجہ موثر انداز میں کی کہ سکیورٹی کونسل ان کے استدلال سے محروم ہوگئی۔

(لندن ٹائمز 14 فروری 1941)

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے کشمیر کے مسئلہ پر ہندوستانی مقدمہ کا تارو پود بکھیرتے ہوئے ساری دنیا پر واضح کر دیا کہ ہندوستان کا کشمیر سے کوئی تعلق نہیں ہے چنانچہ اخبار پرتاب لکھتا ہے: یو۔این۔او سے پاکستان کے خلاف فریاد کرنا ہمالیہ جیسی بڑی غلطی تھی۔ہم وہاں گئے تھے مستغیث بن کر لوٹے وہاں سے ملزم بن کر۔

(پرتاپ 23۔اگست 1950)

حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی قوم وملت کے لیے یہ عظیم الشان خدمات مورخ پاکستان سنہری حروف سے رقم کرے گا۔انشاءاللہ۔

(ماہنامہ انصاراللہ مارچ 2002۔)



تربیّتِ اولاد

چودھری عبدالرحمٰن شاکر

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ لَہٗ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَہُ الۡکِبَرُ وَلَہٗ ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَہَاۤ اِعۡصَارٌ فِیۡہِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَتَفَکَّرُوۡا ۔(سورۃ بقرہ رکوع 36)

ترجمہ۔کیا تم میں سے کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے اندر نہریں بہتی ہوں (اور) اسے اس میں سے پھل ملتے ہوں اور اسے بڑھاپے نے آلیا ہو اور اس کے بچے (ابھی) چھوٹے چھوٹے ہوں ۔پھر اس باغ پر ایک ایسا بگولہ چلے جس کے اندر آگ ہو (اور) وہ باغ جل جائے ؟ (دیکھو) اللہ تمہارے لئے کس طرح کھول کر اپنی ہدایات بیان کرتا ہے تا کہ تم فکر کرو۔

جُوں جُوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ ہم سے دور ہوتا جا رہا ہے نورِ نبوت کم ہوتا جا رہا ہے دوسری جگہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ یعنی انسان ہر روز گھاٹے میں جا رہا ہے اس لئے ہم کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی تربیت ایسے رنگ میں کریں کہ بعد میں کوئی پچھتاوا نہ ہو۔ہم نے ہمارے بزرگوں نے احمدیت کو پرکھ کر بڑی گراں قیمت دے کر خریدا ہے۔اس کے لئے بہت قربانی دی ہے۔وطنوں سے جُدا ہوئے۔رشتہ داریاں ترک کر دیں مگر حضرت مہدی علیہ السلام کا دامن تھاما ہے تو اسے مضبوطی سے تھامے رکھا۔اب اگر ہماری اولادیں اس مقدس ورثہ کو بھلا دیں تو ہمارے لئے وہ دن سخت مصیبت کا ہوگا۔

کہنے کو تو یہ صرف دو لفظ ہیں ’’تربیت اولاد‘‘ مگر اس کے اندر بڑے وسیع معانی اور بے شمار قسم کی شدید ذمہ داریاں ہیں ۔اس مضمون کے کئی پہلو اور ہر پہلو کی کئی شاخیں ہیں۔تاہم مختصراً تربیت اولاد کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی کان میں اذان اور تکبیر کہی جائے۔ پہلا نام اللہ سکھایا جائے جب کھانے پینے لگے تو بسم اللہ سکھائی جائے۔ذرا بڑا ہو تو دائیں اور بائیں ہاتھ کی تمیز سکھائیں۔کلمہ طیبہ وغیرہ یاد کرایا جائے ۔سات برس کا ہو جائے تو نماز یاد کرائیں ۔دس سال کے بچے پر تو نماز ویسے ہی فرض ہو جاتی ہے۔قرآن مجید ناظرہ آتا ہو بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ ذرا سے خرچ اور توجہ سے بچے کو قرآن کریم حفظ کرایا جائے ۔اس کا بہت ثواب ہے ۔ایک خاندان میں اگر ایک حافظِ قرآن ہو تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سات پشت کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور نزول برکات کا مورد بنا تا ہے۔

جوں جوں بچہ جوان ہوگا اس کے فرائض بڑھتے جائیں گے اور انشاء اللہ اس دنیا اور آخرت میں کام آئیں گے۔سکول کے علاوہ گھر پر اسلامی عقائد کی تعلیم ہونی چاہئے۔وقت کی پابندی سکھائیں ۔اسلام اور احمدیت کی مختصر تاریخ سے آگاہی دیں ۔بچے کے ہمجولیوں کو دیکھیں کہ وہ کس قسم کے ہیں ۔بُرے لڑکوں سے اجتناب سکھائیں۔ بچے کے اساتذہ سے اس کی تعلیمی اور اخلاقی حالت کی رپورٹ لیتے رہیں اور بالکل غافل نہ ہو جائیں ۔خدام الاحمدیہ اور لجنہ نے تربیت اولاد سے متعلق جو چھوٹے چھوٹے معلوماتی رسالے شائع کئے ہیں ان کے پڑھنے اور زیر مطالعہ رکھنے کی بچوں کو مسلسل تلقین کرتے رہیں مگر یہ تمام کام آسان نہیں ہے ۔ہر شخص اتنی توجہ نہیں دے سکتا تاہم جس گھرانے پر اللہ کا فضل ہو وہاں کے مرد اور سمجھدار فرض شناس خواتین یہ سب کام بڑی ذمہ داری سے کرتے ہیں بشرطیکہ ان کو اپنے بچوں کی تربیت اور اپنی ذمہ داری کا احساس ہو۔

آجکل چونکہ مغربی بیماریاں آوارہ گردی ۔بے مقصد گھومنا۔لغو اور فحش فلمی گانے ۔لمبے لمبے بال رکھنا ننگے سر پھرنا۔ایسا لباس پہننا جو شرفاء کا لباس نہ ہو ۔یہ سب ہمارے معاشرے کو خرابی کی طرف لے جا رہا ہے۔ان سب سے دامن بچا کر چلنا بڑی ہمت کا کام ہے۔تربیت کے بعض پہلوؤں کی مثالیں پیش

کرتا ہوں۔

(1)1925ء میں خاکسار نے میٹرک کا امتحان دیا تھا۔حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ ان دنوں وہاں تھے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اب کیا کروگے؟ میں نے جواب دیا کہ آوارہ گردی کریں گے! آپ کو بہت غصہ آیا اور مجھے حکم دیا کہ کل ہسپتال میں آکر مریضوں کا رجسٹر لکھا کرو۔آوارہ نہیں پھرنا۔میں ان کے سامنے بیٹھا رجسٹر لکھتا رہتا اور آپ گہری نگاہوں سے مجھے گھورتے رہتے اور مجھے یوں محسوس ہوتا کہ کوئی چیز میرے اندر سمائی جارہی ہے ۔آپ کی صحبت کی یاد اب تک دل کو گرماتی رہتی ہے۔

گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی
چوں بہ صاحب دل روی گوہر شوی

(2) بچوں کی تربیت کے لئے بعض دفعہ اپنے نفس کو مارنا پڑتا ہے اور اپنی سطح سے اُتر کر بچوں کی اصلاح کرنی ہوتی ہے۔یہاں مجھے حضرت مولانا شیر علی صاحبmaulvi-sher-ali کا واقعہ یاد آرہا ہے۔

نویں جماعت میں مولانا ہمیں انگریزی گرامر پڑھا رہے تھے۔اور میں ریاضی کے سوالات نقل کررہا تھا آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا یہ کیا کررہے ہو؟ میں چُپ رہا۔فرمانے لگے کہ آپ کلاس سے باہر چلے جائیں۔مَیں جاکر برآمدے میں کھڑا ہوگیا۔ایک منٹ کے بعد مولانا میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ!''آپ اب کلاس میں تشریف لا سکتے ہیں۔'' وہ ندامت اب تک دل پر ہے اور مولانا کے اخلاق عالیہ کا اثر جو میرے دل پر ہے وہ کچھ میں ہی جانتا ہوں۔

(3) ہماری جماعت میں بھائی عبدالرحیم صاحبؓ (سابق سردار جگت سنگھ ساکن سُرسنگھ نزد پٹی ضلع لاہور) نو مسلم کا اپنا ہی مقام ہے۔حضرت مسیح موعودؑ کے رنگ میں رنگین اور دینیات اور عربی کے بہترین استاد تھے۔بورڈنگ میں وہ ہمارے ٹیوٹر تھے۔ایک غیر احمدی لڑکا جو بڑے امیر خاندان کا اکلوتا بیٹا تھا کہنے لگا کہ میرا تو نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔اس وقت میں نے دیکھا کہ بھائی جی کے اندر ایک بگولہ سا اٹھا مگر کمال ضبط کے ساتھ فرمایا''جب تمہارا دل نہیں چاہتا تو نماز نہ پڑھو''۔دوسرے تمام لڑکے نماز کے لئے چلے گئے۔وہ اکیلا کمرے میں بیٹھا رہا۔تھوڑی دیر کے بعد ضمیر نے اسے کاٹا اور وہ بورڈنگ سے آکر نماز میں شریک ہوگیا۔نماز کے بعد وہ بھائی جی کے آگے پیچھے پھرتا رہا تا دیکھ لیں کہ وہ بھی شامل نماز ہے مگر انہوں نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

چند روز کے بعد (لڑکا) بھائی جی کو کہنے لگا کہ میری بیعت کرادو۔بھائی جی نے فرمایا کہ اپنے والدین سے تحریری اجازت منگوالو ورنہ مشکل ہے۔اسکے والدین نے لکھا کہ ہم نے تم کو قادیان میں نیک صحبت اور بہتر تعلیم کے لئے بھجوایا ہے۔یہ بڑی سعادت ہے اگر تمہارا دل چاہتا ہے تو بیعت کرلو۔اور اس نے بیعت کرلی۔

اگر اس کے نماز کے انکار پر بھائی جی ڈنڈا لے کر مارتے تو بجا تھا مگر ان کی حکمت اور دلی دعاؤں اور تحمل اور بردباری نے کام بنا دیا۔

(4) قادیان میں حکیم عبیداللہ بسملؔ صاحب بہت بڑے عالم، حکیم، فلسفی اور فارسی دان بزرگ گزرے ہیں۔حضرت مسیح موعودؑ نے ان کو اپنی جماعت کا فردوسی فرمایا۔حضرت خلیفہ اوّلؓ فرماتے تھے کہ''کاش مجھے عبیداللہ جتنی فارسی آتی ہو۔''

خاکسار اپنا فارغ وقت ان کی خدمت میں گزارا کرتا تھا۔آپ نے فارسی نظم میں فلسفہ حیاتِ انسانی پر ایک کتاب''حیاتِ بسمل''لکھی۔جب وہ چھپ کر آئی تو مجھ سے فرمایا کہ کیوں کیسی ہے کتاب؟ میری بیوقوفی کہ میں نے جوش میں کہہ دیا کہ یہ نام درست نہیں۔پوچھا کیا چاہئے؟ میں نے کہہ دیا''رقص بسمل'' چاہئے۔صاف ظاہر ہے کہ میری نادانی تھی۔مولوی صاحب نے سخت بُرا منایا اور چہرہ سُرخ ہوگیا میں یہ حالت دیکھ کر وہاں سے بھاگا اور تین دن متواتر ان کے ہاں نہ گیا تو ایک رات 10 بجے کے قریب مولوی صاحب خود ہمارے گھر تشریف لائے۔والد صاحب نے پوچھا کہ ایسا کیا کام تھا جو اس وقت تشریف لائے ہیں۔فرمایا۔''آپ کو علم نہیں۔عبدالرحمن شاکر ناراض ہوگیا ہے اسے منانے آیا ہوں۔تین دن سے ملنے نہیں آیا'' جب والد صاحب کو تمام واقعہ کا علم ہوا تو مجھے بہت سخت سست کہا اور مجھے کہا کہ فوراً معافی مانگو۔مَیں مولوی صاحب کے قدموں میں بیٹھ گیا اور معافی چاہی۔اب دیکھئے کہ اس قدر عالمِ بے بدل نے میری اصلاح کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا۔آپ فرما سکتے ہیں

کہ یہ تمام فرائض ادا کرنے کے لئے پھر تمام گھروں میں سکول ہی کھل جائیں گے۔جواب یہ ہے کہ ہاں۔اگر تربیت کرنی ہے اور بچوں کو پکا احمدی بنانا ہے تو یہی طریق ہے۔اگر بار بار مسائل ان کے دماغوں میں بسائے نہ جائیں گے تو محفوظ کیسے ہونگے۔

انگریزی زبان میں ایک لفظ ہے Drill جس کے معنی ''برمے'' کے ہوتے ہیں۔ایک جگہ پر سوراخ بنا پھر دوسری جگہ پر بنا۔یہی لفظ ڈرل فوج میں اور سکول میں استعمال ہوتا ہے کہ ایک مشق کو بار بار کرایا جائے۔

(5) میرے والد محترم مولوی نعمت اللہ صاحب گوہر بی۔اے نے بچپن سے ہمیں سکھا دیا کہ احمدیت کے سوا دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔میں سوائے احمدیوں کے کسی دوسرے کو مطلق خاطر میں نہ لاتا تھا۔ایک دفعہ ڈاکٹر عبدالغنی صاحب اور والد صاحب کے ہمراہ میں لاہور کی شاہی مسجد دیکھنے گیا۔واپسی پر ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ کیوں بھئی یہ مسجد تم کو پسند آئی؟ میں نے پوچھا اسے کس نے بنوایا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ اورنگ زیب نے۔اتنا مجھے علم تھا کہ اورنگ زیب ایک نیک اور بزرگ مسلمان بادشاہ تھا۔اب میں نے ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا کہ ''یہ بتائیں کیا اورنگ زیب احمدی تھا؟ وہ میرے اس سوال پر بہت ہنسے۔

(6) حضرت میر محمد اسحٰقؓ صاحب کا طریق تربیت!

خاکسار ایک دن ننگے سر جامعہ احمدیہ قادیان چلا گیا۔میر صاحبؓ میرے حال پر بہت مہربان تھے ہم ان کے پڑوس میں عرصہ تک رہے تھے۔فرمانے لگے کہ جاتے ہوئے مجھ سے مل کر جانا۔میں حاضر ہوا تو مجھے دُور درختوں کے ایک جھنڈ میں لے گئے اور فرمایا کہ تمہارے دوست تم سے پوچھیں گے کہ میر صاحبؓ سے کیا بات ہوئی مگر کسی کو کچھ نہ بتانا۔میں نے کہا درست ہے۔پھر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔''دیکھو! شریف زادے ننگے سر نہیں پھرا کرتے۔''

یہ تمام معمولی واقعات ہیں مگر بڑے سبق آموز ہیں۔ایک اور نہایت اہم چیز جو بچوں کے ذہنوں میں جاگزیں کرائی جائے وہ یہ ہے کہ خلیفۂ وقت کی کیا عظمت ہے۔مرکز سلسلہ کی کیا اہمیت ہے۔وہاں اکثر حاضری دی جائے بزرگان سلسلہ کی خدمت میں حاضری دی جائے۔بہرحال مرکز سے رابطہ ضرور ہونا چاہئے۔پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ

آجکل کے مخربِ اخلاق رسائل۔ناول وغیرہ سے خود پرہیز کریں اور بچوں کو پرہیز کرائیں۔ہاں صحتمند لٹریچر ضرور مطالعہ کرائیں۔کتب بینی بھی بہترین شغل ہے۔ان سب امور کے حصول کیلئے والدین کی بچوں کے حق میں دعائیں بھی بڑی چیز ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁



شہیدوں کو سلام

عاصی صحرائی

مگر مقتل میں ہر مقتول کی غیرت درخشاں تھی
شوقِ جاںنثاری میں اُمنگِ دل بھی ارزاں تھی
سلام اُن سب شہیدوں پر، جوانوں برگزیدوں پر
سلام اُن حُبِ مسیح کے جانثاروں کام گاروں پر
سلام اُن خلدِ بریں، فتحِ مبیں کے نامداروں پر
سلام ان ارض و سما کے چراغوں علمداروں پر
زمیں کو خوں کا نذرانہ دینے وہ چلے آئے
ہر ایک ذرے کو تابشِ مہر دینے وہ چلے آئے
سلام اُن زخمیوں پر، بسملوں پر، دلفگاروں پر
سلام اُن ماؤں بیواؤں، یتیموں سوگواروں پر
سلام اُن جامِ مئے عرفاں کے سب زندہ داروں پر
وہ لب جو وجد میں بھی مست تھے ناخودی طاری
زبانِ خیر پر بس توحید کے کلمات تھے جاری
غمِ فرقت میں جینے کا سلیقہ دے گئے ہم کو
یقیں سے بھی جو بالا ہے وہ رُتبہ دے گئے ہم کو

❁❁❁❁❁❁❁



قومی اخبارات وجرائد کے ایڈیٹر صاحبان کے نام ایک مراسلہ
عقیدہ ختم نبوت کی اصل حقیقت اور بزرگان اُمت کے چند اہم ارشادات

تلخیص وترتیب: شہزادہ قمرالدین مبشر۔ گلاسگو سکاٹ لینڈ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔

ناظرین کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بلاشبہ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں اور یہ بھی سب کو مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے متعلق آخر الانبیاء اور لا نبی بعدی کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ اُمت محمدیہ نے خاتم النبین اور لا نبی بعدی کے کن معنوں اور کس مفہوم پر اجماع کیا ہے؟ اس سوال کا جواب متعین کرنے کیلئے اس مختصر مضمون میں دُنیائے اسلام کے بارہ درخشندہ بزرگوں اماموں مفسروں محققوں اور علماء کی تشریحات اور واضح اقوال درج کئے جاتے ہیں۔ ان کا زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لیکر ہمارے زمانہ تک ممتد ہے اور ان کی ملکی وسعت ہندوستان پاکستان عرب ترکی اور مصر تک پھیلی ہوئی ہے۔

* ۔بزرگانِ امت کے اقوال سے قبل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

سرورِ کائنات ﷺ بہ نفس نفیس آیت خاتم النبین کے نزول کے پانچ سال بعد اپنے فرزند ارجمند حضرت ابراہیمؑ کی وفات پر فرماتے ہیں۔ لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا۔ کہ اگر میرا بیٹا ابراھیمؑ زندہ رہتا تو ضرور صدیق نبی بنتا۔

(ابن ماجہ جلد 1 کتاب الجنائز صفحہ 237)

حضور ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اگر آپ ''خاتم النبین'' کا مطلب یہ سمجھتے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تو آپؐ فرماتے کہ اگر ابراہیمؑ زندہ بھی رہتا تب بھی نبی نہ ہوتا۔ کیونکہ میں خاتم النبین ہوں۔ گویا آیت خاتم النبین صاحبزادہ ابراہیمؑ کے نبی بننے میں روک نہ تھی۔ محض ان کا وفات پاجانا ان کے نبی بننے میں روک تھا اور یہ ایسی ہی بات ہے کہ کسی ہونہار طالب علم کے فوت ہوجانے پر کہا جائے کہ اگر یہ زندہ رہتا تو ایم اے کر لیتا۔ ظاہر ہے یہ فقرہ اسی صورت میں کہا جائے گا جب ایم اے کی ڈگری مل سکتی ہو۔ مگر ہونہار طالب علم فوت ہوجانے کے باعث حاصل نہ کر سکے۔

* ۔جلیل القدر امام حضرت ملا علی قاری وفات 1014ھ فرماتے ہیں:

''یعنی اگر صاحبزادہ ابرہیمؑ زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے اور اسی طرح حضرت عمرؓ نبی بن جاتے تو آنحضرت ﷺ کے متبع یا اُمتی نبی ہوتے۔ جیسے عیسیٰ، خضر، الیاس علیہ السلام ہیں اور یہ صورت خاتم النبین کے خلاف نہیں ہے کیونکہ خاتم النبین کے تو یہ معنی ہیں کہ اب آنحضرت ﷺ کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کا اُمتی نہ ہو۔

(موضوعات کبیر 59)

* ۔اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ صحابہؓ کو مخاطب کرکے فرماتی ہیں:

قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ۔

(درمنثور جلد 5 صفحہ 204)

اے لوگوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء تو ضرور کہو مگر یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہ آئے گا۔

* ۔حضرت امام طاہرؒ (وفات 986ھ):

حضرت امام صاحب مصنف مجمع البحار لکھتے ہیں یعنی حضرت عائشہؓ نے جو یہ فرمایا کہ اے مسلمانو! تم آنحضرت ﷺ کے متعلق ''خاتم النبین'' کے الفاظ تو بیشک استعمال کیا کرو لیکن لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ کے الفاظ استعمال نہ کیا کرو۔ یہ بات لا نبی بعدی کے مخالف نہیں کیونکہ لا نبی بعدی فرمانے سے حضور ﷺ کی مراد یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

(تکملہ مجمع البحا صفحہ 85)

* ۔رئیس الصُوفیا حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ وفات 638ھ):

تصوف کے امام حضرت ابن عربی لکھتے ہیں: ترجمہ: وہ نبوت جو آنحضرت

ﷺ کے آنے سے ختم ہوئی ہے۔ وہ صرف شریعت والی نبوت ہے نہ کہ مقامِ نبوت۔ پس اب ایسی شریعت نہیں آسکتی جو آنحضرت ﷺ کی شریعت کو منسوخ قرار دے یا آپ کی شریعت میں کوئی حکم زائد کرے۔ یہی معنی اس حدیث کے ہیں کہ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی ہے۔ میرے بعد نہ رسول ہے نہ نبی یعنی کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا۔ جو ایسی شریعت پر ہو جو میری شریعت کے خلاف ہو بلکہ جب کبھی نبی آئے گا تو وہ میری شریعت کے تابع ہوگا۔

(فتوحات مکیہ جلد 2 صفحہ 3)

* ۔حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ (وفات 673ھ) فرماتے ہیں:

فکر کن درراہ نیکو خدمتے ** تا نبوت یابی اندر اُمتے

پھر فرمایا:

بہر ایں خاتم شداست او کہ بجُود ** مثل اونے بُود نے خواہند بُود

یعنی آپ خاتم اس لئے ہوئے کہ آپ بے مثل ہیں۔ فیض روحانی کی بخشش میں آپ جیسا نہ کوئی پہلے (نبی) ہوا ہے اور نہ آئندہ آپ جیسے ہوں گے۔

چونکہ درصنعت برداستاد دست ** تو نہ گوئی ختمِ صنعت برتو است

ترجمہ: جب کوئی استاد صنعت اور دستکاری میں کمال پیدا کرتا ہے اور سبقت لے جاتا ہے تو کیا تو یہ نہیں کہتا کہ اے استاد! تجھ پر صنعت اور دستکاری ختم ہے۔ تجھ جیسا کوئی صنعت گر اور دستکار نہیں ہے۔ پھر فرمایا:

درکشادِ ختمہا تو خاتمی ** درجہانِ روح بخشاں حاتمی

اے مخاطب مثنوی جس طرح اعلیٰ درجہ کے کاریگر کو تو کہتا ہے تو تجھ پر کاریگری اور دستکاری کا فن ختم ہے۔ اسی طرح تو آنحضرت ﷺ کو مخاطب ہو کر کہہ سکتا ہے کہ بندشوں اور رکاوٹوں کے ہٹانے اور عقدہ ہائے لاینحل کے حل کرنے میں تو خاتم یعنی بے مثل او یگانہ روزگار ہے اور روحانیت عطا کرنے والوں کی دُنیا میں تو خاتم کی طرح لاثانی ہے۔

(فتوی مولانا روم دفتر ششم صفحہ 8 مطبع نول کشور 1916ء)

* ۔حضرت امام عبدالوہاب شعرانی (وفات 976ھ): فرماتے ہیں۔

ترجمہ: کہ یادرکھو کہ مطلق نبوت نہیں اُٹھی اور صرف شریعت والی نبوت بند ہوئی ہے۔ (الیواقیت والجواہر جلد 2 صفحہ 2)

فرماتے ہیں: ترجمہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت تشریعی بند ہوگئی اور آنحضرت ﷺ خاتم النبین قرار پا گئے کیونکہ آپ ایسی کامل شریعت لے آئے جو اور کوئی نبی نہ لایا۔

(الانسان الکامل جلد 1 صفحہ 98 مطبوعہ مصر)

* ۔حضرت شاہ ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی وفات 1176ھ)

تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے خاتم النبین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے شریعت دے کر مامور کرے۔ یعنی نئی شریعت لانے والا نبی نہ ہوگا۔

(تفہیمات الٰہیہ جلد 2 صفحہ 72 مطبوعہ بجنور)

* ۔حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ وفات 1032ھ)

فرماتے ہیں: ترجمہ: خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبعوث ہونے کے بعد خاص متبعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بطور وراثت کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا آپ کے خاتم الرسل ہونے کے منافی نہیں ہے۔ یہ بات درست ہے۔ اس میں شک مت کرو۔

(مکتوب 301 صفحہ 432 جلد اول مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ)

* ۔حضرت نواب صدیق حسن خاں وفات 1307ھ:

فرماتے ہیں: لا نبی بعدی آیا ہے جس کے معنی نزدیک اہل علم کے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ (یعنی پہلی شریعت منسوخ کر کے نئی شریعت) لے کر نہیں آئے گا۔ اقتراب الساعۃ۔

* ۔حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوٴ وفات 1308ھ: فرماتے ہیں:

بعد آنحضرت ﷺ کے یا زمانے میں آنحضرت ﷺ کے مجرد کسی نبی کا آنا محال نہیں بلکہ نئی شریعت والا البتہ ممتنع ہے۔

(دافع الوساوس فی اثر ابن عباس نیا ایڈیشن صفحہ 16)

* ۔حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں:

(ا) ''سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ فرمایا اس صورت میں

کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ (تحذیر الناس صفحہ 3)

(ب) ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (صفحہ 28)

ان متعدد حوالوں سے یہ بات عیاں ہے کہ امتِ مسلمہ آیت خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی کا مفہوم یہی سمجھتی رہی ہے کہ:

1۔آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نئی شریعت لانے والا اور آنحضرت ﷺ کی شریعت کو منسوخ کرنے والا نہیں آسکتا۔

2۔آنحضرت ﷺ کے بعد اُمتی نبی کے آنے میں روک نہیں۔ اُمتی نبی کے پیدا ہونے سے خاتمیت محمدیہؐ میں کوئی فرق نہیں آسکتا کیونکہ ایسا نبی شریعت محمدیہ کے ماتحت ہوگا۔

جماعت احمدیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

(الف) صرف اس نبوت کا دروازہ بند ہے جو احکام شریعت جدیدہ (یعنی نبی شریعت) ساتھ رکھتی۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 177)

(ب) بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمتی ہو۔

(تجلیات الٰہیہ صفحہ 26)

*۔بانی جماعت احمدیہ جناب مرزا صاحب تحریر کرتے ہیں:

قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کا نام خاتم النبیین رکھ کر اور حدیث میں خود آنحضرت ﷺ نے لا نبی بعدی فرما کر اس امر کا فیصلہ کر دیا تھا کہ کوئی نبی نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے آنحضرت ﷺ کے بعد نہیں آسکتا۔

(کتاب البریہ حاشیہ صفحہ 185)

*۔مولانا عبدالماجد دریابادی کی تصریح فرماتے ہیں:

جہاں تک میری نظر سے خود بانیٔ سلسلہ احمدیہ جناب مرزا صاحب مرحوم کی تصنیفات گذری ہیں ان میں بجائے ختم نبوت کے انکار کے اس عقیدہ کی خاص اہمیت مجھے ملی ہے۔

اسی معنی میں ہر مسلمان ایک آنے والے مسیح کا منتظر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں۔ پس اگر احمدیت وہی ہے جو خود حضرت مرزا صاحب مرحوم بانی سلسلہ کی تحریروں سے ظاہر ہوتی ہے تو اسے ارتداد سے تعبیر کرنا بڑی ہی زیادتی ہے۔

(منقول از الفضل 21 مارچ 1925ء)

آخر میں جناب مرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ کے چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔ قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ وہ کس محبت کس خلوص، کس عقیدت اور کس یقین و وثوق سے سید ولد آدم حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور آپ سے تعلق قائم کئے بغیر صراطِ مستقیم کا دعویٰ کرنے والے کو مردود قرار دیتے ہیں۔

(ا) ”وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیا، فخر المرسلین جناب محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتدائے دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔ (اتمام الحجۃ صفحہ 28)

(ب) اگر میں آنحضرت ﷺ کی اُمت میں سے نہ ہوتا اور آپ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دُنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی کبھی شرف مکالمہ و مخاطبہ ہرگز نہ پاتا

(تجلیات الٰہیہ صفحہ 13)

(ج) ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراطِ مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی ﷺ کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا...کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزت وقرب بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی ﷺ کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ (ازالہ اوہام صفحہ 138)

(د) میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے بعد یہ دعوی کرے کہ میں مستقل طور پر بلا استفاضہ آنحضرت ﷺ سے مامور ہوں اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہوں تو مردود اور مخذول ہے۔ خدا تعالیٰ کی ابدی مہر لگ چکی ہے۔ اس بات پر کہ کوئی شخص وصول الی اللہ کے دروازہ سے آ نہیں سکتا۔ بجز اتباع آنحضرت ﷺ۔

(الحکم 31 مئی 1902)

*۔میرا سوال:

علماء کرام اور مجلس ختم نبوت جواب دیں کہ آیا وہ ان بزرگان امت کو جن کی

فہرست دی گئی ہے ختم نبوت کا منکر سمجھتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر انہوں نے جماعت احمدیہ کو کیوں منکر ختم نبوت قرار دے رکھا ہے جبکہ جماعت احمدیہ آیۃ خاتم النبین اور حدیث ''لا نبی بعدی'' کی وہی تشریح کرتی ہے جو ان بزرگان امت نے کی ہے۔

اسی معنی میں ہر مسلمان ایک آنے والے مسیح کا منتظر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں۔ پس اگر احمدیت وہی ہے جو خود حضرت مرزا صاحب مرحوم بانی سلسلہ کی تحریروں سے ظاہر ہوتی ہے تو اسے ارتداد سے تعبیر کرنا بڑی ہی زیادتی ہے۔

(منقول از الفضل 21 مارچ 1925ء)

آخر میں جناب مرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ کے چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ وہ کس محبت یا کس خلوص، کس عقیدت اور کس یقین و وثوق سے سید ولد آدم حضرت محمد صلعم کو خاتم النبین مانتے ہیں اور آپ سے تعلق قائم کئے بغیر صراطِ مستقیم کا دعویٰ کرنے والے کو مردود قرار دیتے ہیں۔

(1) ''وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء فخر المرسلین جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اے پیارے خدا اس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتدائے دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔

(اتمام الحجۃ صفحہ 28)

(ب) اگر میں آنحضرت ﷺ کی اُمت میں سے نہ ہوتا اور آپ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دُنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی کبھی شرف مکالمہ و مخاطبہ ہرگز نہ پاتا۔

(تجلیات الٰہیہ صفحہ 13)

(ج) ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراطِ مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی صلی اللہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا...کوئی مرتبہ شرف و کمال کا اور کوئی مقام عزت و قرب بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔

(ازالہ اوہام صفحہ 138)

(د) میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ میں مستقل طور پر بلا استفاضہ آنحضرت ﷺ سے ماور ہوں اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہوں تو مردود اور مخذول ہے۔ خدا تعالیٰ کی ابدی مہر لگ چکی ہے اس بات پر کہ کوئی شخص وصول الی اللہ کے دروازہ سے آ نہیں سکتا۔ بجز اتباع آنحضرت ﷺ۔

(الحکم 31 مئی 1902)

میرا سوال:

علماء کرام اور مجلس ختم نبوت جواب دیں کہ آیا وہ ان بزرگان امت کو جن کی فہرست دی گئی ہے ختم نبوت کا منکر سمجھتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر انہوں نے جماعت احمدیہ کو کیوں منکرِ ختم نبوت قرار دے رکھا ہے جبکہ جماعت احمدیہ آیت خاتم النبین اور حدیث ''لا نبی بعدی'' کی وہی تشریح کرتی ہے جو ان بزرگان اُمت نے کی ہے۔

جب جماعت احمدیہ ختم نبوت کی وہی تشریح کرتی ہے جو بزرگان صلف نے کی ہے تو کیا انہوں نے اس بات کی جسارت کی ہے یا کر سکتے ہیں کہ وہ تمام اکابر گذشتہ پر بھی کوئی فتویٰ صادر کریں؟ کفر ارتداد کا نہ سہی جہالت و ضلالت کا ہی سہی؟

یہ کیسا عجیب اندھیر ہے کہ جو بات ان کے مسلم مقتدا و پیشوا کہیں تو وہ مسلم بلکہ امام المسلمین اور وہی بات ہم کہیں تو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد اور کافر؟

آخر میں ہمارے دل کی آواز حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی جماعت احمدیہ کے ان اشعار میں پیش خدمت ہے۔

هم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدام ختم المرسلینؐ
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک راہ احمد مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قربان ہے

*****



پاکستان کے شہرہ آفاق تخلیقی ادیب، شاعر اور دانشور
جماعت احمدیہ کے سپوت، محترم راجہ غالب احمد صاحب



منور علی شاہد

اللہ تعالی نے لاہور کی جماعت میں خلافت کے ساتھ انتہا کی وفا اور محبت کرنے والی شخصیات پیدا کی ہیں جن کی خلیفہ وقت، خلافت اور نظام سلسلہ سے عقیدت زبان زد عام ہے۔ لاہور کے ایسے ہی مخلصین میں مکرم و محترم راجہ غالب احمد صاحب کی شخصیت بھی شامل ہے۔ آپ ایسے پاک اور نیک وجودوں میں سے تھے جو حقیقی معنوں میں خلیفہ وقت کے سلطان نصیر، جماعتی تعلیمات کا عملی نمونہ، ہمیشہ تقوی کی راہوں پر چلنے والے، نظام جماعت کے کامل اطاعت گزار اور اپنے قول و فعل کے ساتھ اس کی حفاظت کرتے کرتے زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہو کر دوسروں کے لیے شعل راہ بن جانے والے ہوتے ہیں۔ آپ نے 14 جون 2016ء کو 88 برس کی عمر میں لاہور میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مکرم امیر صاحب لاہور نے آپ کی نماز جنازہ بیت النور ماڈل ٹاؤن لاہور میں پڑھائی جنازے کے بعد آپ کا جسد خاکی ربوہ لایا گیا جہاں نماز عصر کے بعد مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلی و امیر مقامی ربوہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ دار الفضل میں تدفین کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب موصوف نے ہی دعا کرائی۔ (روزنامہ الفضل ربوہ 8 جون 2016ء صفحہ 8) حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ 17 / جون 2016ء میں مکرم راجہ غالب احمد صاحب کے بارے میں ان کے خاندانی تعارف اور خدمات دینیہ کا ذکر کیا اور فرمایا: ''ان کے والد حضرت راجہ علی محمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ انہوں نے 1905ء میں بیعت کی اور سلسلہ احمدیہ میں شمولیت اختیار کی۔ ان کے والد کو قادیان میں بطور ناظر مال اور ناظر اعلی خدمت کی توفیق ملی۔ راجہ غالب صاحب کے نانا ملک برکت علی صاحب تھے اور حضرت ملک عبد الرحمن خادم صاحب جو خالد احمد بیت تھے آپ کے ماموں تھے۔۔ 1974ء کے بعد آپ کو بطور ترجمان جماعت احمدیہ کئی بار پریس کانفرنسیں اور پریس ریلیز میں اور بیانات جاری کرنے کا موقع ملا مخطوط لکھنے والے تھے۔ اخبارات کو ذاتی بیان دینے کا موقع ملا۔

1992 تا 97ء ڈائریکٹر فضل عمر فاؤنڈیشن۔ 74 تا 85ء ڈائریکٹر وقف جدید اور اس کے علاوہ نائب صدر ناصر فاؤنڈیشن بھی رہے۔ بڑے سادہ مزاج اور بڑے دھیمے مزاج کے تھے۔ خلافت سے ان کا بڑا تعلق تھا اور جماعتی عہدیداروں کی بھی بڑی عزت اور احترام کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالی ان سے مغفرت کا سلوک فرمائے۔ درجات بلند کرے۔ ان کی اولاد نہیں تھی۔ ان کی ایک لے پالک بیٹی تھی۔ اللہ تعالی اس کو بھی صبر اور حوصلہ عطا فرمائے۔'' (مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 8 / جولائی 2016 صفحہ 8) خاکسار کی حیثیت نہیں ہے کہ ان جیسی شخصیت پر اظہار کروں لیکن مدعا محض یہی ہے کہ آپ کا ذکر خیر ہو جاوے اور احباب آپ کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے دعائیں کریں اور ان کی خدمات کو نئی نسل کے سامنے رکھا جائے۔ رابطہ پریس کمیٹی کے قیام سے پہلے ہی آپ بے انتہا خدمت کی توفیق پا چکے تھے۔ آپ کی جماعتی خدمات کا سلسلہ بہت طویل اور وسیع ہے، سیکرٹری تعلیم کے علاوہ آپ لمبا عرصہ تک جماعت احمدیہ لاہور کے جنرل سیکرٹری رہے تھے۔ آپ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، فرشتہ صفت انسان تھے، عاجزی اور انکساری کا پیکر تھے۔ مرکز، سلسلہ اور خلافت سے وفاء محبت اور وفا کا گہرا تعلق تھا، آپ ایک صائب الرائے اور منکسر المزاج انسان تھے۔ آپ ایک دانشور، شاعر، لکھاری اور بہترین نقاد تھے۔ بہت سے قومی اخبارات و جرائد میں آپ کی تحریریں اور نظمیں شائع ہوتی رہیں۔ انگریزی زبان میں بھی آپ نے انسانی حقوق کے موضوع پر لکھا ہے۔ آپ کے کلاس فیلوز اور رفقائے کار میں حنیف رامے سابق وزیر اعلی پنجاب، احمد ندیم قاسمی، انتظار حسین، شہزاد احمد، صوفی تبسم اور ڈاکٹر نذیر احمد شامل تھے۔ آپ نے ادب کی دنیا میں بہت محترم مقام پایا تھا۔

جماعت سے باہر آپ کے وسیع رابطے تھے جن میں نامور کالم نگار، ادیب، شاعر، سیاست دان شامل تھے جو آپ کا عزت واحترام کرتے تھے۔

اب خاکسار مکرم راجہ غالب احمد صاحب کے حالات زندگی پر ایک نظر ڈالتا ہے۔آپ 1928ء میں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے تھے۔سنٹرل ماڈل سکول لاہور سے میٹرک کیا، قادیان سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ 1951ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے نفسیات فرسٹ پوزیشن کے ساتھ پاس کیا اور یونیورسٹی میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ یونیورسٹی میں لکھے گئے ان کے مقالے کا عنوان" مشرق وسطی میں ختنہ کا رواج" تھا جو بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہوا۔اس مقالے کے حوالے سے محترم راجہ صاحب نے ایک واقعہ کا خاکسار سے مختلف مواقع پر کئی بار ذکر کیا جس کا یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔محترم راجہ صاحب کے مطابق ان کا لکھا مقالہ جب قاہرہ مصر کی یونیورسٹی میں بھیجا گیا تو وہاں سے انہوں نے صد فیصد نمبر لگائے۔ پنجاب یونیورسٹی انتظامیہ نے واپس بھیجا کہ دوبارہ چیک کر میں شاید غلطی لگ گئی ہے مصر سے پھر صد فیصد نمبر کے ساتھ مقالہ واپس آ گیا۔ اس پر پنجاب یونیورسٹی نے دوبارہ قاہرہ یونیورسٹی کو بھیجا اور لکھا کہ اس مضمون میں صد فیصد نمبر نہیں مل سکتے براہ کرم ایک دو نمبر کم کر میں۔اس پر قاہرہ یونیورسٹی نے جواب دیتے ہوئے کہا ایسا ممکن نہیں ہے، نمبر کم نہیں ہو سکتے البتہ بڑھ سکتے ہیں اور مقالہ واپس پاکستان بھیج دیا۔ غالب امکان یہی ہے کہ یہ پنجاب یونیورسٹی کا ریکارڈ ہے جو ابھی تک ٹوٹا نہیں آپ نے دس سال تک پاکستان ایئر فورس میں بطور سائیکالوجسٹ خدمات سرانجام دیں پھر محکمہ تعلیم میں ملازمت شروع کر دی اور کلیدی عہدوں پر کام کی توفیق پائی جن میں بطور سیکرٹری لاہور سیکنڈری بورڈ سرگودھا سیکنڈری بورڈ اور پھر چیئرمین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ گرانقدر خدمات شامل ہیں۔ 1974ء میں جب قومی اسمبلی کی طرف سے غیر مسلم قرار دینے کا سیاہ قانون پاس ہوا تو آپ کو جماعت مخالفت میں او ایس ڈی (OSD) بنا دیا گیا اور 1974ء سے 1988ء تک ایسے ہی رکھا گیا جو کہ مذہبی بنیاد پر کیے جانے والے امتیازی سلوک کا سیاہ باب ہے۔ بحیثیت ممبر جماعت احمد سے لاہور خاکسار بھی محترم راجہ غالب احمد صاحب سے بخوبی واقف تھا لیکن ان کے ساتھ باقاعدہ تعلق 2000ء میں قائم ہوا جب مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب امیر جماعت لاہور کی نگرانی میں مرکز کی منظوری و راہنمائی سے "رابطہ پریس کمیٹی" کی تشکیل ہوئی۔کمیٹی کے پہلے اجلاس میں جو لجنہ اماء اللہ کے دفتر دار الذکر میں منعقد ہوا تھا مکرم راجہ غالب احمد صاحب کو صدر کمیٹی مقرر کیا گیا اور عاجز کو سیکرٹری کی ذمہ داری سونپی گئی۔اس اجلاس میں ذیلی تنظیموں کے صدور کے علاوہ لاہور کے وکلاء اور دیگر صاحب علم اور سرکردہ احباب نے بھی شرکت کی تھی بعد کے سالوں میں کمیٹی کے اراکین میں حسب ضرورت ردوبدل ہوتا رہا تھا۔بحیثیت سیکرٹری ان کی رفاقت اور صحبت میں جہاں بہت کچھ سیکھا، وہیں خدمت دین کے مزید مواقع بھی میسر آئے۔خاکسار کو "شاہد" کہہ کر مخاطب ہوتے تھے اور میٹنگ میں ہوتے تو منور شاہد کہہ کر بات کرتے تھے۔مکرم امیر صاحب لاہور کی طرف سے کوئی بھی ہدایت ملتی تو مجھے فون پر بتا دیتے اور کبھی گھر بلا کر سمجھا دیتے اور بعد میں رپورٹ ضرور لیتے۔متعدد بار اہم رپورٹوں کے ساتھ خاکسار کو ربوہ بھی بھجوایا۔دارالذکر میں جمعہ کے دن ہمیشہ پہلی صفوں پر نماز جمعہ پڑھا کرتے۔ میں رپورٹوں اور دیگر خطوط پر دستخط کروانے یا کسی اور معاملے میں نماز جمعہ کے بعد وہیں ان سے مل لیا کرتا تھا۔سہ ماہی رپورٹ کو ناظر صاحب اعلیٰ وامیر مقامی کی خدمت میں (اس وقت حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ وامیر مقامی ربوہ تھے پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا جو بعد ازاں لندن بھی بھجوائی جاتی رہی۔ آپ نے اس دوران یہی بتایا اور سمجھایا کہ مرکز میں لکھتے وقت ہر لفظ اور سطر میں ادب واحترام کو محفوظ خاطر رکھنا چاہیے۔تمام عرصے میں خاکسار نے دیکھا کہ آپ خلافت سے گہرا عشق رکھتے تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سے بہت وفا کا تعلق تھا۔جسے خاکسار نے اس وقت بھی نوٹ کیا جب حضور ابھی ناظر اعلیٰ وامیر مقامی ربوہ تھے۔اسی طرح خاندان حضرت مسیح موعود کے ساتھ والہانہ عقیدت ان کی شخصیت میں نمایاں تھی۔خاندان حضرت مسیح موعود سے کوئی فرد لاہور تشریف لاتا تو آپ سے ضرور ملاقات ہوتی۔سب کے ساتھ بہت ہی محبت اور احترام کا تعلق میں نے دیکھا۔اسی طرح تمام مرکزی عہدیداران کا بہت احترام کرتے تھے۔ مجھے آپ نے کہہ رکھا تھا کہ مرکز سے جو بھی مہمان لاہور آئیں اور رابطے میں ہوں تو بغیر پوچھے گھر لے آیا کرو۔

چنانچہ خاکسار ایسا ہی کرتا اور محض فون کر کے آنے کی اطلاع کر دیتا۔ بہت سی سیاسی، ادبی اور صحافتی شخصیتوں کے ساتھ خاکسار کی ملاقاتیں آپ ہی کے توسط سے ہوئی تھیں ان میں منو بھائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کی رہائش ریوارز گارڈن میں تھی۔

مکرم راجہ غالب احمد صاحب اپنی فہم و فراست اور تدبر کے باعث جماعت کے اندر اور باہر ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ایک ایسا ہی واقعہ محترم اعجاز احمد صاحب (سابق قائد خدام الاحمدیہ ضلع لاہور) نے ان کے بارے میں لکھ کر بھیجا جس سے آپ کی شخصیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ دسمبر 1984ء میں حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب پاکستان تشریف لائے تو آتے ہی بیمار ہو گئے۔ جب حضرت چودھری صاحب کی بیماری لمبی ہوئی اور آپ صاحب فراش ہو گئے تو امیر صاحب لاہور نے ایک میٹنگ بلائی جس میں زیادہ تر وکلاء تھے۔ مکرم راجہ غالب احمد صاحب بھی میٹنگ میں موجود تھے۔ اس میٹنگ میں مکرم راجہ غالب احمد صاحب نے محترم امیر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ایک تجویز پیش کی کہ حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحب کی مسلم ممالک اور خاص طور فلسطین اور مقبوضہ کشمیر کے لئے بہت خدمات ہیں اب اگر حضرت چودھری صاحب گمنامی میں فوت ہو گئے تو وہ ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گے لہذا ہمیں پاکستان کے تمام اخبارات اور اسلامی سفارت خانوں کو ان کی علالت کے بارے میں خط لکھ دینے چاہئیں۔ محترم راجہ صاحب کے اس مشورے کو بہت سراہا گیا اور پھر امیر صاحب نے انہی (مکرم راجہ صاحب کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ خط تحریر کریں اور پھر اگلے دو دنوں میں وہ خط مکرم امیر صاحب لاہور کی طرف سے اسلامی ممالک کے سفارت خانوں اور قومی اخبارات کو ارسال کر دیے گئے حضرت چودھری صاحب کی علالت کی خبر کی اشاعت کے ساتھ ہی آپ کی خیریت معلوم کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ ان میں اسلامی ممالک کے سفراء، ملکی سیاست دان اور دیگر شخصیات شامل تھیں۔ بعد میں ضیاء الحق کو بھی عیادت کے لیے آنا پڑا۔ یوں مکرم راجہ صاحب کے ایک مشورے کے نتیجے میں حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی خدمات کا ایک بار پھر اقوام عالم میں چرچا ہوا۔ اسلامی اصول کی فلاسفی کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں لاہور میں مکرم امیر صاحب نے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی کے اجلاسات میں بھی آپ نے صائب مشورے دیے۔ کمیٹی نے دیگر تحقیقی کام کرنے کے علاوہ لاہور میں دو سیمینارز بھی منعقد کرائے گئے جس میں مرکزی اور مقامی صاحب علم احباب کی طرف سے ''جلسہ اعظم مذاہب'' کے بنیادی پانچ سوالات پر علمی و تحقیقی مقالے پیش کیے گئے۔ مکرم راجہ غالب احمد صاحب نے پہلے سیمینار منعقدہ مارچ 1996ء بمقام مسلم ٹاؤن لاہور میں ''جلسہ مذاہب عالم 1896ء ایک تعارف'' کے عنوان سے ایک سیر حاصل مقالہ پڑھا جس کا کئی ہفتوں تک لاہور جماعت میں چرچا رہا۔

مارچ 2005ء میں خاکسار لاہور میں منعقدہ دس روزہ ایشیائی انسانی حقوق کی ورکشاپ میں شریک تھا جس میں ایشیا کے 8 ممالک سے مختلف انسانی حقوق کی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے 35 مرد وخواتین شامل تھے۔ مکرم راجہ غالب احمد صاحب نے مرکزی اجازت سے انگریزی زبان میں جماعت کے پاکستان میں حالات اور مخلوط انتخاب کے بارے انتہائی مدلل تقریر کی اور شرکاء کو حقائق بتائے کہ کس طرح جماعت احمدیہ کو سیاسی حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ بعد میں شرکاء کی جانب سے سوالات بھی پوچھے گئے اس موقع پر مکرم حمید نصر اللہ خان صاحب امیر لاہور اور مرکزی نمائندہ بھی وہاں موجود تھے۔ ایم ٹی اے لاہور نے ریکارڈنگ بھی کی تھی۔ اگلے دن خاکسار کو راجہ صاحب کا فون آیا۔ آپ نے مجھے کہا کہ کوشش کرو کہ کانفرنس کے شرکاء کا دارالذکر کا بھی دورہ ہو جائے۔ خاکسار نے انتظامیہ سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ پینتیس افراد کی ٹرانسپورٹ اور بجٹ سے ہمارا شیڈول خراب ہوسکتا ہے لیکن اگر کمیونٹی بندوبست کر دے تو ہم شرکا کی مرضی پوچھ کر جانے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جب سب نے جانے کی رضامندی ظاہر کر دی تو پھر الحمدللہ 35 رکنی غیر ملکی مہمانوں کا وفد دورہ کے لیے دارالذکر پہنچا۔

2008ء میں مکرم راجہ صاحب علیل ہو گئے اور ان کا ایک آپریشن ہوا جس پر خاکسار نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اطلاع و دعا کی غرض سے فیکس کر دی۔ کچھ ہفتوں بعد حضور انور کی طرف سے اس کا جواب موصول ہوا۔ خط میں دعاؤں کے بعد تحریر تھا کہ ''میری طرف سے ان کی عیادت کریں اور

انہیں محبت بھرا اسلام پہنچائیں۔ خاکسار اس وقت راجہ صاحب کے گھر پہنچا اور حسب ارشاد عیادت کرنے کے بعد خط بھی پڑھنے کو دیا، جسے پڑھنے کے بعد آپ کے چہرہ پر اطمینان وسکون کی لہر پھیل گئی کہ خلیفہ وقت کی کیسی شفقت ہے جو الفاظ سے بھی ٹپکتی ہے۔

مکرم فخر صاحب مربی سلسلہ، لاہور میں بھی کچھ عرصہ تعینات رہے جو علمی اور قلمی پروگراموں میں بہت سرگرمی سے شامل ہوکرتے تھے۔ انہوں نے مکرم راجہ غالب احمد صاحب کے حوالے سے اپنی ملاقاتوں اور ان کی خدمات بارے جو کچھ خاکسار کو بتایا وہ درج ذیل ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ محترم راجہ غالب احمد صاحب بہت منکسر المزاج تھے اتنی خوبیوں پر انہوں نے بھی تمبر نہیں کیا اور بھی یہ باور نہیں کرایا کہ میں آفیسر رینک کا اتنا بڑا بندہ ہوں، بڑا ادیب ہوں۔ جب بھی میں ان سے ملنے گیا، انہوں نے گلبرگ میں اپنے گھر میں چہرہ پر کوئی شکن لائے بغیر مجھے ویلکم کیا۔ جب تک میں بیٹھا رہا، انہوں نے بھی اشارہ نہیں کیا کہ میں مصروف ہوں آپ جائیں اور میں نے ہی اجازت لی تو آپ اٹھے اور مجھے گیٹ تک تشریف لاکر الوداع کیا۔ 1990ء کی دہائی کے شروع میں ہم نے ''کاروان علم وآشتی'' کے نام سے ایک علمی تنظیم بنائی تھی جس کے تحت ہم اخبارات میں لکھا کرتے تھے۔ اس تنظیم کے خیال کو عملی جامہ پہنانے اور قواعد وضوابط لکھنے میں محترم راجہ غالب صاحب کا بہت کردار تھا آپ نے بہت محبت سے اس سارے میں میری راہ نمائی کی تھی۔ اسی طرح " کاروان علم واشتی“ کے زیر اہتمام کڑک ہاؤس میں مکرم چودھری محمد علی صاحب کے ساتھ ایک شام منائی گئی تھی۔ اس کی کامیابی میں محترم راجہ صاحب کا بہت کردار تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے 1990ء میں ''حقوق انسانیت'' کے حوالے سے ایک سال منانے کی تحریک فرمائی تھی۔ جس پر ہماری علمی وادبی تنظیم کے تحت ایک بڑا پروگرام ”ایوان محمود" ربوہ میں منعقد ہوا جس میں ایک ہزار سے زائد مقامی احباب نے شرکت کی تھی۔ لاہور سے محترم راجہ غالب احمد صاحب کے توسط سے منو بھائی کو ہم بذریعہ کار ربوہ لے کر آئے جنہوں نے پروگرام کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے اس میں شرکت کی۔ اس پروگرام میں مقالے پڑھنے والوں میں مکرم سید قمر سلیمان احمد صاحب اور مکرم عبدالسمیع خان صاحب بھی شامل تھے منو بھائی نے آخر پر اپنے صدارتی خطاب میں جماعت احمدیہ کی حقوق انسانی کے سارے میں خدمات پر خوشنودی کا اظہار کیا اور اس پروگرام کو بہت پسند کیا۔ اس پروگرام کی خبر میں جنگ اور نوائے وقت سمیت بڑے اخبارات میں شائع ہوئیں۔ اس سیمینار کی کارروائی اور اس کے بارے میں شائع ہونے والی خبروں کو بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح فلیٹیز ہوٹل لاہور میں ایک علمی نشست کروائی گئی جس کا عنوان'' آج کے دور میں لکھا پڑھا کون ہے؟'' رکھا گیا۔ اس پروگرام کے مہمان خصوصی حنیف رامے تھے، ان کے علاوہ منو بھائی، انتظار حسین، شہزاد احمد سمیت دیگر بڑی علمی وادبی شخصیات اور دانشور شامل تھے اور ہر ایک نے ایک سے بڑھ کر ایک انداز میں موضوع پر اظہار خیال کیا۔ پروگرام کے دوران محترم راجہ صاحب بھی منبر پر آتے اور اپنے مخصوص انداز میں مقررین کی باتوں کا مدلل اور موثر انداز میں جواب دیتے رہے اور مزے کی بات یہ تھی کہ آپ نے کسی کو موضوع سے ہٹنے کی اجازت نہیں دی اور اپنے میٹھے اور پر حکمت انداز میں پروگرام کو قابو میں رکھا۔ مزید یہ کہ ساحول کو گل وگلزار بنائے رکھا اور محفل کو بہت کامیاب بنایا۔ لاشبہ راجہ غالب صاحب ایک محفل، سٹیج اور میٹھی پر حکمت باتوں کے بندے تھے، گویا ماہر ابلاغیات تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک خوبی پیدا کر رکھی تھی کہ وہ کسی سے ڈرتے نہیں تھے۔

2013ء میں روزنامہ الفضل ربوہ کے قیام کو 100 سال پورے ہوئے تو اس حوالے سے ایک ''صد سالہ سوونیئر'' کی اشاعت کی گئی۔ مکرم راجہ غالب احمد صاحب کی مشاورت سے غیر احمدی صاحب علم افراد کی فہرست برائے انٹرویوز تیار کی گئی اور بعد ازاں انٹرویوز کیے گئے جو شائع بھی ہوئے۔ مکرم راجہ صاحب کا انٹرویو ان کے گھر میں مکرم فخر صاحب نے لیا تھا۔ خاکسار بھی اس موقع پر موجود تھا۔ اس انٹرویو میں آپ نے بتایا تھا کہ 1937ء میں قرآن پاک ختم کرنے پر ان کی تقریب آمین کی رپورٹ روزنامہ الفضل میں شائع ہوئی تھی۔ نیز یہ کہ راولپنڈی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بچپن میں آپ کو قاعدہ یسرنا القرآن کا سبق پڑھایا تھا۔

(روزنامہ الفضل ربوہ صد سالہ جوبلی سوونیئر 2013ء صفحہ 285)

لاہور میں پریس کمیٹی کو آپ کی شاعری کے مجموعہ کلام ''رخت ہنر'' کی اشاعت کے بعد اس کی تقریب رونمائی کرانے کی توفیق بھی ملی۔ کتاب کی اشاعت کے دوران بھی راجہ صاحب بار بار استفسار کیا کرتے اور اشاعت کے بعد اس تقریب کا انعقاد ان کی دلی خواہش تھی جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوری ہو گئی۔ یہ تقریب 30 اکتوبر 2008ء کو پنجاب انسٹیٹیوٹ آف لینگوئج آرٹ اینڈ کلچر قذافی سٹیڈیم لاہور میں منعقد ہوئی جس کی صدارت ملک کی معروف ادبی شخصیت اور نقاد انتظار حسین صاحب نے کی تھی جبکہ دیگر مقررین میں منو بھائی، اصغر ندیم سید، مسعود اشعر، حسن کاظمی، ڈاکٹر قاضی منور احمد اور پروفیسر عبد الکریم خالد شامل تھے جنہوں نے راجہ غالب احمد کی شاعری پر اظہار خیال کیا۔ احباب لاہور جماعت کی بڑی تعداد نے بھی تقریب میں شرکت کی۔ 28 مئی 2010ء کو دارالذکر پر حملے کے بعد آپ محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ پریس کانفرنس اور گورنر پنجاب کی آمد کے موقع پر ساتھ تھے۔ محترم راجہ غالب احمد صاحب نے اپنی اہلیہ کی وفات کا صدمہ بھی انتہائی صبر اور ہمت کے ساتھ برداشت کیا۔ اہلیہ کی وفات پر آپ بالکل اکیلے رہ گئے تھے۔ میں جب بھی ان کے گھر جاتا تو ان کو گہری سوچ میں پاتا۔ ان کے گھر پالے طوطے کی آواز سے ہی کسی اور کے ہونے کا پتہ چلتا تھا۔ انہی دنوں یہ ہدایت ملی کہ کوئی نہ کوئی ان کے پاس جا کر کچھ وقت گزارا کرے۔ ایک بار نصر اللہ بلوچ صاحب کے ہمراہ ان کو باہر لے گئے اور ریسٹورنٹ میں وقت گزارا اور آپ سے فیض حاصل کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی یادداشت میں بھی فرق پڑنا شروع ہو گیا تھا اور خاکسار کے لاہور چھوڑنے کے وقت (مئی 2013ء) میں ان کی یادداشت بہت متاثر ہو چکی تھی۔ آخری بار جب خاکسار ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے بھی پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کی لے پالک صاحبزادی نے بتایا تھا کہ اب وہ کسی کو نہیں پہچانتے۔ جرمنی پہنچ کر بھی ایک دو بار فون کیا لیکن پہچان نہیں سکے تھے۔ لیکن میں دوستوں سے ان کی خیریت دریافت کرتا رہتا تھا۔ اسی طرح آپ کی نظر بھی کمزور ہو گئی تھی لہذا جماعت کی طرف سے مکرم نصر اللہ بلوچ صاحب کو انہیں جمعہ کی نماز کے لیے دارالذکر لانے، لے جانے کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی جنہوں نے کئی سال تک یہ ذمہ داری احسن طریق سے نبھائی۔ میں جرمنی میں تھا جب مجھے مکرم راجہ غالب احمد صاحب کی وفات کی اطلاع ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کئی دن تک آپ کی وفات کے غم کے زیر اثر رہا۔ ہجرت کی کڑی آزمائشوں میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ اپنے پیاروں کے آخری دیدار سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی وفات پر تعزیت اور اظہار افسوس کا خط لکھا جس کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے۔ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیشہ ان پر اپنے پیار کی نظر میں ڈالتا رہے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو آمین۔''



خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ کیا ہے؟

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:

جواب: اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ میں نے انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ اور اپنی پیدائش کا جو حق ہے وہ ادا کرو۔ پہلی بات تو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ایمان بالغیب۔ ایمان بالغیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ، نمازیں قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نماز قائم کرو، تو دوسری اہم چیز عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد نمازوں کی ادائیگی ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں انسان جب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب ہوتا ہے۔ اس لیے سجدے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا قرب عطا کرے۔

جو تم سے مانگتا ہوں وہ دولت تمہیں تو ہو

اللہ سے کہو جو دولت میں تجھ سے مانگ رہا ہوں وہ تم ہی ہو۔ مجھے پیسہ نہیں چاہیے، مجھے دنیا نہیں چاہیے۔ مجھے تیرا قرب چاہیے۔ اور جب تیرا قرب مل جائے گا تو دنیا کی دولت بھی میری لونڈی بن جائے گی، میری غلام بن جائے گی اور دنیا کی سہولتیں بھی میری غلام بن جائیں گی۔ اور میری روحانیت بھی بڑھ جائے گی۔ تو پھر سجدے میں دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا کرے۔ ٹھیک۔

(الفضل انٹرنیشنل 4 دسمبر 2021ء)

حضرت حافظ نبی بخش صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(ادارہ)

مختصر تعارف

حضرت حافظ نبی بخش صاحبؓ ساکن موضع فیض اللہ چک ان معدودے چند خوش قسمت احباب میں سے تھے جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے حضور کے دعویٰ سے طویل عرصہ قبل بار بار حاضر ہونے اور فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ حضور آپ سے بے تکلف تھے۔ آپ کو ان ایام میں حضور کے سونے کے کمرہ یعنی بیت الفکر میں اس ارادہ سے سونے کا موقع ملتا تا تہجد کے لئے بیدار ہو سکیں۔ آپ کم عمر نوجوان ہی تھے کہ معدودے چند اشخاص کی طرح آپ کو بھی حضور ایک شخص کے لئے دعائیں کرنے اور خواب آئے تو بتانے کے لئے حضور فرماتے تھے چونکہ ابھی آپ بالکل کم عمر تھے اس وقت حضور کا آپ کو دعا کے لئے کہنا گویا حضور کی خدادادفراست کے مطابق آپ کی فطری رشد اور جبلی سعادت پر دلالت کرتا ہے۔ ایک دفعہ آپ کی امامت میں حضور نے نماز پڑھی تھی۔ اپنے گاؤں میں آپ بیعت کرنے والے تیسرے اور ضلع میں تینتیسویں فرد تھے۔ گویا السابقون الاوّلون میں سے تھے۔ آپ کے فرزند حضرت حکیم فضل الرحمن صاحب کو قریباً ایک ربع صدی تک مغربی افریقہ میں نہایت نامساعد حالات میں اعلائے کلمۃ اللہ کا موقع ملا۔ آپ کی نسل میں متعدد دیگر افراد کو خدمت دین کا موقع ملا اور مل رہا ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتی من یشاء

خاندانی حالات وولادت

حضرت حافظ نبی بخش صاحب کے والد ماجد حکیم کریم بخش صاحب کا وطن موضع فیض اللہ چک ضلع گورداسپور تھا۔ اس موضع کا ہر خاندان بالعموم اپنے کسی مورث اعلیٰ کے پیشہ کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ آپ کا خاندان ''حکیموں'' کے خاندان کے نام سے معروف تھا۔ اس خاندان کے کوئی مورث اعلیٰ غالباً ریاست جموں کشمیر میں شاہی حکیم رہ چکے تھے۔ بعد میں بھی اس کے افراد کا شتکاری کے ساتھ آپ طبابت کرتے تھے

آپ رقم فرماتے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ھوالناصر

چند باتیں میں اپنے حالات گزشتہ کی درج ذیل کرتا ہوں۔ تمہید کے طور پر یہ حروف بھی تحریر کر دینا مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ میرے والد صاحب حضرت حکیم کریم بخش صاحب مرحوم ومغفور موضع فیض اللہ چک تحصیل وضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے ان کی زندگی کا اکثر حصہ ملازمت محکمہ نہر میں گزرا جو پہلے پہل متفرق جگہوں میں مقیم رہے۔ آخرش ان کی تبدیلی امرتسر میں ہوئی۔ اس وقت ان کی جائے قیام خاص امرتسر ہوگئی۔ اس وقت شہر میں مولوی ابوعبیداللہ غلام علی صاحب قصوری......قصور سے ہجرت کر کے امرتسر میں مقیم ہو گئے تھے اور انہوں نے قصور سے اس لئے ہجرت کی تھی کہ ان کا مذہب اہلحدیث یا موحد تھا۔ قبر پرستی اور پیر پرستی وغیرہ سے ان کو بہت تنفر تھا اور باشندگان قصور اکثر قبر پرست اور پیر پرست تھے، اس لئے ان کا اور ان کا عقائد میں سخت اختلاف ہو گیا........حضرت والد صاحب مولوی صاحب کے پاس آنے جانے لگے اور ان کی صحبت سے رفتہ رفتہ عقائد سابقہ میں تبدیلی ہونے لگی۔ یہاں تک تبدیلی ہوگئی کہ باشندگان فیض اللہ چک ان کو وہابی کے لفظ سے پکارنے لگے۔ میں بھی اپنے والد صاحب کے پاس رہتا تھا اور حافظ محمد بخش صاحب جو کٹڑہ سفید(کٹڑہ بگیاں) میں مولوی صاحب موصوف کی مسجد میں مقیم تھے ان سے قرآن کریم پڑھتا اور حفظ کیا کرتا تھا مولوی صاحب موصوف خود درس قرآن کریم دیتے تھے جس میں میں شامل ہو کر قرآن شریف پڑھتا(تھا)۔

مولوی غلام علی صاحب کی صحت سے متاثر ہو کر رشوت ستانی وغیرہ سے بیزار

ہو کر حضرت والد صاحب نے ملازمت چھوڑ دی اور ایک شخص نامی شیخ بڈھا صاحب جو امرتسر میں چمڑے کی آڑھت کرتے تھے۔ ان کے ہاں یہی کھاتا لکھنے کی ملازمت اختیار کر لی اور محض حصول رضائے خدا اور روزی حلال کمانے کی خاطر ایک اچھی آمدنی کی جگہ چھوڑ کر معمولی سے گزارہ والی جگہ اختیار کر لی۔ میں قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد فیض اللہ چک میں آ کر منڈی کرال میں جو کہ فیض اللہ چک سے قریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے پرائمری سکول میں داخل ہو گیا۔

یہ چند حروف اس لئے لکھے ہیں کہ بتلایا جائے کہ میں....اپنے والد صاحب کے پاس رہنے اور مولوی غلام علی (صاحب) کی صحبت میں رہنے اور ان سے قرآن شریف پڑھنے کے باعث بچپن میں ہی شرک و بدعت سے ایسا بیزار اور مستقر ہو گیا تھا کہ اگر کوئی شخص ایسی بات یا حرکت کرتا جس میں شرک و بدعت کی بو محسوس کرتا تو میں اسے سننا یا دیکھنا پسند نہ کرتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے شرک و بدعت کی جڑ میرے دل سے بچپن میں اکھاڑ دی (تھی)۔

حضرت اقدس علیہ السلام کا ذکر سننا اور پھر بے تکلفانہ ملاقاتیں جاری ہونا

کیونکر حضرت اقدس کا ذکر آپ نے سنا اور شوق بلکہ عشق پیدا ہوا اور پھر والہانہ اور بے تکلفانہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو کر بہت بڑھا۔ اس وقت حضور کے پاس دو تین اصحاب ہی ہوتے تھے۔ حضور کے کمرہ میں ہی حافظ صاحب یا حافظ صاحب اور آپ کے ساتھی حافظ نور محمد صاحب سوتے تا تہجد کا موقع پا سکیں۔ جو چیز چاہتے بے تکلفی سے طلب کر لیتے۔ سیر کے لئے حضور دریافت فرما لیتے کہ کدھر کو جائیں اور عرض کرنے پر کہ مواضعات رجادہ یا تتلہ کی طرف جائیں تو فرماتے کہ اس کا مطلب یہ اپنے گاؤں کو چلے جائیں۔ اپنے سپرد گائے کا چارہ ایک یا زیادہ دن کا آپ گھر میں جمع کر کے حضور کی صحبت پاک سے مستفیض ہونے کے لئے دربار پر حاضر ہو جاتے۔ حضرت اقدس کے اس عاشق صادق کی باتیں اسی کی قلم سے سنیے۔ آپ لکھتے ہیں:

ان ایام میں میرے تایا صاحب قادر بخش صاحب تحصیل بٹالہ میں ملازم تھے اور وہ قادیان میں سرکاری کاموں کے واسطے اکثر جایا کرتے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے ملتے تھے کھانا بھی حضور ہی اندر سے ان کے

فیض خلافت

(عبدالسلام اسلام)



خدا تک پہنچنے کا زینہ یہی ہے
فلک کا زمیں پر خزینہ یہی ہے
کچلتا ہے طوفانِ باطل کو ہر دم
سنو! دینِ حق کا سفینہ یہی ہے

۞۞۞۞۞۞۞

واسطے لاتے تھے۔ جب بھی تایا صاحب فیض اللہ چک جاتے تو حضور کا ذکر نہایت اخلاص اور محبت سے کرتے اور بڑی شد و مد سے حضور کے اخلاق حسنہ کا ذکر کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ میرے دل میں حضور کی زیارت کا شوق بلکہ حضور کے لئے ایک عشق پیدا ہو گیا اور دل چاہنے لگا کہ اڑ کر بھی حضور کی زیارت کروں۔ حتی کہ میں قادیان پہنچا اور حضور سے ملا اور ایک رات قادیان ٹھہر کر واپس فیض اللہ چک چلا گیا اس کے بعد دل میں ایک تڑپ سی رہنے لگی اور جب تک حضور کی زیارت نہ کر لیتا چین نہ آتا۔"

"حضرت حافظ حامد علی صاحب مرحوم خادم حضور پُرنور میرے قادیان جانے سے پہلے حضور کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے۔ میں ان کے ذریعہ حاضر حضور ہوا تھا۔ حافظ صاحب مرحوم موضع تھہ غلام نبی کے رہنے والے تھے اور میرے رشتہ داروں میں سے تھے۔"

پہلی دفعہ کی حاضری کے بعد میری آمد و رفت کا راستہ کھل گیا کیونکہ میں نے حضور کے اخلاق حمیدہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر پائے جو ہمارے تایا صاحب بتلاتے تھے۔ حتی کہ میں یقین کرنے لگا کہ حضور مجھ سے کسی پر زیادہ شفقت نہیں کرتے۔ پھر میں اور حافظ نور محمد صاحب جو فیض اللہ چک کے ہی رہنے والے تھے مل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اور وہاں ٹھہرتے مسجد مبارک کی شمال کی طرف جو چوبارہ ہے جس کا نام بیت الفکر ہے اس کے مشرقی دروازے کے سامنے ایک تخت پوش چوبی رکھا ہوا تھا اس پر میں اور جو کوئی مہمان بھی ہوتا

بیٹھ کر کھانا کھاتے اور حضرت اقدس کھانا اندر سے اپنے دست مبارک سے لا کر ہم مہمانوں کے آگے رکھتے اور خود بھی شامل ہو جاتے۔''

ایک چھوٹی چائے دانی بیت الفکر میں موجود رہتی اور قہوہ تیار رہتا اور پاس ہی مصری پڑی رہتی۔ میں دن میں تین دفعہ چاہتا قہوہ پی لیتا۔ حضور فرماتے اور پیو (اور پیو ایک چھوٹی چار پائی بھی بیت الفکر میں موجود رہتی تھی۔)

حضور ہر قسم کا پھل موسم کے لحاظ سے منگوایا کرتے تھے۔ مثلاً خربوزہ بیٹ سے منگواتے اور آم (کافی مقدار میں) دریا کے پار سے اور مہمانوں کو کھلاتے۔ بعض اوقات جب میں بھی خدمت میں حاضر ہوتا تو خربوزہ اپنے دست مبارک سے کاٹ کر دیتے اور مجھے نہایت شفقت اور محبت سے بار بار تبسم سے فرماتے کہ دیکھو میاں نبی بخش یہ خربوزہ بہت میٹھا ہوگا۔ اس کو کھاؤ (اور آپ بھی کھاتے) آموں کے موسم میں جب میری موجودگی میں آم باہر سے آتے تو اپنے دست مبارک سے ٹوکرے میں سے چن چن کر نہایت محبت و شفقت سے) مجھے دیتے اور (بار بار) فرماتے کہ (میاں نبی بخش) یہ آم تو ضرور میٹھا اور مزیدار ہوگا۔ اس کو کھائیں۔ (خود بہت کم کھاتے) میں اپنے نفس میں شرمندہ ہوتا کہ حضور اس قدر تکلیف مجھ ناچیز کی خاطر اٹھاتے ہیں مگر ساتھ ہی شرم کے مارے زبان سے کچھ نہ بولتا۔

حافظ نبی بخش صاحب بیان کرتے ہیں:۔

حضور اقدس اکثر ٹہلتے رہے اور نصیحت آمیز باتیں فرماتے رہتے۔ میری عادت زیادہ ہنسنے کی تھی حضور ویسے تو میرا نام لے کر کچھ نہ کچھ فرماتے۔ ویسے ہنسنے کی عام باتوں میں ممانعت فرماتے۔

حضور نماز عشا سے فارغ ہو کر جب سونے کے لئے بیت الفکر میں تشریف لے آتے تو بعض دفعہ جب میرا اپنا دل ریوڑیاں کھانے کو چاہتا تو میں خود ہی اونچی آواز سے کہہ دیتا کہ حضور حافظ نور محمد صاحبؓ ریوڑیاں کھائیں گے۔ حافظ صاحب بھی وہاں موجود ہوتے مگر بیچارے کچھ نہ بولتے۔ حضور میری عرض سنتے ہی حافظ حامد علی صاحب کو آواز دیتے اور فرماتے کہ میاں حامد علی بازار سے ریوڑیاں لاؤ مگر کڑاکے دار لانا۔ حافظ صاحب فوراً تعمیل ارشاد کرتے اور ریوڑیاں لے آتے۔ حضرت اقدس اپنے دست مبارک سے نہایت خندہ پیشانی سے ہمیں ریوڑیاں دیتے اور خود بھی کچھ کھاتے۔

''جب کبھی میں سردی کے موسم میں اکیلا حاضر ہوتا تو اسی بیت الفکر میں ایک تخت چوبی شمالی دیوار کے پاس بچھا ہوتا۔ میں خود ہی عرض کر دیا کہ حضور میں اس پر ہی سوؤں گا اور اس سے میری غرض یہ ہوتی تھی کہ میں دیکھوں کہ حضور رات کو کس وقت جاگ کر نماز میں مصروف ہوتے ہیں۔ اسی بیت الفکر میں اس تخت پوش کی پائنتی کی طرف ایک چار پائی تھی جس پر حضور رات کو اور صبح کی نماز کے بعد استراحت فرماتے (حافظ حامد علی صاحب بھی وہاں ہوتے تھے۔)....... جب بھی میری آنکھ کھلتی تو میں حضور کو اسی تخت پوش کے ایک طرف) نماز میں ہی مشغول پاتا اور عجیب بات یہ ہے کہ حضور میرے پاس ہی نماز گزارتے اور مجھے بھی نہ جگاتے۔ (اور نہ ہی یہ فرماتے کہ) ایک طرف ہو جاؤ۔ کبھی بھی ہم لوگ مسجد مبارک کے فرش پر لیٹتے تھے۔''

''ایک دفعہ میں قادیان میں حاضر ہوا تو مجھے وہاں تین چار دن ٹھہرنا پڑا۔ میرے پاس ایک گائے ہوتی تھی۔ میں اس کے لئے صرف ایک دو دن کا چارہ جمع کر کے چھوڑ آیا تھا۔ چار دن کے بعد جب میں نے واپس جانے کی اجازت چاہی اور ساتھ ہی گائے کا ذکر کیا تا اس کی وجہ سے مجھے اجازت مل جائے تو اس وقت حضور نے حافظ نور محمد صاحب کو جو بھی پاس موجود تھے تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی گائے بھی بنی اسرائیل کی گائے کی طرح ہوگئی۔

بیعت

آپ نے 10 مارچ 1890ء کو بیعت کر کے داخل سلسلہ ہونے کا شرف پایا۔ رجسٹر بیعت میں اس تاریخ میں آپ کا اندراج یوں ہے آپ کا نمبر 181 (ایک سو اکیاسی) ہے۔

''شیخ نبی بخش ولد شیخ کریم بخش ساکن فیض اللہ چک ضلع گورداسپور پیشہ ملازمت بالفعل چوکیدار ہے۔''

اپنے گاؤں میں آپ تیسرے مبائع تھے۔ دوسری بیعت تقریباً پونے چھ ماہ قبل 21 ستمبر 1889ء کی حافظ نور محمد صاحبؓ کی تھی۔ حافظ نبی بخش صاحب کی بیعت ضلع میں تینتیسویں نمبر پر اور کل مبایعین میں ایک 181 ویں نمبر پر تھی۔ یہ عظیم سعادت تھی جو آپ کو عطا ہوئی تھی۔ سچ ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بعض دیگر روایات

بعض دیگر روایات یہاں درج کی جاتی ہیں۔آپ بیان فرماتے تھے۔

"(حضور کا رنگ گندم گوں، سرخی مائل، داڑھی لمبی گھنی، سر کے بال لمبے کانوں تک، قد متوسط، چہرہ پر مسکراہٹ، کرتہ بٹن والا، سیدھا گریبان، کھلے پائنچوں والا پاجامہ، جوتی دیسی ساخت کی سرخ کھال کی، پگڑی اکثر ٹسری سفید، کلاہ نہیں ہوتا تھا۔کوٹ لمبا سادہ گرم ہو یا سرد۔ جمعہ کے لئے تشریف لے جاتے تو کپڑوں میں خوشبو لگی ہوتی۔ میں نے پیچھے سے پکڑ کر کئی دفع شملہ چہرہ سے ملا۔ ایک دفعہ ذرا زیادہ زور سے کھینچا۔ اس پر حضور نے مڑ کر دیکھ لیکن ذرا ناراض نہ ہوئے۔"

بیعت لیتے وقت ایک شخص کا ہاتھ ہاتھ میں لیتے۔ اگر باقی لوگ تھوڑی تعداد میں ہوتے تو وہ اس شخص کے کندھوں وغیرہ پر ہاتھ رکھتے۔ اگر زیادہ ہوتے تو پگڑیاں پکڑ لیتے۔ بیعت کے کلمات دہراتے وقت نہایت رقت اور آہ وزاری ہوتی۔

"میں نے جب بھی باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا تو اکثر خود ننگے سر اٹھ کر کھولا اور اگر کوئی خادم یا خادمہ قریب ہوتی تو اسے فرماتے۔ دروازہ کھول دے ثواب ہوگا۔

"جماعت آپ نہ کرواتے تھے۔ایک دفع عصر کی نماز میں نے بھی پڑھائی تھی اور حضرت صاحب نے میرے پیچھے نماز ادا فرمائی تھی۔ اکثر میاں جان محمد صاحب، حضرت مولوی عبدالکریم صاحب، حضرت مولوی نور الدین صاحب کروایا کرتے تھے۔حضرت صاحب نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھتے تھے۔ رفع یدین نہ کرتے تھے۔آمین بھی آہستہ کہتے تھے۔کم از کم میں نے اونچی کبھی نہیں سنی۔ سنت گھر پر پڑھا کرتے سوائے اس کے کہ مسجد میں کوئی تقریر کرنی ہو نماز سے پہلے یا بعد"

"جب کبھی مہمان زیادہ ہوتے تو گول کمرہ کے فرش پر کھانا کھاتے۔ حضرت صاحب بھی مہمانوں کے ساتھ کھاتے۔ میں نے کئی دفعہ حضرت صاحب کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھایا ہے۔حضرت صاحب بوٹیاں اٹھا کر میرے سامنے رکھتے جاتے اور خود بہت کم کھاتے اور ذرہ ذرہ منہ میں ڈالتے رہتے۔کھانے میں پایا، گوشت، زردہ، دال سبزی ہر قسم کی چیزیں ہوتی تھیں۔

جب حضور سیر کے لئے گھر تشریف لے جاتے تو حضور تو معمولی رفتار سے چلتے لیکن دیگر ہمراہیوں کو نہایت تیز رفتار سے چلانا پڑتا۔ بلکہ بعض تو حضور کو دوڑ کر ملتے۔ میں خود بھی اکثر دوڑ کر ملتا حالانکہ میں بڑا تیز چلنے والا تھا۔حضور پر نور کا رعب اس قدر تھا کہ آپ سیر کو جاتے وقت پرانے بازار کے راستہ تشریف لے جاتے تو بازار کے دونوں طرف جو لوگ دکانوں پر بیٹھے ہوتے وہ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور اپنے اپنے ماتھوں پر ہاتھ رکھ دیتے لیکن حضور کبھی اونچی نگاہ نہ اٹھاتے اور نہ ہی ادھر ادھر نگاہ فرماتے۔"

حضور نے ایک دفعہ مسجد اقصیٰ میں تقریر فرمائی جس میں بہت سے سکھ، ہندو اور آریہ موجود تھے۔حضور تقریر بڑے جوش سے فرما رہے تھے۔ دوران تقریر میں آریوں کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ کوئی آریہ ہے جو میرے سامنے جواب دیوے لیکن کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ شیر خدا کے روبرو لب کشائی کرتا اور سب کے منہ پر مہر سکوت لگ گئی۔"

حضور کی عادت میں داخل تھا کہ چھوٹا ہو یا بڑ "تُو" کے لفظ سے کسی کو نہ بلاتے بلکہ "آپ" کا لفظ استعمال فرماتے۔ حالانکہ میں چھوٹا بچہ تھا لیکن مجھے بھی کبھی "تُو" نہ کہتے۔"

"ایک دفعہ گرمی کے موسم میں مسجد مبارک کے شہ نشین پر بعد نماز مغرب مع

دو جہاں آپؐ سے رخشاں ہیں رسولِ عربیؐ

(مولانا محمد صدیق امرت سری)

دو جہاں آپؐ سے رخشاں ہیں رسولِ عربیؐ
جان و دِل آپؐ پہ قرباں ہیں رسولِ عربیؐ
ختم ہے آپؐ پہ لاریب نبوت کا مقام
آپؐ سردارِ رسولاں ہیں رسولِ عربیؐ

خدام و شیخ رحمت اللہ صاحب وخواجہ کمال الدین صاحب و مولوی عبد الکریم صاحب، وحضرت خلیفہ اول و ڈاکٹر یعقوب بیگ وغیرہ رونق افروز تھے کہ کام کے واسطے بٹالہ سے تار دینا تھا۔حضور نے فرمایا کہ بٹالہ جانے کے لئے کوئی تیار ہے۔حضور نے فرمایا ہی تھا کہ دو آدمی مجلس سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا حضور ہم جانے کے لئے تیار ہیں۔آپ نے فرمایا کہ میں نیچے سے محصول (تار کی فیس) لا دیتا ہوں۔چنانچہ آپ فوراً محصول لانے کے واسطے تیار ہو گئے۔ہر چند اصحاب متذکرہ بالا نے عرض کیا کہ حضور اس وقت نے تشریف لے جانے کی تکلیف نہ فرمائیں۔ہم محصول دے دیتے ہیں حضور وہ رقم صبح واپس دلا دیں۔مگر نہیں۔حضور خود فوراً نیچے تشریف لے گئے اور رقم محصول ان کو دے کر روانہ کر دیا۔یہ ہے حضور کا ہمت واستقلال جو میں نے چشم خود دیکھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جو میدان مسجد مبارک کے سامنے یعنی اس وقت چوک ہے (جہاں اب محاسب کا دفتر ہے) یہ اس وقت بڑا میدان ہوتا تھا۔وہاں حضور حضرت مولوی صاحب و دیگر دوستوں کی انتظار میں ٹھہر جاتے (صبح کے وقت حضرت سیر پر جانے کی غرض سے تشریف لائے اور اصحاب بھی موجود تھے۔حضرت مولوی صاحب خلیفہ اول کے انتظار میں کھڑے تھے۔باتوں باتوں میں بٹالہ کا ذکر آ گیا۔فرمایا کہ بٹالہ کی مٹی بہت پلید ہے (محمد چٹو کا ذکر ہوا کہ وہ بہت مخالفت کرتا ہے تو فرمایا۔کہ وہ جلدی چاٹا جائے گا۔چنانچہ وہ بہت جلد ہمیشہ طاعون سے مر گیا)۔

جب بھی حضرت صاحب بڑھ کے درخت کے پاس ٹھہرتے تو ایک شخص میراں بخش مغل دو چار گنے لئے وہاں آ جاتا اور حضرت صاحب کو مخاطب کر کے کہتا۔مرزیا گنے چوپنے نی۔تیرا پیو تے بہت چوپدا ہونداسی۔اس پر حضور کچھ نقدی اسے ضرور دیتے اور وہ چلا جاتا۔

ایک دن حضور سیر کے لئے (باغ) میں تشریف لے گئے اور بہت سے اصحاب بھی ہمراہ تھے حضور کے دست مبارک میں ایک بید کا عصا تھا۔حضور نے یہ عصا ایک پھلدار درخت پر جس کا مجھے نام یاد نہیں رہا پھل اتارنے کی غرض سے درخت پر مارا تو وہ عصا درخت میں لگ گیا۔ہر چند کہ اصحاب نے (اینٹیں مار کر) عصا اتارنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ حضور میں درخت پر چڑھ کر اتار دیتا ہوں۔چنانچہ میں اسی وقت حضور کے کھڑے کھڑے درخت پر چڑھ کر سوٹا اُتار لایا۔اس پر حضور اس قدر خوش اور متعجب ہوئے اور بار بار مسکراتے اور نہایت محبت بھرے الفاظ میں فرماتے۔میاں نبی بخش! یہ تو آپ نے کمال کیا کہ درخت پر چڑھ کر سوٹا اُتارا۔کیسے درخت پر چڑھے اور کس طرح سے درخت پر چڑھنا سیکھا۔یہ عصا تو ہمارے والد صاحب کا تھا۔گویا آج آپ نے ہم کو نیا عصا دے دیا اور راستے میں (جو بھی ملتا اس سے) اور مسجد میں بار بار اس معمولی واقع کا ذکر بار بار فرماتے کہ میاں نبی بخش نے کمال کر دیا۔درخت پر چڑھنے کا اور عصا اُتارنے کا حضور ذکر فرماتے۔''

حضور کی بابرکت دعا

آپ بیان کرتے ہیں کہ:۔

ایک دفعہ میں کمزوری نظر کی شکایت لے کر حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں علاج دریافت کرنے کیلئے حاضر ہوا تو حضرت خلیفہ اول نے فرمایا شاید موتیا اترے گا۔میں بہت ہی پریشان اور مضطرب حال ہوا۔(اور ان کے رقعہ پر) اور ڈاکٹروں (جناب ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب اور ڈاکٹر محمد حسین صاحب) سے بھی آنکھوں کا معائنہ کرایا۔سب نے یہی کہا کہ پانی اترے گا۔جس پر میں پریشان ہوا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام حال زبانی عرض کیا۔(حال زبانی عرض کرنے سے پہلے چونکہ میں دیر کے بعد آیا تھا۔حضور نے فرمایا۔آپ دیر سے آئے ہیں۔میں نے کہا۔حضرت میری آنکھیں دکھتی ہیں۔) حضور نے (فرمایا۔ٹھہرو اور اسی وقت الحمد للہ پڑھ کر آنکھوں پر پھونک ماردی اور) دست مبارک پھیر کر فرمایا کہ میں دعا کروں گا۔اس کے بعد نہ موتیا اترا اور نہ وہ کم نظری ہی رہی۔

آپ کے اہل بیت

ملک حبیب الرحمن صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت والد صاحب کی شادی گاؤں ہی میں محترمہ عظیم بی بی صاحبہ دختر غلام غوث صاحب قوم ککے زئی سے ہوئی تھی۔ہمارے ماموں علی الترتیب چوہدری غلام علی صاحب۔چوہدری کرم الٰہی صاحب اور چوہدری نور الٰہی صاحب اور ہمارے نانا غلام غوث

صاحب احمدی تھے۔سب وفات پا چکے ہیں اور والدی صاحبہ چوہدری کرم الٰہی صاحب سے بڑی تھیں ۔ وہ باوجود ان پڑھ ہونے کے اعلیٰ پایا کی موحد اور شرک سے پرہیز کرنے والی تھیں ۔ وہ نہایت ہی نیک، صابرہ ، با اخلاق اور سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد ایک لمبا عرصہ حضرات والدین کے تعلقات کا جائزہ لیا۔ دونوں میں کبھی دیر پا رنجش نہیں دیکھی۔ یعنی بعض امور میں اختلاف رائے ہو لیکن جلد ہی یکجہتی پر ختم ہو گیا۔ وہ تمام اقارب سے محبت ورواداری سے پیش آتیں اور ہمیشہ ہی حسب استطاعت عمدہ کھانا تیار کر کے اقارب وغیر اقارب مہمانوں کی خوشنودی کا باعث بنتیں۔ بڑے بھائی حکیم فضل الرحمن صاحب خلافت ثانیہ کے ابتدائی واقفین زندگی میں سے تھے اور تاریک براعظم افریقہ میں جسے "سفید آدمی کی قبر" سے بھی پکارا جاتا تھا۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر کے بعد دوسرے مبلغ مقرر ہوئے تھے اور پہلی بار آٹھ سال متواتر وہاں مقیم رہے تھے۔ عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں اور بچپن میں دو بڑے بچوں کے صدمات بھی پہنچ چکے تھے اس لئے حکیم صاحب کی مفارقت کی وجہ سے بہت بے چینی محسوس کرتی تھیں لیکن کبھی ایک بار بھی فرمائش نہیں کہ انہیں بلوا دیا جائے۔ حالانکہ اندر ہی اندر وہ اس غم سے گھل رہی تھی۔ چونکہ وہ بہت بیمار رہنے لگیں اور چھ سات بار انہیں کا رنبکل نکالا اور بالآخر مہلک ثابت ہوا۔ ان کی شدید علالت کے پیش نظر عزیزوں نے مشورہ کیا کہ حضرت صاحب کے حضور عرض کر کے بھائی صاحب کو واپس بلا لیا جائے اور والدہ صاحبہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے سختی سے روکا اور فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا واپس آ جائے گا اور حکیم صاحب کا ذکر ہونے پر نہایت خندہ پیشانی سے فرماتیں کہ میرا بیٹا دین کی خاطر گیا ہوا ہے مجھے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ سو بیٹے کی ملاقات کا شوق گو یا دل میں لے کر جنت کو سدھار گئیں اور بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

اولاد

حضرت حافظ صاحب کو اللہ تعالی نے بابرکت اولاد سے نوازا اور ایک بیٹے کی وفات پر رضا بالقضاء کا بہترین نمونہ دکھانے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خاص دعائیں لینے کا موقع پایا۔ آپ بیان کرتے ہیں:۔

1906ء کا واقعہ ہے کہ میرا لڑکا عبدالرحمن نامی جو ہائی سکول میں (ساتویں جماعت میں) تعلیم پا تا تھا ماہ مئی میں بعارضہ بخار محرقہ دسرسام تین چار دن بیمار رہ کر قادیان میں فوت ہو گیا۔ اس وقت میں فیض اللہ چک میں تھا کیونکہ میں اس وقت ملازم تھا اور رخصت پر گھر آیا ہوا تھا۔ فیض اللہ چک میں اس کی بیماری کی خبر پہنچی تو میں فوراً قادیان آ گیا۔ علاج حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔ میں بچے کی حالت دیکھ کر حضور کے گھر پہنچا۔ دستک دی تو حضور باہر تشریف لائے میں نے بچے کی حالت سے اطلاعاً عرض کی حضور فوراً اندر تشریف لے گئے اور چار پانچ گولیاں لا کر مجھے عنایت فرمائیں اور فرمایا کہ ابھی جا کر ایک گولی پانی میں گھول کر دے دو۔ اور پھر مجھے اطلاع دو۔ میں دعا بھی کروں گا۔ چنانچہ میں نے اسی وقت آ کر گولی پانی میں گھسائی اور بچے کو دی۔ چونکہ بچی کی حالت نازک ہو چکی تھی۔ گولی اندر ہی نہ گئی بلکہ منہ سے ادھر ادھر نکل گئی اور بچہ فوت ہو گیا۔ حضرت خلیفہ اول نے نماز جنازہ پڑھائی اور میں نے نعش کو فیض اللہ چک لے جانے کی اجازت طلب کی۔ جو دے دی گئی۔ میں اور دیگر احباب جو میرے ساتھ موجود تھے واپس فیض اللہ چک چلے گئے۔ میں پھر آمدہ جمعہ کے دن جمعہ پڑھنے کے لئے قادیان آیا حضور مسجد مبارک کے محراب میں جو کھڑکیاں درمیان میں موجود تھیں ۔ وہاں تشریف فرما تھے ۔ جب سیڑھیوں سے مسجد میں گیا تو حضور کی نظر شفقت مجھ پر پڑ گئی تو فرمایا کہ آ گے آ جاؤ۔ وہاں پر بڑے بڑے ارکان حضور کے حلقہ نشین تھے۔ حضور کا فرمانا تھا کہ سب نے میرے لئے راستہ دے دیا۔ حضور نے میرے بیٹھتے ہی فرمایا کہ میں نے معلوم کیا ہے کہ آپ نے اپنے بچے کی وفات پر بڑا صبر کیا ہے۔ میری کمر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ) میں نعم البدل کے واسطے دعا کروں گا چنانچہ اس کا نعم البدل حضور کی دعا سے مجھے لڑکا عطا ہوا جس کا نام فضل الرحمٰن حکیم ہے جو اس وقت بحیثیت مبلغ گولڈ کوسٹ سالٹ پانڈ اور لیگوس میں تبلیغ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کو بھی سچی قربانی کی توفیق بخشے اور سلسلہ کا سچا خادم و مبلغ ہووے۔

مرض الموت وانتقال

خاکسار مؤلف آخری سالوں میں کثرت سے دارالفضل میں آپ کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوتا تھا۔ آپ خاکسار کی بیوہ چچی محترمہ کے پاس ہی قیام

رکھتے تھے۔ جو آپ کی دختر ہیں۔ اردگرد چوری کے واقعات کی وجہ سے آپ کی خواہش کے احترام میں خاکسار مکان کے مردانہ میں رات کو ٹھہر جاتا تھا۔ آپ کئی سال تک فریش رہے۔ 1936ء میں ریڑھ کی ہڈی کی تپ دق میں مبتلا ہوئے۔ اور 25 مارچ 1942ء کو وفات پا گئے۔ الفضل زیر ''مدینۃ المسیح'' رقمطراز ہے۔

''آج ساڑھے گیارہ بجے حضرت امیر المومنین او د اللہ تعالی نے بوجہ علالت قصر خلافت میں حضرت حافظ نبی بخش صاحب کا جنازہ پڑھایا۔ انہیں بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص صحابہ میں دفن کیا گیا ہے۔ احباب بلندی درجات کے لئے دعا فرماویں۔'' (مورخہ مارچ)

سیرت

1۔ خاکسار مؤلف نے حضرت حافظ صاحب کو بوجہ قرابت نہات قریب سے آخری نو سالوں میں دیکھا ہے اور محترم چچا ملک عطاء محمد صاحبؓ کی وفات کے بعد آخری چھ سالوں میں آپ کی خدمت کے لئے کثرت سے آپ کے پاس حاضر ہوتا تھا۔ آپ آخری چھ سالوں میں بڑھاپے کے ساتھ ریڑھ کی ہڈی کی تپ دق میں مبتلا رہے۔ آنکھوں سے قریب معذور ہو چکے تھے اور فریش تھے۔ ایک ہاتھ پر زخم تھا جو مندمل نہیں ہوتا تھا۔ اور ایک حجام ہاتھ کا علاج کرتا تھا۔ بڑھاپے اور معذوری کے ساتھ قریب میں آپ کو اپنی چھوٹی جواں سال صاحبزادی کی بیوی کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا اور پانچ بچے یتیم ہو گئے تھے۔ بڑے فرزند مغربی افریقہ میں تھے جن کی آمد کا انتظار سالہا سال سے تھا۔ اور نیک فرزند خصوص فرزند اکبر بہت بڑا سہارا ہوتا ہے۔ اس کے بُعد کا بھی آپ پر اثر ہوگا۔ ان حالات میں بھی میں نے آپ کو حد درجہ صابر راضی بقضاء اور ہشاش بشاش پایا۔ خاکسار قریباً پون سال تک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری اور ایڈیشنل پرائیویٹ سیکرٹری اور پھر قریباً سوا تین سال تک پرائیویٹ سیکرٹری رہا۔ آپ ایک شفیق باپ ہونے کی وجہ سے اور پھر اپنی معذوری اور بڑھاپے کی وجہ سے چاہتے تھے کہ اخویم فضل الرحمن صاحب کی مراجعت ہو اور آپ کا دل ان کی ملاقات سے ٹھنڈا ہو۔ اور آپ خاکسار سے اس بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے کہ حکیم صاحب کی طرف سے کیا اطلاع آ گئی ہے اور حضور نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ اور میں صورت حال سے آگاہ کرتا تھا۔ حضور نے حکیم صاحب کو ہوائی جہاز سے واپس آنے کا حکم بھیجا لیکن مرتدین کے ساتھ عدالت میں جو مقدمہ چل رہا تھا حکیم صاحب اس کے اختتام کے منتظر تھے۔ اور اس کی وجہ سے آپ کی واپسی میں تاخیر ہوتی رہی تھی کہ اس شدید انتظار میں جو لازماً اشد من الموت ہوگا آپ مرفوع الی اللہ ہو گئے۔ باپ بیٹے دونوں کا صبر قابل داد تھا۔ حافظ صاحب پدری جذبہ سے مجبور ہو کر خاکسار سے دریافت تو کرتے لیکن اس بات کے شدید مخالف تھے کہ ان کی طرف سے حضور کی خدمت میں عرض کیا جائے اور اس سے روکتے تھے۔

آپ معذوری سے قبل دار الفضل کے سیکرٹری تعلیم و تربیت تھے۔ آپ کی وصیت کی تصدیق میں مرقوم ہے کہ ''محلہ دار الفضل کے سیکرٹری تعلیم و تربیت ہیں اور باوجود پیرانہ سالی کے خوب کام کر رہے ہیں۔'' (ریکارڈ بہشتی مقبرہ) اقارب سے محبت رکھتے تھے۔ خوش خلق تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باتیں سناتے تھے۔ قوم ککے زئی میں قریب عرصہ تک یہ طریق رہا ہے کہ اپنی قوم سے باہر رشتہ ناطہ نہیں کرتے تھے۔ خصوصاً لڑکیوں کا لیکن آپ نے تیس پینتیس سال قبل اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں اپنی قوم سے باہر کر کے بہت ہمت سے اس غیر شرعی پابندی کی زنجیر کو توڑنے میں مسابقت کا رنگ پیدا کیا۔ میں نے حرص و آز۔ غیبت اور غصہ وغیرہ عیوب سے آپ کو بالکل مبرّا پایا۔ آپ کے اخلاق طیبہ کی خنکی اور برودت آپ کی وفات پر ایک ربع صدی گزرنے پر بھی میرے قلب و دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ آپ کی بزرگی اور خلق کریم کے باعث اقارب اور احباب جماعت میں آپ کا احترام تھا۔ خاکسار کے والد محترم نے بتایا کہ حافظ صاحب نے اپنے برادر زادہ ملک عبدالحئی صاحب کی ملازمت کے تعلق میں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب سے عرض کیا اور یہ بھی کہا کہ ہمارے قدر کرنے والے (یعنی حضرت مسیح موعود) نہیں رہے۔ اس سے صاحبزادہ صاحب کے قلبِ صافی پر گہرا اثر ہوا اور آپ نے ملک صاحب کو جمشید پور کی طرف ملازم کروا دیا۔ اور یہ ملازمت بعد کی اعلیٰ ملازمت میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ آپ کو بطور صحابی ایک مشاورت میں شرکت کا

موقع ملا تھا۔

2۔آپ کے فرزند ملک حبیب الرحمن صاحب بیان کرتے ہیں۔

حضرت والد صاحب توانا مردنظر آتے تھے۔قد درمیانہ، بھرا ہوا دوہرا جسم (معمولی) سانولا رنگ، حیا مجسم، چہرہ پُررعب (شکیل، اور مشرع داڑھی سے مزین، نرم خُو بزرگانہ اور مشفقانہ شکل) آواز پرشوکت "یا اللہ خیر" تکیہ کلام تھا۔

حضرت والد صاحب اپنی ملازمت کے دوران میں ضلع امرتسر کے مقام جنڈیالہ اور دو ایک اور مقامات اور ضلع ساہیوال (سابق منٹ گمری) میں بمواضعات سوبھارام۔ملکہ ہانس۔تلہ کمبو۔سنتوکھ اور بصیر پور وغیرہ میں متعین رہے۔گو آپ کی ملازمت معمولی یعنی پٹواری کی حیثیت سے تھی لیکن آپ کا قیام جہاں بھی رہا۔آپ اپنے اخلاق حسنہ، رعب اور شخصیت کے باعث گویا مالک کی حیثیت سے رہے۔مسلم کیا اور غیر مسلم کیا، تمام ہی آپ کو بزرگ اور باپ جیسا شفیق و بہی خواہ سمجھتے تھے۔اور اپنے ذاتی خاندانی اور دیگر تنازعات کا آپ سے فیصلہ کرواتے تھے۔حتیٰ کہ نمبردار کو بھی اس وجہ سے آپ کے دروازہ پر اپنی مجلس لگانی پڑتی۔جس میں اس نے فیصلے کرنے ہوتے۔آپ خداداد دانشمندی سے معاملات کی تہہ تک فوراً پہنچ جاتے اور بالعموم آپ کی رائے ہی قبول کی جاتی۔ان امور کی وجہ سے لوگ آپ کی خدمت پر بخوشی کمر بستہ رہے۔اور آپ کو ملازمت میں دیہاتی زندگی میں بھی کسی تکلیف کا سامنا نہیں ہوا۔افسر بھی آپ سے احترام سے پیش آتے اور اکثر امور میں آپ کا مشورہ قبول کرتے اور ایماندار سے ایماندار بھی آپ کے ہاں ایک دو وقت کا کھانا کھانے میں بھی قباحت نہ سمجھتا کیونکہ یہ مہمان نوازی کسی خودغرضی یا رشوت دینے دلانے یا خود ہضم کرنے کی مکروہات سے مبرا ہوتی تھیں۔آپ رسومات و تکلفات سے بالا تھے لیکن رُتبہ کے مطابق اعزاز و تکریم کرنا فرض جانتے تھے۔آپ مذہب کے معاملہ میں بڑے باغیرت تھے۔آپ کے حلقہ احباب اور افسران میں کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ آپ کی موجودگی میں احمدیت یا بزرگان سلسلہ کے تعلق ناروا رنگ میں لب کشائی کریں۔

عبادت و ذکرِ الٰہی میں منہمک رہتے۔نماز اوّل وقت پر باقاعدگی سے ادا فرماتے۔تہجد کا اہتمام کرتے۔سخت جاڑے میں بھی منہ اندھیرے رفع حاجت کے لئے تقریباً ایک میل تک باہر جاتے اور راستہ بھر حمدِ الٰہی، ادعیہ مسنونہ، درود شریف اور اپنی زبان میں دعاؤں میں بآواز بلند رطب اللسان رہتے۔" تیرا فضل تیرا رحم'' ورد زبان رہتا۔تمام افراد خانہ کو نماز فجر کے لئے بیدار کرتے اور کبھی برداشت نہ کرتے کہ کوئی فرد نماز عشا ادا کئے بغیر سو جائے یا نماز فجر کے لئے بیدار نہ ہو۔کوئی بچہ نماز پڑھے بغیر سو جاتا تو جگا کر نماز پڑھواتے اور اکثر فرماتے کہ ''سستی ایمان کی جڑ پر ایک تبر ہے۔'' چھوٹے بچوں کو سوتے وقت نماز یاد کراتے اور نرمی اور گرمی سے بچوں کو نماز کا پابند کراتے۔

آپ اول درجہ کے مہمان نواز تھے۔خواہ کیسی تنگی ہو کسی سائل کو ردّ نہ کرتے۔باوجود مالی حالت کمزور ہونے کے اقارب سے حسن سلوک کرتے۔اپنے برادر اکبر محترم حکیم جمال الدین صاحب کی شادیاں خود خرچ برداشت کر کے کیں۔چونکہ حکیم صاحب کا گزارہ صرف جدّی اراضی پر تھا اور کوئی ذریعہ آمدنہ تھا اس لئے جدی اراضی انہیں کے لئے وقف رکھی۔اور اپنی ملازمت کے دوران بھی اس کی آمد کا مطالبہ نہیں کیا۔بلکہ اکثر مالیہ وغیرہ بھی اپنے پاس سے ادا کرتے تھے۔البتہ جب آپ بڑھاپے میں ملازمت سے فارغ ہو کر ہجرت کر کے قادیان میں دریار پر دھونی رما کے بیٹھ گئے اور اس وقت ایک بیٹی بھی بیوہ ہوگئی اور کئی یتیم نواسی نواسے آپ کے پاس تھے تب آپ اپنی عمر کے آخری سات آٹھ سال اپنی اراضی کی آمد لیتے رہے۔اپنے اکلوتے برادرزادہ کی تعلیم میں میٹرک تک امداد کی اور ہمیں بھی مدد کی تلقین کرتے تھے۔صبر کا مادہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔آپ کو عزیزوں کی وفات، مالی مشکلات اور دیگر کئی قسم کی تکالیف کا سامنا ہوا۔لیکن آپ ہمیشہ رضائے الٰہی پر صابر رہے بھی گلہ نہیں کیا۔ہماری سب سے بڑی دو بہنوں کی شادی کی تاریخوں سے چند دن پہلے ہمارے بڑے بھائی عبد الرحمٰن صاحب اچانک بیمار ہو کر دو تین دن میں والدین کو داغ مفارقت دے گئے۔ایک بارات راہوں ضلع جالندھر سے پہنچنے والی تھی۔گاؤں والوں نے فیصلہ کیا کہ اسے راستہ سے واپس کر دیا جائے لیکن حضرت والد صاحب نے پسند نہ کیا۔بچے کو دفن کر کے حوالہ بخدا کیا اور بارات کا انتظار کرنے لگے۔بارات ان حالات سے بے خبر تھی علم ہونے پر ان میں سے بعض نے رخصتانہ ملتوی کرنا پسند کیا۔لیکن حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ ہم

تقدیر الٰہی پر راضی ہیں ۔آپ ڈولی (رخصتانہ) لے کر جائیں ۔ چنانچہ ہماری دونوں بہنوں کے رخصتانے ہوئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کو آپ کے اصبر وشکر کا علم ہوا تو بھری مجلس میں آپ کو مخاطب کر کے تحسین کا اظہار فرمایا۔اور نعم البدل کے لئے دعا فرمائی۔

ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد آپ قادیان میں ہجرت کر آئے تھے۔ اس وقت آپ کے فرزندِ اکبر حضرت حکیم فضل الرحمن صاحب مغربی افریقہ میں آٹھ سال تبلیغ کے بعد پہلی بار مراجعت فرمائے قادیان ہوئے تھے۔اور وہ پھر تین سال بعد اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مغربی افریقہ چلے گئے تو والد صاحب جو ان کے پاس رہتے تھے اپنی چھوٹی دختر محترمہ امۃ الحیٔ صاحبہ کے مکان پر دارالفضل میں وفات تک رہائش پذیر رہے۔موصوفہ نے اپنی ہمت سے بڑھ کر حضرت والد صاحب کی خدمت کی۔

1936ء میں والد صاحب کو کاربنکل نکل آیا۔میں شجاع آباد (ضلع ملتان) میں اپنے پاس نہیں لے آیا۔ڈاکٹر چاند نرائن صاحب نے نہایت محبت اور توجہ سے علاج کیا۔اللہ تعالیٰ نے شفا عطا کی لیکن پھر دفعتاً شدید کمر درد نے آ پکڑا۔ اس میں افاقہ ہوا تو ٹانگیں کمزور ہونے لگیں ۔اب آپ کا شدید اصرار تھا کہ آپ کو قادیان پہنچا دوں ۔اور میں آپ کے علاج کے خیال سے متردّد تھا۔لیکن آپ بار بار فرماتے کہ مجھے وہاں پہنچا دو تا کہ میرا آخری وقت وہاں ہی گزرے۔ میں انہیں بھائی حکیم فضل الرحمن صاحب کے خُسر حضرت حکیم فضل الحق صاحب کے پاس بٹالہ چھوڑ آیا۔جنہوں نے نہایت شفقت اور محنت سے ان کا علاج کیا۔فجز اہ اللہ تعالی۔

پھر والد صاحب قادیان چلے گئے۔ٹانگیں جواب دے گئیں لیکن علاج کی خاطر آپ نے باہر جانے سے سختی سے انکار کر دیا اور ہر بار ایک جواب دیا کہ بس اب مر کر ہی اٹھیں گے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ آخری ٹھکانہ پیارے حبیب علیہ السلام دُور ملے۔ یہاں بھی حضرت حکیم صاحب کا علاج اور شفقت تا دم آخر جاری رہی اور انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔

غزل

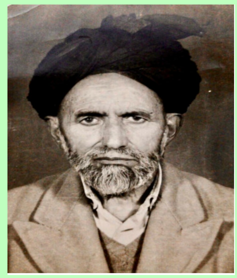


ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

ہماری راحتِ جاں ہو گئے جو غم نہ بچیں گے
لگائی تم نے جو قیمت بھی ہو گی کم، نہ بچیں گے
ہمیں اک دوسری دنیا نظر آتی ہے اس میں تو
ملا محبوب کے ہاتھوں جو جامِ جم، نہ بچیں گے
جو خود تیّار کر کے دے گیا ہے اپنے ہاتھوں سے
مسیحا سے ملا زخموں کا جو مرہم نہ بچیں گے
ہوئے ہیں جب اسیر ان کے، رہائی بھی جو مل جائے
کبھی محبوب کی زلفوں کے پیچ وخم نہ بچیں گے
ہمیں شکوہ ہوا بھی تو نہ بولیں گے رہیں گے چپ
کسی قیمت وطن کی آن کا پرچم نہ بچیں گے
وہ راضی ہو تو سب کچھ بیچ ڈالیں اس کی خاطر ہم
ذرا سا گر مزاجِ یار ہو برہم، نہ بچیں گے
سکونِ قلب کا سودا اگر کرنے کوئی آئے
ہزاروں بھی اگر اس کے ملیں دِرہم، نہ بچیں گے
ہمیں طارق فقط اس کی محبّت کی ضرورت ہے
یہ جاں بھی گر وہ مل جائے تو کیونکر ہم نہ بچیں گے

بچوں کو اسلامی تعلیم سے آگاہ کریں

ہم اپنے بچوں کو گھروں میں اسلامی تعلیم کے آداب سے آگاہ کرتے رہتے ہیں جیسے بچیوں کو چھوٹی عمر سے بتایا جاتا ہے کہ مرد/ انکل جو والد یا بھائی کے دوست ہوں ان سے بھی ہاتھ ملانے سے پرہیز کریں۔مگر وہی دوست یا انکل جب گھر ملنے آتے ہیں تو اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیتے ہیں۔ایسے میں گھر میں آنے جانے والے دوستوں / انکلز/عزیز واور کزنز بچیوں سے ہاتھ نہیں ملانا چاہیے۔بلکہ سر پر پیار دیں۔



حضرت سید ولائت شاہ صاحب مرحوم

(چیف سید معین شاہ)



میرے دادا حضرت سید ولائت شاہ صاحب کی پیدائش 1892ء میں اپنے آبائی گاؤں شاہ سکین میں ہوئی۔ آپ ۱۱ سال کی عمر میں 1903ء میں حضرت مسیح الموعود کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ ان سے پہلے ان کے تایا زاد بھائی حضرت سید سردار احمد شاہ صاحب ۱۹۰۰ء میں بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہو چکے تھے۔ جن کے احمدی ہونے کے بعد ان کی اخلاقی اور دینی حالت میں یکدم تبدیلی کو دیکھ کر میرے دادا جان مع اپنے سب بھائیوں نے بھی بیعت کر لی۔ اس طرح ہمارے گاؤں کے تمام افراد سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ دادا جان نے جب بیت کی اس وقت اپنی زمینوں میں کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے لیکن بیعت کرنے کے بعد اپنی زمینوں پر ملازم رکھ کر خود تبلیغی میدان میں کود پڑے اور قرب و جوار گاؤں میں جا کر تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ اس دوران آپ کو بہت ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمسایہ گاؤں والوں نے نہ صرف اپنی مساجد میں نماز پڑھنے سے روکا بلکہ مسجد سے گھسیٹ کر باہر لے جاتے۔ آپ نے اس مخالفت کی پرواہ کئے بغیر تبلیغی کام کو جاری رکھا۔ آپ کی تبلیغ سے قریبی گاؤں نانو ڈوگر، نواں کوٹ اور ٹھٹھہ ناجریاں میں کئی احباب احمدی ہو گئے۔ آپ نے زندگی وقف کر کے جماعت کی ملازمت شروع کر دی اور دفتر بہشتی مقبرہ میں انسپکٹر وصایا کے طور پر آخری دم تک کام کرتے رہے۔ آپ نے بھی سلسلہ کے ساتھ وفا کا رشتہ خوب نبھایا۔ آپ ۱۹۷۳ء میں جماعتی دورہ پر کسی جماعت میں جا رہے تھے کہ راستہ میں بس کے حادثہ میں زخمی ہو گئے اور تین دن کے بعد میو ہسپتال لاہور میں اپنی جان خدا تعالی کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بحیثیت موصی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ ہوئی۔ دادا جان کو جماعت سے گہری محبت تھی آپ نے اپنے اکلوتے بیٹے (میرے والد محترم سید محمد امین شاہ صاحب کو بھی زندگی وقف کرنے کی تلقین کی جس پر والد صاحب بھی واقفین میں شامل ہوئے۔ اور 25 سال اپنے آخری سانس تک معلم اصلاح وارشاد کی حیثیت سے خدمت دین کی توفیق پائی۔ اور آپ کی وفات 1968ء میں ہوئی اور موصی ہونے کی وجہ سے بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔ آپ میں نہ صرف جماعت بلکہ انسانی ہمدردی بھی لاجواب تھی جسکی مثال درج ذیل واقعات سے عیاں ہوتی ہے۔ ہمارے گاؤں شاہ مسکین کے پاس ایک اور گاؤں گوئندہ واقع ہے جہاں ہمارا خاندان شاہ مسکین آکر آباد ہونے سے پہلے رہائش پذیر تھا گوئندہ میں ایک کافی تعداد ہندوؤں کی تھی۔ 1947ء میں قیام پاکستان کے وقت ادھر ادھر گاؤں کے لوگوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے گھروں کو لوٹنے کی کوشش کی۔ جب میرے دادا جان کو علم ہوا تو وہاں جا کر ان ہندوؤں کو مکمل تحفظ فراہم کیا اور پھر سب کو جو تقریباً ۳۰۰ کی تعداد میں تھے اپنے گاؤں شاہ مسکین لے آئے جو تقریباً ۳ ماہ تک یہاں مقیم رہے اور پھر جب قدرے امن ہوا تو ان تمام ہندوؤں کو بسوں میں ہندوستان بھجوایا۔ اور ان سب کی رہائش اور کھانے وغیرہ کے اخراجات اپنی جیب سے برداشت کیا۔ 1965ء کی جنگ کے موقع پر ظفر وال بارڈر کے قریب کچھ احمدی فیملیاں بے گھر ہو گئیں تھیں۔ دادا جان ان میں سے چار فیملیوں کو اپنے گاؤں شاہ مسکین لے آئے انہیں نہ صرف رہائش بلکہ کھیتی باڑی کیلئے کچھ زمین بھی انہیں دی تاکہ وہ کچھ کام کرتے رہیں۔ اور خاندان 3 سال کے بعد امن ہونے پر اپنے علاقوں میں چلے گئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ان بزرگان کی تمام نیکیوں کو قبول فرماتے ہوئے انہیں جنت الفردوس میں اپنے پیاروں کے قریب میں اعلی مقام سے نوازے اور ان کی دعائیں ہمارے حق میں قبول فرمائے۔ اور ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرماتا رہے۔ آمین۔

رگ و ریشے میں گوندھی ہے خلافت سے وفاداری



(مبارک احمد ظفر)

رگ و ریشے میں گوندھی ہے خلافت سے وفاداری
اسی کا ہوں غلام ادنیٰ اس کا ایک انصاری
خلافت ہی قیامِ امنِ عالم کی ضمانت ہے
رضا اس کی رضائے حق تعالیٰ کی ہے رہ داری
علی الاعلان کہتا ہوں کہ رُسوائی مقدر ہے
نظامِ آسمانی سے کرے گا جو بھی غداری
مسیحِ وقت کے ہیں حضرت مسرور اب نائب
خدا نے ہی زمانے کی انہیں سونپی ہے سرداری
یہی مردِ خدا ہے جو بِنا تلوار و نیزے کے
نبھا کر رہا ہے ہر جہت میں دیں کی سالاری
کبھی نصرت نہیں ملتی درمولیٰ سے گندوں کو
' شریروں پر شرارے ہی گرائے ان کی مکّاری
وہی پاتے ہیں در بارِ خداوندی میں ہر عزت
خدا کے پاک بندوں کی جو کرتے ہیں طرف داری
خدا کے برگزیدوں کو ستانا، ان کو دکھ دینا
سنو! زہرِ ہلاہل ہے نہیں ہے عام بیماری
عقیدت کا مرا ناطہ ہے ان سے پانچ پشتوں کا
*اگر یہ جرم ہے تو یہ ظفر ہے اس کا اقراری

وہ جو احمد بھی ہے اور محمد بھی ہے

(صاحبزادی امۃ القدوس بیگم)

وہ جو احمدؐ بھی ہے اور محمدؐ بھی ہے
وہ مؤیَّد بھی ہے اور مؤیِّد بھی ہے
وہ جو واحد نہیں ہے پہ واحد بھی ہے
اِک اُسی کو تو حاصل ہوا یہ مقام
اُس پہ لاکھوں درود اُس پہ لاکھوں سلام
سوچا جب وجہِ تخلیق دنیا ہے کیا؟
عرش سے تب ہی آنے لگی یہ نِدا
مصطفیٰ، مصطفیٰ، مصطفیٰ
وہ ہے خیرالبشر وہ ہے خیرالانام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام
قطبِ روحانیت، ذاتِ قبلہ نما
ہادی و پیشوا، رہبر و رہنما
مرشد و مقتدا، مجتبیٰ مصطفیٰ
حق کا پیارا نبی اور چنیدہ امام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام
اس کی سیرت حسیں ، اس کی صورت حسیں
کوئی اس سا نہ تھا ، کوئی اس سا نہیں
اس کا ہر قول ہر فعل ہے دلنشیں
خوش وضع ، خوش ادا ، خوش نوا ، خوش کلام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام



عقیدے کی جانچ پڑتال کا مؤثر طریقہ

ڈاکٹر ساجد علی

اہل اقتدار اور اہل مذہب کو ایک مسئلہ ہمیشہ بہت پریشان کرتا رہا ہے؛ اہل اقتدار کو فکر ہوتی ہے کہ ان کے دربار میں کوئی ایسا شخص نہ گھس آئے جس کی وفاداری مشکوک ہو۔ اہل مذہب کو تشویش ہوتی ہے کہ ان کی صفوں میں کوئی بدعقیدہ فرد جگہ نہ بنا لے۔ دونوں نے وفاداری اور صحت عقائد کی جانچ پرکھ کے لیے کچھ پیمانے وضع کر رکھے تھے جو اکثر و بیشتر کافی ظالمانہ تھے۔

معلومہ تاریخ میں صحت عقائد کا مسئلہ مسیحی یورپ میں پیدا ہوا۔ جب مسیحی فوجوں نے سپین میں مسلمانوں کے اقتدار کی آخری نشانی غرناطہ پر قبضہ کر لیا تو مسلمانوں اور یہودیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ یا تو مسیحی مذہب قبول کر کے بپتسمہ لے لیں یا ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔ بہت سے ملک چھوڑ کر چلے گئے، جو باقی رہ گئے انھوں نے مذہب تبدیل کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود اہل کلیسا کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ لوگ صدق دل سے مسیحی ہوئے ہیں، اس لیے انھیں مختلف امتحانات سے گزارا جاتا تھا۔

ابھی اس واقعہ کو لگ بھگ پچیس برس ہی گزر رہے تھے کہ مسیحی دنیا کو ایک اور عظیم انتشار کا سامنا کرنا پڑا۔ جرمنی کے ایک پادری مارٹن لوتھر نے ۱۵۱۷ میں پاپائے روم کی آسمانی اتھارٹی کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگ بڑی تعداد میں اس گمراہی کا شکار ہونے لگے۔ اب لازم ہو گیا تھا کہ لوگوں کے عقائد کی جانچ پڑتال زیادہ سختی سے کی جائے تاکہ ان میں بدعت اور گمرہی کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ اس کے نتیجے میں یورپ میں احتساب عقائد کی عدالتیں قائم ہونا شروع ہوئیں۔ اگر کسی پر شبہ ہو جاتا، یا بدعقیدگی کا الزام عائد ہو جاتا تو اس کی تفتیش بہت سختی سے کی جاتی تھی۔ اس کے غیر تسلی بخش جوابات کے نتیجے میں اسے ازرہ ہمدردی زندہ جلا دیا جاتا تھا تاکہ اس ادنی سی تکلیف کے بدلے اس کی روح جہنم کی ابدی آگ سے بچ جائے۔

انہی مذہبی جنگوں کے زمانے کا ایک واقعہ ہے جو کافی سبق آموز ہے۔ فرانس کے بادشاہ نے ایک ایسے شہر پر حملہ کیا جس کی زیادہ تر آبادی مارٹن لوتھر کے ماننے والوں پر مشتمل تھی۔ جب شہر کی فتح قریب آن پہنچی اور فوجیں شہر میں داخل ہونے والی تھیں، بادشاہ نے محتسب عقاید کو طلب کر کے پوچھا کہ شہری آبادی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ محتسب صاحب نہ صرف بہت زیادہ خدا ترس واقع ہوئے تھے بلکہ وقت کی قدر و قیمت سے بھی کما حقہ آگاہ تھے اس لیے اسے گوارا نہیں تھا کہ بدعقیدہ اور صحیح عقیدہ لوگوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے میں وقت ضائع کیا جائے۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ سب لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دو، خدا اپنے پیاروں کو خود ہی چھانٹ کر علیحدہ کر لے گا۔

یہ مسیحی لوگ تو بہت ظالم تھے لیکن ہم بہت رحمدل لوگ ہیں جو اقلیتوں کے ساتھ عادلانہ سلوک کی شہرت رکھتے ہیں۔ تاہم پاکستان کی ملت اسلامیہ کو ایک پیچیدہ مسئلے کا سامنا ہے۔ آخر قادیانیوں کا الگ تشخص کسی طرح قائم کیا جائے؟ عظیم جمہوری رہنما، قائد عوام، جناب ذوالفقار علی بھٹو شہید نے آئین پاکستان میں ترمیم کر کے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا اور اپنی دانست میں نوے سالہ پرانا مسئلہ حل کر دیا۔ اس میں انھیں قائد اہل سنت، حضرت مولانا شاہ احمد نورانی اور قائد اہل دیوبند حضرت مولانا مفتی محمود کی مکمل تائید حاصل تھی۔ اس کے باوجود حیرت ہوتی ہے کہ ان عظیم مذہبی رہنماؤں نے قادیانیوں کے نام الگ ووٹر لسٹ میں شامل کرنے کا مطالبہ کیوں نہ کیا۔ یہ سعادت امیر المومنین حضرت ضیاالحق کے نصیب میں لکھی تھی۔ انھوں نے نہ صرف جداگانہ انتخاب کروائے بلکہ قادیانیوں پر یہ پابندی بھی لگائی کہ وہ شعائر اسلام کو اختیار نہیں کر

سکتے۔ وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتے، نماز اور جمعہ ادا نہیں کر سکتے اور کلمہ نہیں پڑھ سکتے۔

ان تمام پابندیوں کے بعد بھی شکوک وشبہات کی فضا قائم رہی۔ طلبے والی سرکار نے کچھ مزید پابندیوں کا اضافہ کیا لیکن اہل ایمان ہیں کہ ان کی تشفی نہیں ہو پاتی۔ قادیانیوں کے سر پرسینگ تو ہوتے نہیں جو عام مسلمانوں سے انھیں علیحدہ شناخت کر لیا جائے۔ یہ خطرہ ہمیشہ رہتا ہے کہ وہ بطور مسلمان اپنا نام انتخابی فہرستوں میں درج کروا سکتے ہیں۔ اس کے ازالے کے لیے الیکشن کے ضوابط میں یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص پر قادیانی ہونے کا الزام عائد کیا جائے تو اسے حلف اٹھانے کو کہا جائے گا۔ اور اگر وہ حلف نہ اٹھائے تو اسے غیر مسلم شمار کیا جائے گا۔

اندیشہ ہے کہ محض حلف سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا کیونکہ ہمارے معاشرے میں لوگ بہت آسانی سے جھوٹا حلف لے لیتے ہیں۔ میری رائے میں اس تمام تر قانون سازی میں ایک خلا ہے جس کو جب تک پر نہیں کیا جائے گا اس خطرے کا کماحقہ ازالہ نہیں ہو سکے گا۔

اس مسئلے کے حل کے لیے میرے ذہن میں چند تجاویز ہیں جن کو روبہ عمل لا کر اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کیا جا سکتا ہے۔

1۔ آئین پاکستان میں ایک نئی دفعہ کا اضافہ کر کے قادیانیوں کے ختنہ کرانے پر پابندی عائد کی جائے۔

شعائر اسلام میں ختنہ کی جو اہمیت ہے اس سے ہر مسلمان بخوبی آگاہ ہے۔ کلمہ پڑھ کر ایک فرد اسلام میں داخل ہوتا ہے اور فوراً ختنہ کروا کر اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ جب تقسیم ہند میں فسادات ہوئے تھے تو مسلم اور غیر مسلم کی پہچان اسی نشانی سے کی جاتی تھی۔ واضح رہے کہ امیر المومنین حضرت ضیاالحق نے قائد عوام کی پھانسی کے بعد ان کی مسلمانی چیک کرنے کے لیے یہی طریقہ استعمال کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس ملک میں بسنے والی اقلیتوں میں ہندو، مسیحی اور سکھ تو پہلے ہی ختنہ نہیں کراتے۔

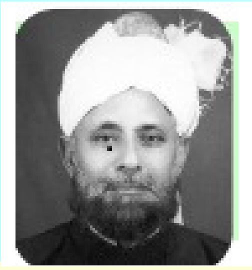
2۔ حفاظت ختنہ کے لیے ایک وزارت قائم کی جائے جس پر مذہبی علم رکھنے والے شخص کو وزیر مقرر کیا جائے۔ اس وزارت کے ماتحت ایک ڈائریکٹوریٹ قائم کیا جائے، جس کے تحت ہر یونین کونسل اور گاؤں میں ختنہ انسپکٹر کی اسامی پیدا کی جائے اور ان اسامیوں پر مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ کو فائز کیا جائے۔

3۔ ملک میں ختنہ کرنے والے ڈاکٹروں اور جراحوں کی رجسٹریشن کی جائے۔ کسی انسپکٹر کے سرٹیفکیٹ کے بغیر کسی کا ختنہ نہ کیا جائے۔

4۔ اگر کوئی سرجن یا نائی کسی قادیانی کا ختنہ کرنے کے فعل حرام کا مرتکب پایا جائے تو اس پر توہین مذہب کا مقدمہ قائم کیا جائے اور قرار واقعی سزا دی جائے۔

ان چند اقدامات سے امید ہے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے گا۔ اگر کسی شخص پر کوئی یہ الزام عائد کرے کہ یہ قادیانی ہے تو اس سادہ اور بے ضرر علامت سے فوراً چیک کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسلمان ہے یا نہیں۔ نہ ہمیں مسیحیوں کے مانند کسی کو آگ میں جلانا پڑے گا، نہ اسے خنزیر کا گوشت کھانے پر مجبور کرنا ہوگا۔ اگر کوئی شخص شناخت کرانے سے انکار کرے تو اسے غیر مسلم تصور کیا جائے۔ ایک اشکال البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جو قادیانی ختنہ کروا چکے ہیں ان کا کیا کیا جائے۔ اس کے لیے ڈاکٹروں پر مشتمل ایک طبی بورڈ بنایا جائے جو یہ جائزہ لے کہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے کس طرح ان کو دوبارہ غیر مختون بنایا جا سکتا ہے۔ جدید طب اتنی ترقی کر چکی ہے کہ یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہوگا۔ آئندہ انتخابات کے انعقاد سے پہلے اس طرح یہ مسئلہ حتمی طور پر حل ہو جائے گا، بصورت دیگر اتنی دیر تک انتخابات کو ملتوی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ انتخابات کو بہر حال ایمان پر ترجیح حاصل نہیں۔

(بشکریہ "ہم سب" 27 نومبر 2021)



فادرز ڈے

محترمہ لیڈی امۃ الباسط ایاز ۔لندن

اگر تھوڑی سی تمہید باندھ دوں تو قارئین کو اس تحریر کے پڑھنے کی خواہش ضرور پیدا ہوگی ۔یہ میرا اپنا خیال ہے ۔آپ پڑھ کر تو دیکھئے گا۔

باپ نام ہے ایک ایسے سائبان کا جو اپنے بچوں کی خوشیوں کے لئے خود ساری تکلیفیں جھیل کر بھی مسکراتا ہے ۔ماں کی محبت اپنی جگہ لیکن باپ کی لازوال قربانیوں کو خراج تحسین پیش کرنا ہر اولاد کیلئے ضروری ہے ۔اپنی والدہ کی طرح والد سے بھی محبت کا اظہار کریں اسکی قربانیوں کو سراہیں ۔باپ کی کڑی محنت کے بعد آپ کو جو مقام ملا ہے اسمیں آپ کے باپ کے کردار کو کسی طور بھی نظر انداز کرنا مناسب نہیں ۔یہ بات سچ ہے کہ باپ نہیں ہوتا تو تحفظ کا احساس نہیں ہوتا۔

بچے کی پیدائش سے لے کر بڑے ہونے تک باپ بچے کی نگرانی اور نگہداشت میں اہم کردار ادا کرتا ہے ۔وہ دن بھر بچے کے ساتھ نہیں ہوتا لیکن اسکا پورا دن بچے کے مستقبل کی بھاگ دوڑ میں ہی نکل جاتا ہے ۔اسی لئے عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ باپ بچوں سے دور رہتا ہے ۔لیکن ہمیں اس بات کو بالکل فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ باپ بچوں سے دور کیوں ہوتا ہے اگر وہ بھی دن بھر بچوں کے ساتھ رہے تو گھر کی معاشی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری کون پوری کرے گا۔

ہوا یہ کہ صبح کی بات ہے ،ہم مسجد فضل سے تھوڑی ہی دور رہتے تھے ،میں گھر میں اکیلی تھی ۔صبح کے شاید 11 بجے ہوں گے ۔میں کچن میں کام کر رہی تھی ۔سب چھوٹے بڑے بچے اسکول ،کالج اور کام پر گئے ہوئے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی ۔میں نے جلدی سے جا کر جو فون اٹھایا اور السلام علیکم کہنے کے بعد پوچھا کہ کون صاحب ہیں تو جواب آیا کہ میں طاہر بول رہا ہوں ۔اتنی میٹھی اور پیاری آواز سُن کر میری جو حالت تھی وہ آپ جان ہی گئے ہوں گے ۔میں نے کانپتی ہوئی آواز سے اشتیاق سے پوچھا: ’’حضور آپ ہیں !‘‘ اس سے قبل حضور سے فون پر بات کرنے کا موقعہ نہ ملا تھا ۔حضور نے فرمایا کہ آپ کیا کر رہی تھیں کہ آنے میں اتنی دیر لگی ۔میں نے بتایا کہ حضور میں کچن میں برتن دھو رہی تھی ۔اس لئے کہ میرے پاس ڈش واشر نہیں تھا اور میں نے ہاتھوں پر گلووز بھی پہن رکھے تھے ۔اس لئے اتارنے میں قدرے دیر ہوگئی ۔اس پر حضور نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا الفضل آ گیا ہے ۔میں نے جواباً عرض کیا کہ حضور جی نہیں آیا ۔اور شاید نہ ہی آئے کیونکہ میرا چندہ ختم ہو گیا ہے ۔اور میں نے ابھی تک ادا بھی نہیں کیا ہے ۔اس پر حضور نے فرمایا کہ آپ کو مبارک ہو آپ کا مضمون ’’فادرز ڈے‘‘ والا جو آپ نے مجھے چیک کرنے کیلئے بھجوایا تھا وہ آج الفضل میں چھپا ہے ۔اور بس خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا ۔پھر آگے سنیئے یا پڑھئے کہ کیا ہوا ۔میری جو حالت تھی خوشی اور مایوسی کے جذبات سے ملی جلی کہ کیسے اور کب الفضل ربوہ سے چندہ ادا کرنے کے بعد آئے گا اور میں دیکھ پاؤں گی مگر اللہ کی شان دیکھئے اور حضور کا پیار اور حوصلہ بڑھانے والا واقعہ کہ چند منٹوں بعد دروازے کی گھنٹی بجی اور میں نے جو دروازہ ذرا سا کھول کر پوچھا کہ کون صاحب ہیں تو ہمارے ایک مخلص پہرہ دار صاحب نے ایک لفافہ میرے ہاتھ میں تھما دیا کہ حضور نے آپ کیلئے دیا ہے ۔اس لفافہ میں کیا تھا ! وہی الفضل جس میں میرا مضمون چھپا تھا اور ساتھ ایک محبت بھرا خط بھی تھا۔

آج اس واقعہ اور اس مضمون کو چھپے اتنے سال ہو گئے ہیں اور ہمارے ملکوں میں اسی ریت سے فادرز ڈے منایا جاتا ہے ۔کئی روز قبل اس کیلئے تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں ۔کام سے چھٹیاں لی جاتی ہیں ۔بچے تو کافی لمبے سفر بھی کر کے اپنے باپوں کو ملنے ،تحفے دینے ، I Love You Dad کہنے اور پیار لینے آتے ہیں ۔ماں باپ کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا کھانا ،تحفہ دینا اور پھر سال بھر کیلئے چلے جانا ایک دستور بن گیا ہے ۔ادھر ماں باپ بھی انتظار کرتے ہیں بلکہ دن گنتے ہیں کہ فادرز ڈے کب آئے گا اور ہمارے بچے ہمیں ملنے آئیں

گے۔ یا کم از کم واٹس اپ کریں گے یا zoom پر hi کر دیں۔ اور Happy Father's Day Dad کر کے بات ختم کر دیں گے۔

کچھ ان باتوں کو بار بار دُہرانے کی وجہ سے ہی مجھے اپنے ابا جان کی یاد بہت زیادہ آتی اور دعاؤں کی تلقین کرتی ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں ماؤں کے عالمی دن کی کامیابی کے بعد والد کی عظمت کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے یہ دن منانے کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ فادرز ڈے کو عالمی سطح پر مقبولیت 1966 میں ملنا شروع ہوئی جب اس وقت کے امریکی صدر لنڈن جونسن نے جون کے تیسرے اتوار کو فادر ڈے قرار دیا تھا۔

1970 کی دہائی سے ہر برس جون کے تیسرے اتوار کو دنیا کے اکثر ممالک میں فادرز ڈے منایا جاتا ہے۔ یوں تو جو جوش و خروش ماؤں کے عالمی دن پر دیکھنے میں آتا ہے وہ عموماً فادرز ڈے پر کم ہی نظر آتا ہے۔ لیکن اب ہر سال فادرز ڈے منانے کے رجحان میں پہلے کے مقابلے میں اضافہ نظر آتا ہے اور سوشل میڈیا پر اس حوالے سے پوسٹس اور آن لائن آؤٹ لیٹس پر فادرز ڈے کے خصوصی تحائف کی آفرز میں بھی اضافہ دیکھا گیا ہے۔ یہ تھا تعارف فادرز ڈے کا۔ فادرز ڈے کا یہ سلسلہ لوگوں کو ہر سال یاد کراتا ہے کہ ہم اللہ کے فضل سے احمدی اور پھر مخلص احمدی گھروں کے تربیت یافتہ ہمیشہ ان باتوں سے دور رہتے ہیں جو کہ ایک رسم کے طور پر بس سال بھر میں ایک ہی دفعہ منا کر پھر سب کچھ بھلا دیا جائے۔ یاد رکھئے ماں اور باپ بہت بڑی نعمت ہیں۔ جن کے والدین بفضلہٖ حیات ہیں ان کو اپنے والدین کی بہت قدر کرنی چاہئے۔ لیکن ہم کسی شے کے چلے جانے کے بعد ہی اس کی قدر کرتے ہیں جو کہ درست نہیں۔

میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ سب کے والدین کو صحت والی لمبی زندگیاں عطا فرمائے تا بچے ان کی خدمت کر کے عمر بھر کیلئے دعاؤں کے خزانے بھر لیں۔ آمین۔ اب فادرز ڈے کے بارہ میں ہماری تعلیم اور روایات کے مطابق چند باتیں پیش ہیں:

دین اسلام میں والد کا مقام

بچے کی پیدائش سے لے کر بڑے ہونے تک والدین اس کا ہر طرح خیال رکھتے ہیں۔ اولاد بوڑھی بھی ہو جائے تو ان کی محبت میں کمی نہیں آتی اور وہ اپنی اولاد کے لئے ہمیشہ دعا کرتے رہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ہمیں والدین کی عزت کرنے اور ان سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فرمایا:

''اور تمھارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں تو ان سے اف تک نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔'' (سُوۡرَۃُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ - آیت 24)

اسلام میں جس طرح ماں کو بلند مقام حاصل ہے اسی طرح باپ کا بھی اونچا مقام ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

''باپ کی خوشی میں اللہ کی خوشی ہے اور باپ کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔''

(تحفۃ الاشراف: 8888)

اس لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ ہمیں کسی صورت میں بھی ماں باپ کو ناراض نہیں کرنا چاہئے۔ ماں باپ کی فرمانبرداری میں ہی ہماری کامیابی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں اور اپنے تجربات کی روشنی میں ہمیں مشکلات سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

فادرز ڈے سال میں ایک مرتبہ بین الاقوامی طور پر منایا جاتا ہے اور جس میں باپ کی شفقت، محبت اور قربانیوں کا اعتراف کر کے سراہا جاتا ہے۔ جبکہ ہمارا دین اسلام ہمیں ہر روز ماں باپ کے لئے عزت و احترام اور ان سے محبت کے اظہار کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے ہمیں صرف ایک دن کے بجائے سال کے بارہ مہینے ان کا خیال رکھنا چاہئے۔

اپنے والد کو خوش رکھنے کے لئے آپ یہ کام انجام دے سکتے ہیں۔

آپ کے والد جس کام میں دلچسپی لیتے ہیں اس میں ان کا ساتھ دیجئے اگر وہ مطالعہ کے شوقین ہیں تو انھیں اچھی کتابیں لا کر دیجئے، باغبانی کے شوقین ہیں تو ان کے ساتھ مل کر پودوں کی دیکھ بھال میں حصہ لیجئے۔ اور اس کے لئے روزانہ وقت نکالئے۔

کسی پُر فضا مقام پر جاتے وقت انھیں ساتھ لے جانا نہ بھولیں کھلی فضاء ان کے لئے نا صرف صحت بخش ہے بلکہ ان کو خوشی بھی فراہم کرے گی اس کے علاوہ

باہر کھانا کھانے بھی جا سکتے ہیں اور ان کے لئے ان کی پسند کی چیز منگوائیں تا کہ وہ خوش ہو کر اسے کھائیں۔

خاص موقعوں پر اپنے والد کے لئے تحفے خریدیں اور کارڈ دیں ان کے لئے ایسی چیزوں کا انتخاب کریں جنھیں دیکھ کر ان کے چہروں پر مسکراہٹ آ جائے۔ آپ ان کے لئے ایسی چیز بھی لے سکتے ہیں جسے خریدنے کی ان کی خواہش ہو لیکن وہ خرید نہ سکتے ہوں۔

والدین چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد کچھ وقت ان کے ساتھ گزارے، اپنے والد کے ساتھ بیٹھ کر مختلف موضوعات پر بات کریں۔ اگر وہ کسی کھیل کے شوقین ہیں تو ان کے ساتھ کھیلیں یا بیٹھ کر دیکھیں۔

ہمارے والد نے کس طرح ہماری ضروریات کا خیال رکھا اور کس طرح سخت محنت کر کے ہمیں ہر آسائش مہیا کی اس کا اعتراف کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور ضروری ہے کہ ہم ان باتوں کے لئے بار بار اپنے والد کا شکریہ ادا کرتے رہیں اور ان کے احسانات کو مانیں نا کہ یہ کہیں کہ ''آخر آپ نے ہمارے لئے کیا ہی کیا ہے''؟ ایسے الفاظ ماں باپ خاص طور پر والد کے لئے بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کبھی بھی ایسے الفاظ منہ پر نہ لائیں۔

اللہ کے بعد اپنے والدین کے شکر گزار رہیں کہ آپ اگر کسی بڑے مقام پر ہیں تو اپنے والدین کی ہی محنت، قربانیوں اور دعاؤں کی بدولت ہیں۔

والدین کا اولاد کے ساتھ ایک اٹوٹ رشتہ ہوتا ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر ایک سا رہتا ہے، چاہے وقت اور حالات بدلتے رہیں اس رشتے سے جڑی محبت، شفقت، احساس کے جذبات کبھی نہیں بدلتے۔ اگر ماں کا کوئی نعم البدل نہیں تو باپ بھی اولاد کے لیے قدرت کی عظیم نعمت ہے جو سارے زمانے کی سختیاں جھیل کر اسے پُرسکون زندگی فراہم کرتی ہے۔

باپ کی محبت، شفقت اور قربانیوں کے اعتراف میں 'فادرز ڈے' منایا جاتا ہے اور سوشل میڈیا پر صارفین اپنے والد سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ صرف اپنے والد کی قربانیوں اور جدوجہد کو یاد کرتے ہوئے ان سے محبت کے اظہار کا دن نہیں ہے بلکہ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اس دن کو ان کے لیے یادگار بھی بنائیں۔

آپ سب نے سنا تو ہوگا ہی کہ یورپ میں فادرز ڈے اور مدرز ڈے مقررہ تاریخوں میں منائے جاتے ہیں۔ جبکہ لوگ جن کے ماں باپ حیات ہیں ان کو ضرور کارڈ بھجواتے ہیں، پھولوں کا گلدستہ بھی اگر ممکن ہو یا کم از کم اس روز ماں یا باپ کو یاد کرنے کے لئے ان کو فون ضرور کرتے ہیں اور اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اس طرح سے ہر سال بچوں کو بچپن سے ہی یہ عادت ہو جاتی ہے ان کے استاد ان کو چند ہفتے پہلے ہی سے یاد کرانا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ دن آنے والا ہے۔ آج آپ سب بچے اپنے ابو یا امی کیلئے خوبصورت رنگ بھر کر کارڈ بنائیں اور اپنے ساتھ گھر لے جائیں اس طرح سے ہر سال یہاں ہوتا ہے نرسری کے بچوں سے لیکر کالج تک کے بچے یہ دن یاد کرنا نہیں بھولتے۔ جب میں نے اپنی بیٹیوں ننھی سعدیہ اور فرزانہ کو خوبصورت کارڈ اپنے ابو جان کو طوالو پوسٹ کرتے ہوئے دیکھا جو انہوں نے اپنے سکولوں میں نہایت ہی خوبصورت رنگوں میں بنائے تھے تو میں یہ تحریر لکھنے پر مجبور ہو گئی کہ بچو! یہ تو ایک انگلش طریق ہے مگر آپ تو روزانہ اپنے ابو جان کو دن کے کئی کئی گھنٹے یاد کر کے ان کی پسند کی چیز کھاتے ہوئے یاد کر کے اداس ہو جاتے ہو اور پھر دن گنتے ہو اور کبھی دن ہفتوں اور مہینوں میں بدل جاتے ہیں۔ اور وہ جبھی آ سکتے ہیں جب ان کو چھٹی ملتی ہے۔ میرے بچو! آپ ایسی باتیں نہ کیا کرو میں یہ باتیں اپنے بچوں کو سمجھا رہی تھی کہ کسی پیاری سی آواز نے میرا دل ہلا دیا کہ امی کیا آپ نے بھی کبھی اپنے ابو کو فادرز ڈے کا کارڈ بھیجا تھا......اس پر یہ قلم کاغذ پر لکیریں ڈالنے پر مجبور ہو گیا کہ میرے ابو جان جنہیں ہم تو ابا جان کہا کرتے تھے کتنے عظیم انسان تھے جن کی ہر ہر بات اور ادا ہمارے لئے ایک مشعلِ راہ اور مثالی تھی۔ ان کو کارڈ وغیرہ بھیجنے سے سخت نفرت تھی اور کبھی کسی نے ان کو کارڈ بھجوایا بھی تو یہی کہا کہ اگر اپنے ہاتھ سے خط لکھ دیتے تو زیادہ خوشی ہوتی۔ مجھے اپنے ابا جان کی چند اتنی میٹھی باتیں یاد آنے لگیں کہ آج میں انہیں کی یاد میں کچھ پھول بکھیرنے لگی ہوں۔ میرے محترم اور محسن میرے پیارے ابا جان (مولانا ابولعطاء صاحب جالندھری) جن کا اصلی نام تو اللہ دتہ جالندھری تھا اپنے بچپن کا ہی ایک واقعہ بتاتی چلوں کہ ایک بار میں اپنی کلاس میں فرسٹ آئی اور پاکستان کے پرانے طریق کے مطابق سارے سکول کے بچوں کو لائنوں میں اکٹھا بٹھا دیا

جاتا تھا اور پھر فرسٹ اور سیکنڈ آنے والیوں کے نام بولے جاتے تھے۔ میرا نام جب بولا گیا امۃ الباسط اللہ دتہ فرسٹ تو میں بجائے خوش ہونے کے رونے لگی اور منہ چھپائے روتی ہوئی بہت جلدی گھر آ گئی۔ ابا جان گھر میں پہلے ہی سے موجود منتظر تھے مجھے روتے دیکھ کر پوچھنے لگے کہ بیٹا کیا ہوا ہے کیا فیل ہو گئیں۔ میں نے روتے ہوئے کہا نہیں۔ تو پوچھنے لگے کہ آخر پھر کیا ہوا ہے میں نے بہت زیادہ رونے کے بعد بتا دیا کہ پتہ نہیں میرے نام کے ساتھ ہیڈ مسٹریس نے اللہ دتہ کا نام لگا دیا ہے اس پر جو میرے ابا جان ہنسے آج تک یاد ہے مجھے سینے سے لگا لیا کہ بیٹا یہ تمہارے ابا جان کا نام ہے مجھے چونکہ یہی پتہ تھا کہ ابا جان کا نام ابوالعطاء جالندھری ہی ہے مجھے اللہ دتہ ذرا پسند نہ آیا میں نے پوچھا تو پھر انہوں نے یہ کیوں کہا؟ اس پر انہوں نے ساری بات بتائی کہ ان کا اصلی نام اللہ دتہ ہی تھا اور یہ نام ان کی پھوپھو نے پیار سے ان کے پیدا ہونے پر دیا تھا کیونکہ ان سے پہلے کئی بہن بھائی فوت ہو گئے تھے اور ابا جان ہی ہمارے دادا جان کی زندہ رہنے والی اولاد میں سے پہلے تھے اور پرانے سلسلہ کے سب بزرگ اور جماعت کے افراد ان کو اسی نام سے جانتے ہیں۔ پھر ابا جان نے مجھے مزید خوش کرنے کے لئے یہ بھی بتا دیا کہ یہ نام کس طرح اور کب بدلا اور کس نے بدلا کہ ایک بار 1936ء میں ابا جان نے ایک مقالہ لکھکر حضور حضرت فضل عمرؓ کو اصلاح کے لئے دیا آپ نے پڑھ کر اس کے آخر میں ایک نوٹ لکھا کہ مقالہ بہت اعلیٰ معیار کا ہے مگر آخر میں آپ کا نام پڑھ کر مزا کرکرا ہو گیا۔ آپ اپنے آپ کو ابوالعطاء کیوں نہیں کہلاتے جبکہ دونوں بڑے بھائی بھی تھے اور ان کے نام عطاء ہی سے شروع ہوتے ہیں عطاء الرحمن اور عطاء الکریم یہ تو تھی نام کی بات۔ حضرت ابا جان کی شخصیت سے جماعت کی اکثریت بخوبی واقف ہے آپ کی تحریر اور تقریر کا ملکہ جو آپ کو خدا نے ودیعت کیا تھا آپ کی اپنی مثال تھا۔ آپ کو بچوں سے بے حد پیار اور محبت تھی سب بہن بھائیوں کو ایسے ہی لگتا ہوگا کہ ابا جان اس کو ہی زیادہ پیار کرتے تھے مگر مجھے یہ لگتا ہے کہ مجھے ان سے اور ان کو مجھ سے بہت زیادہ پیار تھا آج میں ان سے پیار کی باتوں کی چند جھلکیاں فادرز ڈے کی یاد میں لکھنے بیٹھی ہوں۔ مئی کا مہینہ تو ویسے ہی ساری جماعت کو اپنے روحانی باپ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کے رخصت ہونے کا غم یاد دلاتا ہے مگر میرے تو روحانی اور جسمانی دونوں باپوں نے ہی ایک ہی ماہ میں یعنی مئی میں جانے کے لئے چنا بلکہ ہماری قابل صد احترام دختر نیک اختر حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ بھی اسی ماہ میں ایک ہفتہ قبل اُس سال فوت ہوئی تھیں۔ ویسے تو میں ہر روز ہر نماز میں ہی ابا جان کی بلندیٔ درجات کے لئے دعا کرتی ہوں مگر ماہ مئی شروع ہوتے ہی مجھے ان کی یاد تڑپانا شروع کر دیتی ہے حتیٰ کہ ماہ مئی پورا ہو جاتا ہے اور 29 مئی کا دن بھی گزر جاتا ہے مگر یاد تو کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ۔

اور بڑھ جاتی ہے بے تابیٔ دل جس نام کے ساتھ
دل کو تسکین بھی ملتی ہے اسی نام کے ساتھ

کچھ میرا حال بھی یہی ہوتا ہے۔ نام کی بات چلی تو اپنے نام کا ذکر بھی کرتی چلوں کہ حضرت ابا جان نے کئی بار مجھے بتایا اور اب تک ہماری امی جان بتاتی رہتی ہیں (اللہ میاں ان کی صحت و عمر میں برکت دے) کہ جس روز میں پیدا ہوئی اور نام رکھوانے کے لئے ابا جان حضرت فضل عمرؓ کے پاس گئے تو حضور نے فرمایا کہ بیٹی کا نام امۃ الباسط رکھیں میری بھی ایک بیٹی کا نام امۃ الباسط ہے۔ اور اتفاق سے یہاں پر کئی بار ان دونوں ناموں کا ذکر بھی ساتھ ساتھ ہوا ہے کہ دو تین بار جب میں نے مشن ہاؤس فون کیا اور آپریٹر صاحب نے پوچھا کہ آپ کون محترمہ ہیں اور میرے بتانے پر کہ میں امۃ الباسط ہوں اور بیگم صاحبہ سے بات کرنا ہے تو جھٹ پوچھتے ہیں بی بی! آپ ربوہ سے بول رہی ہیں یا HEATHROW ایئرپورٹ سے۔ کیونکہ اُن دنوں بی بی امۃ الباسط جو حضور خلیفہ رابع رحمہ اللہ کی ہمشیرہ محترمہ تھیں، لندن آنے والی تھیں اس پر پھر مجھے ابا جان کے نام رکھوانے والی بات یاد آ جاتی ہے کہ میری بیٹی بھی امۃ الباسط ہے اور میں ہزاروں خیالوں میں کھو جاتی ہوں کہ میں کہاں اور وہ پیاری اور مبارک بی بی جس کی آپریٹر صاحب بات کر رہے تھے کہاں؟ پھر ابا جان نے یہ بھی کئی بار ذکر کیا کہ جس روز میں پیدا ہوئی اسی روز ان کو جامعہ احمدیہ قادیان کا پرنسپل مقرر کیا گیا شاید بیٹیوں کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ خوشیاں دوبالا کر دیتا ہے۔ ابا جان بیٹیوں سے بیٹوں سے بڑھ کر پیار کرتے تھے میری شادی بھی جب کی تو بہت اداس ہو گئے اور اتنی کثرت سے مجھے افریقہ خط لکھا کرتے تھے کہ میرے سسرال والے بھی حیران ہوتے تھے کہ مولوی صاحب کو کیسے وقت مل جاتا ہے

جبکہ اکثر آپ کے خطوط میں یہی لکھا ہوتا تھا کہ میں دفتر میں بیٹھا یہ لکھ رہا ہوں۔ بلکہ ان کا آخری خط جو ہم دونوں بہنوں امۃ المجیب جاوید اور میرے نام لکھا ہو املا دفتر سے ہی لکھا ہوا تھا۔ اور عین وفات کے دن لندن پہنچا تھا جبھی تو میں ان کی وفات کی خبر کا یقین نہ کر سکی۔ خبر سنتے ہی گھنٹوں تک کے لئے بے ہوش ہوگئی۔ ایک شفقت اور پیار کا واقعہ خطوں کے سلسلہ میں یاد آیا کہ ایک بار ابا جان نے ہم دونوں کے نام ایئر لیٹر لکھا جس کے شروع میں یوں مخاطب کیا ہوا تھا عزیزم نور چشم افتخار احمد ایاز صاحب وعزیزہ امۃ الباسط صاحبہ یہ خط پڑھ کر میں بہت روئی میرے میاں پوچھنے لگے کہ خط میں تو ایسی کوئی بات نہ تھی آپ کیوں اس قدر رو رہی ہیں؟ اور شدت سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی آخر یہ بتاتے بتاتے ہچکی لگ گئی کہ ابا جان کی تو میں بیٹی تھی مجھے صرف عزیزہ لکھا ہے اور آپ کو نور چشم ...... مجھے ابا جان سے پیار کا یہ عالم تھا کہ افتخار صاحب نے بہت سمجھایا کہ آپ کی وجہ سے میں ابا جان کا نور چشم بنا ہوں اور آپ رو رہی ہیں۔ ایسی ایسی کئی مثالیں پیار کی ہیں۔ ایک بار جبکہ میں پہلی بار افریقہ سے ربوہ واپس گئی ہماری بیٹی عزیزہ امۃ الرافع اور میری بھتیجی عزیزہ امۃ الواسع تقریباً ہم عمر ہیں ابا جان دونوں کو بہت پیار کرتے اور چاہتے تھے۔ دونوں تھیں بھی پلوٹھی کی بیٹیاں۔ ایک دن دونوں کو اٹھائے ٹہل رہے تھے کہ بھائی جان نے کہا چلیں ابا جان آپ کی تصویر لیتے ہیں پوتی اور نواسی کے ساتھ جبکہ اس وقت نواسی دائیں ہاتھ میں اور پوتی بائیں میں تھی جھٹ بازو بدلنے لگے کہ پوتی کو دائیں اٹھانا چاہئے اور رافع کو بائیں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہنے لگے کہ نواسی کو بائیں ہاتھ کر لیتے ہیں کہ دل کے ساتھ رہے اور میری طرف دیکھتے بھی جاتے تھے۔ اللہ اللہ! کتنا پیارا انداز تھا پیار کے اظہار کا آج بھی یاد آتی ہیں یہ باتیں تو دل بھر آتا ہے اللہ تعالیٰ میرے ابا جان کے درجات بلند سے بلند کرتا چلا جائے۔ میرے اپنے بچپن میں صرف ایک بار ابا جان کا ڈانٹنا اور ناراضگی کا اظہار کرنا یاد ہے جبکہ میں صرف 6 سال کی تھی اور احمد نگر میں ہمارے گھر میں جو سکول امی جان محترمہ نے کھولا تھا اس میں پڑھتی تھی کہ میرے کپڑے بہت کم تھے اور جو مجھے پہننے کے لئے امی جان نے دئے مجھے پسند نہ تھے اور میں ضد کر کے روٹھ گئی اور سکول نہ گئی بلکہ ڈیوڑھی میں سیڑھیوں کے پاس کھڑی روتی رہی جبکہ چھت پر دوسری بچیاں اپنے اپنے سبق یاد کر رہی تھیں کہ اچانک دروازہ کھلا اور پیارے ابا جان کسی کام سے جامعہ احمدیہ سے گھر آئے مجھے دیکھ کر پوچھا کیا ہوا کافی غصہ میں تھے میں نے وہی اپنے لاڈ میں شکایت کی امی جان نے مجھے کہا کہ ان کپڑوں میں سکول جاؤ اور ابا جان دیکھیں یہ کیسے خراب ہیں مجھے ذرا پسند نہیں اس لئے یہاں کھڑی ہوں کہ آج میں نے سکول نہیں جانا کہنے لگے کہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم سکول نہ جاؤ گی جو امی جان نے کہا ہے چلو جلدی کرو اور انہیں کپڑوں میں جاؤ سکول۔ میں نے مزید رو کر کہنا چاہا آپ مزید ناراض ہوئے اور کافی ڈانٹا کہ میں ویسے ہی سسکیاں لیتی ہوئی کوٹھے پر لگے سکول میں جا شامل ہوئی۔ ساری لڑکیاں مجھے دیکھ کر پریشان بھی ہوئیں اور ہمدردی بھی کرنے لگیں۔ مگر مجھے وہ دن اور آج کا دن ان کا ڈانٹنا اور پھر رات کو پیار کرنا اور سمجھانا کبھی نہیں بھولتا۔ اس طرح امی جان کی کہی ہوئی ہر ہر بات کو ویسے ہی ماننا فرض اولین جانتی ہوں۔ ایک بات اگر بتاؤں کچھ اُس دَور کے پڑھنے والے کچھ اِس دَور کے پڑھنے والے حیران بھی ہوں گے یا شاید یقین بھی نہ کریں کہ جب ہم ربوہ میں رہا کرتے تھے ہمیں اجازت نہ تھی کہ ہم بازار سے کوئی بھی چیز خریدنے خود جائیں حتیٰ کہ جوتوں کی خریداری بھی گھر بیٹھے ہی کیا کرتے تھے۔ رشید بوٹ ہاؤس والے ہر سائز کے جوتوں کے ایک ایک پاؤں تھیلے میں بھر کر ہمارے گھر دے جاتے تھے اور اگلے دن ہماری پسند کا اور سائز کا پوچھ کر واپس تھیلا لے جاتے تھے اور ہمارے جوتے ہمارے گھر بھجوا دیتے تھے۔ اسی طرح گھر کا سودا سلف لانے کے لئے ہماری امی جان کو صرف لسٹ بنا کر دینا ہوتا تھا۔ ایک دن میں نے جبکہ میں اپنے گھر والی ہوگئی تھی امی کو کافی لمبی چوڑی لسٹ بنا کر دیتے دیکھ کر کہا کہ ابا جان آپ کو پتہ ہے کہ کتنے روپوں کی یہ چیزیں آئیں گی یہ بات کہیں ابا جان جو صحن میں چک کے پیچھے وضو کر رہے تھے میری بات سن کر اندر آ گئے اور کہنے لگے کہ تم اپنی امی کو لکھنے دیا کرو جو بھی چیزیں لکھ دیتی ہیں ان کو چیزوں کی قیمتوں سے نہ ڈراؤ۔ ابا جان کی عادت تھی کہ بڑی فراخدلی سے خرچ کرتے تھے اور کبھی کبھی بالکل خالی ہاتھ ہوجاتے اور آخری روپے کا نوٹ بھی بٹوے سے نکال کر کسی ضرورت کے لئے ہمیں دے دیتے تو ہم قدرے پریشان ہوجاتے کہ اب کیا ہوگا مگر اس پیاری ہستی کے چہرے پر کبھی ذرا بھی فکرمندی کے آثار نہ دیکھے نہ سنے بلکہ خوش ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ چیز

جمع نہ رکھو اس کو خرچ کرو کیونکہ اللہ میاں تو دیکھتا ہے کہ ابھی موجود ہے اس لئے کیسے اور دے جب ختم ہو جائے تو آپ دعا کرو اور مانگو تو ضرور اور جلد دیتا ہے اور اکثر ایسے ہی ہم نے ہوتے دیکھا ہے کیسی پیاری بات ہمیں سمجھا گئے ہمارے پیارے ابا جان ۔ ایک بڑی پیاری ادا ابا جان کی یہ تھی کہ جب بھی باہر سے گھر آتے سفر سے خاص طور پر اور دفتر سے بالعموم آتے ہوئے کچھ نہ کچھ کھانے پینے کی چیز ضرور خرید کر لاتے ۔ زیادہ دنوں کے بعد اگر گھر آتے تو ضرور کپڑے یا مٹھائی یا گھر کے استعمال کی کوئی چیز لاتے ۔ ایک بار امی جان کے لئے کافی بڑے بڑے پھولوں والا سوٹ لائے امی جان نے اس کو دیکھ کر کچھ زیادہ پسند نہ کیا تو کہنے لگے مجھے تو عورتوں کے کپڑوں اور پسند کا نہیں پتہ نا میں تو دوکاندار کو کہہ دیتا ہوں جو سوٹ سب سے قیمتی اور اچھا ہے دے دو جو اس نے دے دیا میں لے آیا یہ تو تھی سادگی اور جب دفتر سے آتے ہوئے اگر کچھ نہ ملا تو ٹماٹر ہی اپنے رومال میں باندھے لئے آ رہے ہیں ۔ وگرنہ اکثر فروٹ یا ٹھنڈا پانی پینے کے لئے (جب تک گھر میں فرج نہ تھا) برف ہی رومال میں باندھے لے آتے تھے جبھی ہم منتظر ہوا کرتے تھے کہ ابا جان ضرور کچھ لائے ہوں گے ۔ خالی ہاتھ گھر آنا انہیں پسند نہ تھا میرے بچپن کا مگر میرے ہوش سنبھالنے کا ایک واقعہ جو ابا جان نے میرے بچوں کو بھی بتایا کہ قادیان میں نماز فجر کے بعد جب آپ تلاوت کیا کرتے تھے میں پاؤں پاؤں چلتے ہوئے ان کے پاس آ جایا کرتی تھی کہ اس دوران میں روزانہ بلا ناغہ ایک آدمی جورس، بند، بسکٹ اور بریڈ بیچا کرتا تھا اپنی مخصوص آواز لگاتا ہوا آ جاتا اور میں اس آواز سے چوکنا ہو جاتی اور آپ اٹھ کر ضرور اس سے کچھ نہ کچھ خریدتے اور میں خوشی خوشی لفافہ بھرا ہوا لیکر امی جان کے پاس لے جاتی ۔ یہ معمول روز ہوتا رہتا۔ ایک دن جبکہ آپ نے کیک بسکٹ بیچنے والے کی دو تین بار لمبی لمبی آوازیں تانیں سنیں اور کچھ نہ خریدا اور اس دوران میں ان کے منہ کی طرف دیکھتی رہی اور بے اختیار کہہ اٹھی کہ " آپیں کھائے" یعنی خود ہی کھا لو تو ابا جان بڑے پیار سے ذکر کرتے تھے مجھے بہت مزا آیا ۔ یہ بات سن کر اور میں اٹھا اور اس آدمی کو بلایا اور ڈھیر سارے بسکٹ اور کیک خرید کر مجھے دیئے ۔ اگرچہ مجھے یہ واقعہ بالکل یاد نہیں امی جان بتاتی ہیں کہ تم اس وقت تین سال کی تھی ۔ مگر اس واقعہ کو ہمارے گھر میں اتنی بار یاد کیا گیا ہے کہ مجھے بھی یوں لگتا ہے کہ مجھے یاد ہے ۔ اور میں بھی ایسے ہی لطف اندوز ہوتی ہوں ابا جان نے ساتھ ہی اس آدمی کو یہ بات بھی بتائی اور کہا کہ تم نہ کھاؤ ہم کھائیں گے اور اپنی بیٹی کو کھلائیں گے شاید مقرر اور مناظر کو حاضر جواب اور برجستہ جواب دینے کی بھی صلاحیت اللہ تعالیٰ دیتا ہے ۔

میری دوسری بیٹی بشریٰ ایاز جو صرف چند ماہ کی تھی اکثر جب کوئی اس سے کوئی چیز چھین لیتا یا کبھی گود میں نہ لیتا تو زور زور سے چیخیں مارا کرتی تھی اور ابا جان کو اچھا نہ لگتا تھا ۔ مجھے کئی بار کہا کہ اس کو منع کرو کیوں ایسے چیختی ہے یا اس بچی کی بات کو جلدی پوری کیا کرو ۔ ایک بار میں اس کو چھوڑ کر کہیں باہر کام سے گئی ہوئی تھی آنے پر سب نے ہی مجھ سے شکایت کی کہ یہ بہت چیخیں مارتی ہے میں بھی لاڈ کی پلی تھی اور پھر ابا جان سے ہر بات کہنے کی بھی جرأت رکھتی تھی جھٹ جھنجلا کر کہہ دیا ابا جان آپ ہی نے تو اس کو گھٹی دی تھی اب میں کیا کروں فوراً کہنے لگے بیٹا یہ تقریریں بہت اچھی کرے گی ۔ بھلا انہیں کیسے پتہ تھا کہ آج جبکہ میں اس بچی کو تقریر کرتے سنتی ہوں تو یاد آتا ہے کہ یہ تو عزیزہ کے نانا نے بہت سال قبل کہا تھا ۔ اکثر بچوں میں جھگڑے کی عادت ہوتی ہے ۔ یا چیز سے حصہ لیتے وقت زیادہ حصے پر نظر ہوتی ہے اس بات کو ہمارے گھر میں اس طرح ختم کرنا سکھایا تھا کہ گرمیوں میں خربوزوں کی بوری بھر کر آتی تو دوپہر کے کھانے کے بعد امی جان پچیس تیس خربوزے کاٹ کر سب پھانکوں کو ملا کر جتنے ہم سب تھے ہر ایک کے حصے کی ڈھیری میں پھانکیں رکھ دی جاتیں اور ایک بڑے تھال کو سامنے رکھ کر ہم میں سے کسی ایک کو کہا جاتا کہ دیوار کی طرف منہ کر لو اور امی جان ایک ایک ڈھیری پلیٹ میں رکھ کر اس سے پوچھتیں کہ یہ کس کو دیں وہ جس کو کہتا آپ پکڑاتی جاتیں ۔ پھر دوسری اور تیسری اس طرح سب کو حصے کر کے دیئے جاتے اور ہمیں زیادہ یا کم حصہ پر جھگڑنا نہ سکھایا ۔

ایک مرتبہ میں نے اپنے بیٹے انتصار ایاز کے بچپن کی شرارتوں اور بہنوں کو کھیلتے ہوئے تنگ کرنے کی شکایت ابا جان سے کی تو فرمایا کہ اس بچے کو کبھی

ڈانٹ ڈپٹ نہ کیا کرو بڑا سمجھدار ہے صرف اس کے لئے دعا کرو ساتھ ہی سمجھایا کہ دعا سے اصل میں بچوں کی تربیت ہوتی ہے دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کیا ڈر تھا کہ ان کی اولاد بگڑے گی مگر دیکھو حضورؑ نے کس قدر دعائیں کی ہیں اپنی اولاد کے لئے ہمارے اباجان ہمارے بہترین دوست بھی تھے ہمارے ساتھ بارہ ٹہنی بھی کھیلتے اور ہارنے والے کو حلوہ کھلانا مقرر تھا جیتنے والے کو سارے ہی انعام دیتے ہیں ہارنے والے کو آج حلوہ کھلائیں گے خود کبھی نہیں ہارتے تھے شکار کے بے حد شوقین تھے اور اچھے شکاری اور نشانہ باز تھے شکار کا گوشت جو اکثر کبوتر اور فاختہ ہی ہوتے تھے تحفے میں عزیزوں اور دوستوں کو بھجوایا کرتے تھے رات کو خواہ کتنی ہی دیر سے شکار سے واپس آتے خواہش ہوتی کہ ابھی تیار ہو تو کھانا کھائیں اسی لئے ہماری امی جان بھی بڑی پھرتی سے شکار کا تھیلا ہاتھ سے لیکر سب دوسرے کام چھوڑ کر شکار بنانے بیٹھ جاتیں اور اس کے ساتھ گرم گرم پھلکے بنا کر کھلا کر خوش ہوتیں اباجان گھر کے آرام اور سادہ روٹی سالن پر بہت خوش ہوتے تھے اکثر سفر سے پروگرام سے پہلے گھر یعنی بغیر اطلاع کے آنے پر دال ہی پکی ہوئی ملتی تو بھی وہ کھا کر اس قدر خوش ہوتے اور بار بار الحمدللہ تقریباً ہر لقمہ کے بعد پڑھتے اور کہتے جاتے کہ اللہ نے جو مزا اور سکون گھر میں رکھا ہے کہیں نہیں۔ پچھلا سارا ہفتہ اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا کھانے میں گزرا مگر گھر میں بچوں کے پاس آن کر یہ دال روٹی کا جو مزا ہے اس کا جواب نہیں۔

آپ اتنی کثرت سے الحمدللہ کہتے تھے کہ میری چھوٹی بہن امتہ الرفیق نے یہ سیکھا کہ کھانا کھانے کے بعد الحمدللہ پڑھتے ہیں تو کہنے لگی کہ اباجان نے الحمد للہ پڑھ لی ہے پھر بھی کھاتے جاتے ہیں اس کو بتانا پڑا کہ ہر لقمے کے بعد پڑھتے ہیں۔ کھانے کی بات ہو رہی ہے، اپنے اباجان کا مجھ سے پیار اور تربیت کا ایک نہایت پیارا واقعہ بتادوں تو شاید کسی اور میرے جیسے لاڈلے اور ناز کے پالے یا بگڑے کے لئے سبق ہو وہ یہ کہ ایک دفعہ جبکہ ہم احمد نگر میں رہتے تھے رات کے کھانے کے لئے گھر میں مچھلی پکی اور چھوٹے چھوٹے کانٹوں والی تھی ۔ ہماری امی مچھلی کا سالن بہت ہی مزے کا بناتی ہیں ویسا ہی مزے کا ہوگا مگر میں نہ پسند کرتی تھی کہ اس میں کانٹے تھے بس غصے میں بھوکی ہی سوگئی کہ آپ نے کانٹوں کے بغیر مچھلی یا ایک ہی کانٹے والی مچھلی کیوں نہیں پکائی میں نے کھانا نہیں کھانا۔ اس پر بس نہ سمجھئے گا رات گئے جب اباجان عشاء کی نماز کے بعد کی میٹنگ میں شمولیت کے بعد گھر آئے تو امی جان نے ان کو کھانا دیا اور اس دوران کہیں میری شکایت بھی ہوگئی پھر کیا تھا کہ اباجان نے مجھے جگایا اور مچھلی سے چھوٹے چھوٹے کانٹے اپنے ہاتھوں سے الگ کر کے مجھے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا اور ساتھ ساتھ سمجھاتے رہے کہ بیٹا جو گھر میں پکے خوش ہو کر کھاتے ہیں مگر میں ضرور کوشش کیا کروں گا کہ آئندہ سے گھر میں مچھلی عمدہ قسم کی ہی آیا کرے۔ میں صدقے جاؤں اس پیار کرنے والے اباجان کی شفقت کے جنھوں نے ہمیں یہ سب سکھایا اور بتایا۔

ایک بار گھر کے صحن میں دو چھوٹے بچے آپس میں جھگڑ رہے تھے ایک نے دوسرے کو چوہا کہا تو دوسرے نے جواباً اس کو چوڑا (جمعدار) کہہ کر اپنا بدلہ لیا یہ جھگڑے کے الفاظ اور القاب جب اباجان کے کانوں میں پڑے تو بیٹھک سے اٹھ کر باہر آ گئے اور دونوں کو پکڑ کر ساتھ ساتھ کھڑا کیا اور سختی سے نہیں بلکہ پیار سے مسکراتے ہوئے کہا کہ لڑائی کرتے ہوئے چوڑا بے شک کہہ لیا کرو مگر چوہا نہ کہا کرو چوڑا کم از کم انسان تو ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سننا بھی برداشت نہ کر سکتے تھے کہ کوئی کہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے کہا کرتے تھے مجھے یہ لفظ ''جھوٹ'' بڑا ہی سخت تکلیف دیتا ہے اگر یہ کہہ دو کہ اس نے وہ بات غلط کہی ہے تو قدرے اس بات میں نرمی تو ہوتی ہے۔

اب ایک آخری اور اباجان کے پیار کی یاد جو آج بھی عیدوں کی آمد سے دل میں چٹکیاں لیتی ہے وہ یہ ہے کہ جب میں شادی کے بعد افریقہ چلی گئی اور پہلی بار تین سال کے بعد واپس آئی تو ایک روز نہایت پیار سے اباجان نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور سب سے الگ چپکے سے میرے ہاتھ میں تیس روپے دیئے جن میں پانچ پانچ روپے کے نئے نوٹ تھے میں نے پوچھا اباجان یہ کیا تو کہنے لگے کہ بیٹا تمہارے افریقہ جانے کے بعد پوری چھ عیدیں تمہارے بغیر گزری ہیں اور یہ تمہاری عیدی ہے جو میں باقی سب عزیزوں کو بھی دیا کرتا ہوں۔ جب بھی سب کو دیتا تھا اور تم یاد آتی تھیں تو تمہاری عیدی میرے پاس جمع ہے اور پھر گلے لگا کر بہت پیار کیا اب بھی یہ بات دل کو رہ رہ کر یاد آتی ہے کہ

ان پانچ روپوں کے ساتھ جو پیار ملا کرتا تھا کہاں سے ملے گا اسی طرح کی بے شمار پیاری پیاری اور انوکھی باتیں جن سے ان کا بیٹیوں سے پیار اور ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا خیال عیاں ہے۔

مَیں یہ فادرز ڈے جو ہر سال یہاں لندن میں جون میں منایا جاتا ہے، اپنے ابا جان کی یاد میں یہ مضمون لکھ رہی ہوں۔ باقی پھر کبھی موقع ملنے پر لکھوں گی اس وقت سب کو صرف یہ بھائیوں کی بات بتادوں کہ کبھی کبھی ان کو شکوہ ہوجاتا تھا کہ ابا جان ہماری بہنوں کی بہت زیادہ حمایت اور ہمدردی اور پیار کرتے ہیں جبھی ''مقامات النساء'' لکھی ہے جس میں ماؤں بہنوں اور بیٹیوں اور بہوؤں کے ساتھ سلوک کی احادیث ہیں۔ آپ نے تو خود صنف نازک سے حسن سلوک کر کے اس کی مثال قائم کی تھی جبھی بھائی جان عطاء الکریم شاہد صاحب نے تو کہہ ہی دیا کہ ابا جان آپ ایک کتاب مقامات الرجال بھی لکھ دیں ...... بالآخر میں اس عظیم باپ کی بیٹی کی حیثیت سے تو کچھ بھی ان کی خدمت نہ کرسکی اب صرف دعائیں ہی ہیں جو میں کرسکتی ہوں اور ان کے لئے دن رات کرتی ہوں اور بہت یاد کرتی ہوں اللہ میاں میرے ابا جان کے درجات بلند کرتا چلا جائے اور ہمیں ان کی تمام خوبیوں کو اپنانے کی توفیق عطا کرے اور جو دعائیں انہوں نے ہمارے لئے کی ہیں ہمارے حق میں قبول ہوں نیز یہ بھی دعا کی درخواست ہے کہ اللہ میاں ہماری پیاری امی جان کے درجات بھی ہمیشہ بلند کرتا رہے۔ اور ہمیں اپنے عظیم والدین کے نقش قدم پر

رزقِ حلال کی برکت

(نعیم طاہر سون)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (المومنون:52)

اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو اور نیک اعمال بجالاؤ۔

حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''میں نے اپنے بندوں کو جو مال دیا ہے۔ وہ ان کے لئے حلال ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا۔ بعد میں شیاطین ان کے پاس آئے اور ان کو ان کے دین سے متعلق گمراہ کر کے رکھ دیا اور جو چیزیں میں نے اپنے بندوں کے لئے حلال کر رکھی تھیں وہ ان پر حرام کر دیں''

(تفسیر ابن کثیر جلد 1 ص 267)

کسب حلال اور رزق طیب کی بے شمار برکات ہیں۔ جب حلال لقمہ انسان کے پیٹ میں جاتا ہے تو اس سے خیر کے امور صادر ہوتے ہیں۔ بھلائیاں پھیلتی ہیں، وہ نیکیوں کی اشاعت کا باعث اور سبب بنتا ہے۔

اس کے برعکس حرام غذا انسانی جسم کو معطل کر دیتی ہے۔ نور ایمانی بجھ جاتا ہے دل کی دنیا ویران اور بنجر ہوجاتی ہے۔ شیطان دل پر قابض ہوجاتا ہے پھر ایسا انسان معاشرے کے لئے نقصان دہ بن جاتا ہے اس سے نیکی اور بھلائی کے امور سرانجام نہیں پاسکتے۔ حلال وحرام کا یہ کھلا کھلا فرق اس حد تک اثر انداز ہوتا ہے کہ طیب و پاکیزہ کمائی کھانے والا عنداللہ مقبول و مستجاب بن جاتا ہے جبکہ حرام کھانے والا اللہ کے ہاں مردود ٹھہرتا ہے۔ دراصل سائنس کی رو سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ جونہی انسان حرام کماتا ہے یا مال حرام کھاتا ہے اس کے اندر منفی جذبات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اسے کئی روحانی وجسمانی بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ اس کی واضح مثال شادی کرنے والے فرد کی ہے جو ہر قسم کی فرحت وراحت محسوس کرتا ہے اور صحت مند ہوتا چلا جاتا ہے جبکہ حرام کار بالآخر خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ حالانکہ بظاہر دونوں کام ایک ہی کرتے ہیں لیکن حلال وحرام کے فرق سے نتائج بھی بالکل ایک دوسرے کے برعکس نکلتے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے عرض کی یارسول اللہؐ! میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مستجاب الدعوات بننے کی دعا فرمادیں۔ آپؐ نے فرمایا: اے سعد! اپنا کھانا پاکیزہ اور حلال رکھو تم مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمؐ کی جان ہے حقیقت یہ ہے کہ جو آدمی اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں کی جاتی۔ جس بندے کی نشوونما

حرام اور سود کے مال سے ہوئی ہو۔جہنم کی آگ اس کے زیادہ لائق ہے۔
(تفسیر ابن کثیر جلد 1 ص 267)

رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے آدمی کا تذکرہ فرمایا جو لمبے سفر میں پراگندہ حال اور غبار آلود ہوتا ہے اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے کہہ رہا ہو، اے میرے رب! اے میرے رب! جبکہ (حقیقت حال یہ ہو کہ) اس کا کھانا پینا اور اوڑھنا سب حرام ہے اور حرام کی غذا اسے مل رہی ہو سو اس حالت میں اس کی دعائیں کیسے قبول ہو سکتی ہیں؟
(مشکوٰۃ: حدیث 241)

آپؐ نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں انسان اس بات کی طرف دھیان نہیں دے گا کہ وہ جو مال حاصل کر رہا ہے۔حلال ہے یا حرام۔

(مشکوٰۃ:241)

جب انسان اکل حرام کھاتا ہے اور اکل حلال کو نظر انداز کر دیتا ہے تو صبر وقناعت زُہد و ایثار اور جفاکشی کی جگہ حرص و ہوس اور عیش کشی کو اپنا مطمحِ نظر بنا لیتا ہے تو اللہ رب کریم کی طرف سے نازل ہونے والی برکت ختم ہو جاتی ہے۔کثرت، قلت میں محسوس ہونے لگتی ہے۔قارون کا خزانہ بھی اسے کم لگتا ہے۔یہی وجہ ہے جب وہ اپنا ناپاک مال خدا کے رستے میں خرچ کرتا ہے وہ قبول نہیں کیا جاتا۔کھاتا ہے تو جسم بے شمار بیماریوں کا مجموعہ بن جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا وہ جسم جنت میں نہیں جائے گا جس کو حرام مال سے غذا پہنچائی گئی ہو۔
(مشکوٰۃ: حدیث 243)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے وہ انسان جنت میں نہیں جائے گا جس کے جسم کی پرورش مال حرام سے ہوئی ہے اور ہر وہ شخص جس کے جسم کی پرورش مال حرام سے ہوئی ہو اس کے لئے جہنم کی آگ زیادہ مناسب ہے۔
(مشکوٰۃ: حدیث 243)

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

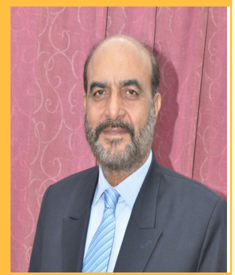
پس ہمیشہ دیکھنا چاہئے کہ ہم نے تقویٰ وطہارت میں کہاں تک ترقی کی ہے۔اس کا معیار قرآن ہے۔اللہ تعالیٰ نے متقی کے نشانوں میں ایک نشان یہ بھی رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی کو مکروہات دنیا سے آزاد کر کے اس کے کاموں کا خود کفیل ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ: وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ۔(الطلاق 3،4) جو شخص خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک مصیبت میں اس کے لئے ایسے روزی کے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے علم و گمان میں نہ ہوں، یعنی یہ بھی ایک علامت متقی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی کو نابکار ضرورتوں کا محتاج نہیں کرتا۔مثلاً ایک دکان دار یہ خیال کرتا ہے کہ دروغ گوئی کے سوا اس کا کام ہی نہیں چل سکتا ،اس لئے وہ دروغگوئی سے باز نہیں آتا اور جھوٹ بولنے کے لئے وہ مجبوری ظاہر کرتا ہے، لیکن یہ امر ہرگز سچ نہیں۔خدا تعالیٰ متقی کا خود محافظ ہو جاتا ہے اور اسے ایسے مواقع سے بچا لیتا ہے جو خلاف حق پر مجبور کرنے والے ہوں۔یاد رکھو خدا تعالیٰ کو جب کسی نے چھوڑا، تو خدا نے اسے چھوڑ دیا۔جب رحمان نے چھوڑ دیا، تو ضرور شیطان اپنا رشتہ جوڑے گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ فرماتے ہیں۔

’’حرام خوری اور مال بالباطل کا کھانا کئی قسم کا ہوتا ہے۔ایک نوکر اپنے آقا سے پوری تنخواہ لیتا ہے مگر وہ اپنا کام سستی یا غفلت سے، آقا کی منشاء کے موافق نہیں کرتا تو وہ حرام کھاتا ہے۔ایک دکاندار یا پیشہ ور خریدار کو دھوکہ دیتا ہے اسے چیز کم یا کھوٹی حوالے کرتا ہے اور مول پورا لیتا ہے تو وہ اپنے نفس میں غور کرے کہ اگر کوئی اسی طرح کا معاملہ اس سے کرے اور اسے معلوم بھی ہو کہ میرے ساتھ دھوکہ ہوا تو کیا وہ اسے پسند کرے گا؟ ہرگز نہیں جب وہ اس دھوکہ کو اپنے خریدار کے لئے پسند کرتا ہے تو وہ مال بالباطل کھاتا ہے۔اس کے کاروبار میں برکت ہرگز نہ ہوگی‘‘

اللہ تعالیٰ ہمیں مال حلال کھانے، کمانے اور بنانے کی توفیق دیتا رہے اس کا ہمارے جسم و جان اور روح پر مثبت اثر ہو اور انسان نیکیوں، بھلائیوں میں ترقی کر کے جنت میں داخل ہو سکے۔کیونکہ صادق مخبر نے فرما دیا ہے۔

وہ جسم جنت میں نہیں جائے گا جس کو مال حرام سے غذا پہنچائی گئی ہو۔
(بحوالہ الفضل روزنامہ لندن)



معروف شاعر بے باک صحافی اور بے مثال استاد

پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد کی شخصیت اور زندگی کا ارتقائی سفر



ترتیب و تلخیص شہزادہ مبشر گلاسگو (سکاٹ لینڈ)

ہمارے ایک دوست اور معروف علمی ادبی شخصیت جناب پروفیسر ڈاکٹر سید شبیہ الحسن زیدی صاحب جن کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں جنہوں نے تقریباً دس سال قبل اپنی کتاب نیرنگ حقیقت خاکسار کو عنایت فرمائی تھی ہم ان کی محبتوں کے ممنون ہیں انہوں نے حال ہی میں ہمارے ایک مشاعرے کی صدارت بھی فرمائی انہوں نے ہمارے ایک معروف شاعر بے باک صحافی اور بے مثال استاد پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد کی شخصیت اور زندگی کے ارتقائی سفر کے بارے میں روایت اور جدت کے علمبردار اور عہد ساز مجلہ نیرنگ خیال جولائی 2006ء میں ایک خوبصورت مقالہ تحریر فرمایا۔ محترم ڈاکٹر سید شبیہ الحسن زیدی صاحب اور نیرنگ خیال کے شکریہ کے ساتھ تلخیص پیش خدمت ہے۔

شہزادہ مبشر۔

عصر حاضر میں ایسے خلیق کاروں کی کی بے حد محسوس کی جا رہی ہے جو سنجیدگی سے علم و ادب کی آبیاری میں مصروف ہوں۔ اس کا بنیادی سبب شاید یہ ہو کہ علم و ادب کے شیدائیوں کے لئے اب ہمارے تجارتی معاشرے میں کوئی جگہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ یہ دنیا جغرافیائی اعتبار سے تو شاید ایک گلوبل وو یلیج بن گئی ہو مگر فکری تخلیق کاروں میں آج بھی بعد المشرقین موجود ہے۔ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجے کہ ہم ایک گلوبل ویلیج میں رہتے ہوئے بھی اخلاقی، معاشرتی معاشی اور مذہبی سطح پر ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں پوری دنیا میں جغرافیائی ہم آہنگی سے قبل فکری ہم آہنگی ضروری ہے اور یہ کام سائنس اور ٹیکنالوجی نہیں بلکہ سنجیدہ فکر ادب اور ادیب ہی کر سکتے ہیں تخلیق کاروں میں سنجیدگی کے مفقود ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ قاری ادب اور ادیب کی مثلث ٹوٹ پھوٹ چکی ہے۔ ادب زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ادیب کا قلم احباب کی خوشنودی کے لیے وقف ہو گیا ہے اور قاری نے اس ادب کش صورت حال میں ادبی تخلیقات سے ناتا توڑ کر مخرب اخلاق ڈائجسٹوں میں پناہ ڈھونڈ لی ہے۔ اس بدترین ادبی بحران میں اگر کوئی تخلیق کار جب منفعت سے دور رہتے ہوئے قلم کی حرمت کا امین بن جائے اور اپنے آپ کو علم و ادب کے فروغ کے لیے وقف کر دے تو انسانی عقل دنگ اور آنکھ جو مسرت سے نم ہو جاتی ہے۔ تخلیق کار ڈاکٹر عبدالکریم خالد ہیں جو ربع صدی سے ادب کی بنجر زمینوں کو اپنے تازہ افکار اور خردمند نظریات سے سیراب کر رہے ہیں شعر و ادب سے ان کی یہی وابستگی اور بے لوث دلبستگی انہیں اپنے ہم عصر خلیق کاروں میں ممتاز بنانے کا موجب ہے۔

ڈاکٹر عبدالکریم خالد ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں وہ ایک ماہر نقاد، مستند محقق، مشہور شاعر بے باک صحافی اور بے مثال استاد ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کی شخصیت کا ہر پہلو دوسرے سے منفرد اور یگانہ ہے۔ ذیل میں ان کے عہد بہ ہر سوالی کوائف پیش خدمت ہیں تا کہ قارئین ان کے ارتقائی سفر سے بخوبی آگاہ ہو سکیں۔

1952ء

ولادت 8 اگست روز جمعۃ المبارک (کاغذات میں 15 اگست درج ہے)

والدہ ماجدہ: محترمہ امۃ الحفیظ، والد ماجد: محترم عبدالقادر مرحوم

دو بہنیں: امۃ النصیر، امۃ المتین برادران: عبدالرحیم طارق، عبدالحلیم احمد

1957ء

والدہ محترمہ اور دادی جان (محترمہ غلام فاطمہ) سے قرآن پاک ناظرہ کا دَور مکمل کیا۔

1961ء

پرائمری سکول میں ابتدائی تعلیم کا آغاز۔ دادی جان مرحومہ ساتھ لے کر

سکول میں داخل کروانے گئیں۔

1961ء

تیسری جماعت میں پہلی بار ''علم کے فائدہ'' ہے کے موضوع پر تقریر کی۔ اوردرجے میں سکول کے ایک ڈرامے میں حصہ لیا

1962ء

انہیں سکول کے اساتذوالطاف احمد صاحب اور محمد ارشد صاحب کی خصوصی توجہ اور شفقت حاصل رہی۔ دونوں اساتذہ کرام زبردست فنکارانہ صلاحیتوں کے مالک تھے اور تعلیمی ماڈل تیار کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ ماسٹر ارشد صاحب گندھی ہوئی مٹی سے مختلف پھلوں کے ماڈل بنانا سکھاتے تھے۔

1963ء

پانچویں جماعت کے ورنیکلر کے امتحان میں شرکت کی۔

1964ء

گورنمنٹ تعلیم الاسلام ہائی سکول چناب نگر میں داخلہ ہائی سکول کے اساتذہ عبدالرحمن اتالیق صاحب، محمد ابراہیم سارچوری صاحب، محمد ابراہیم بھامڑی صاحب، عبدالرب صاحب محمد اسماعیل صاحب محمد صدیق صاحب اور دیگر اساتذہ کی سرپرستی حاصل رہی۔

1965ء

جنگ ستمبر۔ ریڈیو سے نشر ہونے والے جنگی ترانوں اور قومی نغموں کی ولولہ انگیز صدائیں آج بھی ان کی ساعت میں محفوظ ہیں۔ اس زمانے میں انہوں نے اپنے علاقے میں قومی دفاع کے حوالے سے ڈیوٹی بھی دی۔

1966ء

ادب اور شاعری سے دلچسپی، کہانیوں کی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور لکھنے سے رغبت ہوئی۔

1967ء

نویں جماعت میں پہلی بار اردو کے استاد عبدالرشید صاحب کی طرف سے حوصلہ افزائی پر بچوں کے رسالے کے لیے ایک کہانی لکھی۔ اسی سال سکول کے ایک تقریری مقابلے میں حصہ لے کر دوم انعام حاصل کیا۔

1968ء

میٹرک کا امتحان سائنس کے مضامین میں فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ کالج میں شماریات اقتصادیات اور عربی کے مضامین میں گیارہویں جماعت میں داخلہ لیا۔ کالج کی شماریات سوسائٹی کے اسٹنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے۔

1969ء

کالج کی بزم اردو کے صدر منتخب ہوئے جس کے نگران پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی تھے۔ پروفیسر حمید احمد خان مرحوم بزم اردو کی تقریب میں کالج میں تشریف لائے۔ اس تقریب کی صدارت کی سعادت عبدالکریم خالد کے حصہ میں آئی۔ جس میں پروفیسر حمید احمد خان مرحوم اور پروفیسر چودھری محمد علی صاحب نے مقالات پڑھے۔ اسی سال ''یوم غالب'' کے موقع پر ایک تمثیلی مشاعرہ اسٹیج ہوا جس میں خالد نے مرزا رفیع سودا کا کردار ادا کیا۔

1970ء

ایف۔ اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔

1971ء

بی۔ اے میں داخلہ لیا۔ اردو اعلی اور عربی اختیاری کے مضامین لئے۔ اردو کے استاد پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی کی خاص توجہ نے ادب کا ذوق پیدا کیا۔ اسی سال کالج یونین کے سیکرٹری نامزد ہوئے۔

1972ء

بی۔ اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ کالج کی طرف سے مختلف بین الکلیاتی اردو مباحثوں اور مشاعروں میں شرکت کی اور متعدد انعامات حاصل کئے۔

1973ء

ایم اے عربی میں داخلہ لیا۔ کالج میگزین کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ بین الکلیاتی مباحثوں اور سیرت کانفرنسوں میں مقرر کے طور پر شہرت ملی۔ کالج کی ''بزم ارشاد'' کے صدر مقرر ہوئے۔ ایم۔ اے کے اساتذہ کرام میں پروفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب، پروفیسر محمد سلطان اکبر صاحب، پروفیسر اسلم صابر صاحب، پروفیسر محمد اسلم، شاد منگلا صاحب اور پروفیسر ملک مبارک احمد

صاحب کی خصوصی توجہ اور شفقت حاصل رہی۔

1974ء

ایم اے عربی کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔

1975ء

حمایت اسلام لاء کالج میں داخلہ لیا۔ اس کے ساتھ ہی روز نامہ مغربی پاکستان میں بطور سب ایڈیٹر ملازمت کا آغاز کیا۔

1976ء

روز نامہ مغربی پاکستان میں ڈیلی کالم ''سوہنا شہر'' لکھنا شروع کیا۔ اخبار کے تعلیمی صفحہ کے انچارج مقرر ہوئے۔ اسی سال آپ کی دادی جان محترمہ غلام فاطمہ صاحبہ کا انتقال ہوا۔ اس صدمے نے ایک طویل عرصہ انہیں اپنی گرفت میں رکھا۔

1977ء

چچازاد عائشہ پروین سے شادی ہوئی۔ اسی برس اشاعتی ادارے شیخ غلام علی اینڈ سنز سے وابستہ ہوئے اور جریدی کتابوں کے سلسلے ''روشن کتابیں'' کی مجلس مشاورت میں عین کاف خالد کے قلمی نام سے شامل ہوئے۔

1978ء

بچوں کے رسالہ ''جگنو'' کی ادارت سنبھالی۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز کو خیر باد کہہ کر چند روز ضیاء شاہد کے ہفت روزہ ''صحافت'' سے منسلک رہے۔ نذیر ناجی کے اخبار روز نامہ ''حیات'' سے بھی کچھ عرصہ وابستہ رہے۔

1979ء

ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اس دوران میں نامور رہنماؤں نوبزادہ نصر اللہ خان، محمد حنیف رامے اور تاج محمد خان جمالی کے انٹرویوز کئے۔ مختلف سیاسی شخصیات پر خاکے بھی لکھے

1980ء

''خالدین'' کے نام سے اشاعتی ادارہ قائم کیا اور ادبی کتابیں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ مگر دو تین کتابیں شائع کرنے کے بعد ہمت جواب دے گئی

پہلے بیٹے اعجاز خالد کی ولادت

1982ء

بڑی بیٹی فائزہ نصرت کی پیدائش

1983ء

گلبرک کیمبرج میں بطور اساتذہ ملازمت کی۔ اسی دوران میں ڈاکٹر عبد الرشید تبسم کا پندرہ روزہ ''انقلابِ نو'' شائع کرنا شروع کیا مگر تین شماروں کے بعد یہ سلسلہ بند کرنا پڑا۔

1985ء

پنجاب یونیورسٹی میں بطور پرائیویٹ امیدوار ایم اے اُردو کا امتحان پاس کیا۔ اس دوران پرائیویٹ ادارے بوعلی سینا سائنس کالج میں اُردو کا مضمون پڑھایا۔ حلقہ ارباب ذوق کے رکن بنے۔ دوسری بیٹی بشریٰ مریم کی ولادت

1987ء

بطور لیکچرار اُردو گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور میں تقرر ہوا۔ دوسرے بیٹے حفاظ توصیف احمد کی پیدائش

1988ء

گورنمنٹ ایف ایس سی کالج میں ایم اے اُردو کی تدریس وابستہ ہوئے۔

2000ء

گورڈن کالج راولپنڈی کے مجلہ ''گورڈونین'' کا سو سالہ خصوصی نمبر شائع کیا۔ گورنمنٹ ایجوکیشن کالج لوئر مال لاہور میں تبادلہ۔

2001ء

حکومت پنجاب کے تحت پہلی سے بارہویں جماعت کے اردو کے نصاب کی نظر ثانی اور تدوین کمیٹی کے کنویز کی حیثیت سے تقرر۔ گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں تبادلہ۔ ایم۔ اے اردو کی کلاسوں کی تدریس میں مامور ہوئے۔

2002ء

گورنمنٹ کالج آف سائنس لاہور میں تبادلہ۔ شاعری میں رومانی اور اخلاقی مضامین کا بیان نظم نگاری کی طرف توجہ۔

2003ء

گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن لوئر مال میں تبادلہ۔ والد گرامی عبد القادر

صاحب کے انتقال کا صدمہ جانکاہ جھیلنا پڑا

2004ء

یونیورسٹی آف ایجوکیشن کے ایم۔اے اردو وتدریس میں اردو کے نصاب کی تدوین میں شریک ہوئے اور ایم۔اے کی کلاس کو لسانیات کا پرچہ پڑھانا شروع کیا۔

2005ء

ڈاکٹر سہیل احمد خان کی نگرانی میں ممتاز'' مفتی کے افسانوی ادب میں نفسیات نگاری'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ یونیورٹی آف ایجوکیشن کے تحت ایم فل اردو کی کلاس کے اجزاء پر ''تحقیق'' کا نصاب پڑھانے پر مامور ہوئے۔ بڑی بیٹی فائز ونصرت کی شادی انیس الرحمٰن نس مقیم (لندن) سے انجام پائی۔

2006ء

تصنیف وتالیف کی طرف توجہ۔ نامکمل اور ادھورے منصوبوں کی تکمیل کا مصمم ارادہ۔ ''چند اور مضامین'' کے عنوان سے مضامین کے مجموعے کی اشاعت

ڈاکٹر عبدالکریم خالد کے مضامین کا پہلا باقاعدہ مجموعہ ''نئے پرانے مضامین '' کے نام سے 1998ء میں اظہار سنز لاہور نے شائع کیا۔ اس مجموعے میں درج ذیل سولہ مضامین شامل ہیں۔

(1) بیسویں صدی کی اردو نظم

(2) بیسویں صدی کی اردو غزل

(3) حبیب جونپوری۔ ایک مطالعہ

() ملاقاتیں ادھوری ہیں (عطاالحق قاسمی کی شاعری)

(5) احمد عقیل روبی کی خاکہ نگاری

(6) شبیہ الحسن کی ترجیحات

(7) امراؤالقیس۔ حُسن کا شاعر

(8) نابغہ ذبیانی

(9) زہیر بن ابی سلمیٰ

(10) نامور مرثیہ گو۔ خنساء

(11) حسان بن ثابت

(12) تشبیب

(13) واہ باقر صاحب (ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی رحلت پر)

(14) آہ باقر صاحب (ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی پہلی برسی پر)

(15) رومان کی موت (فرخندہ لودھی کی افسانہ نگاری کے بارے میں)

(16) کومل جذبوں کا شاعر (فرقان احمد قریشی کے حوالے سے)

ڈاکٹر عبدالکریم خالد اپنے اس تنقیدی مجموعے کے آغاز میں ''حرفِ اوّل'' کے عنوان سے رقمطراز ہیں۔ آپ اس اقتباس کا بغور مطالعہ فرمائیے اور دیکھئے کہ تخلیقِ ادب اور خصوصاً اس مجموعے کی ترتیب وتشکیل کے حوالے سے موصوف کی گراں قدر کیا رائے ہے۔

''اس کتاب میں شامل مضامین پڑھنے سے پہلے یہ بات دھیان میں رہے کہ ان مضامین کے لکھنے اور ترتیب دینے میں کسی منصوبہ بندی کا دخل نہیں۔ یہ مضامین گزشتہ بیس پچیس برس کے دوران میں مختلف ادبی رسائل اور اخبارات میں شائع ہوتے رہے اور ان کے بارے میں مجھے سان گمان بھی نہ تھا کہ یہ کسی وقت کتاب کی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ قاری ان مضامین کا کیا مول لگاتا ہے اور ادب کے ''پڑے'' انہیں درخورِ اعتنا سمجھتے بھی ہیں یا نہیں۔ میں اس سلسلے میں کسی تردّد میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میں اس امر پر یقین رکھتا ہوں کہ لکھنے والے کو بے دھڑک ہو کر اپنی بات کہنی چاہیے اور اس فکر سے آزاد ہو جانا چاہیے کہ اس کا مول تول کرنے والے اسے کس خانے میں رکھتے ہیں۔ مجھے اپنے بارے میں کبھی خوش فہمی نہیں رہی کہ میں کوئی بہت اچھا لکھنے والا ہوں لیکن ایک بات ضرور کہوں گا کہ میں نے اپنے استادوں کے قدموں میں بیٹھ کر انہیں بولتے سنا ہے۔ ان کے لکھے ہوئے جملے پڑھے ہیں۔ ان سے پوچھ پاچھ کر چند اچھی کتابوں کے نام یاد کئے ہیں اور بس۔ میری کل یافت یہی ہے اور اسی اندوختے کے سہارے میں نے قلم سے تھوڑی بہت شناسائی حاصل کی ہے قلم مجھ پر مہربان ہے اور اس نے مجھے شرمندہ نہیں ہونے دیا۔''

(عبدالکریم خالد نئے پرانے مضامین (حرفِ اول) لاہور اظہار سنز 1998 صفحہ 8)

ڈاکٹر عبدالکریم خالد ادب کو جدید تناظر میں دیکھنے کے عادی ہیں۔ راقم الحروف کے استفسار پر انہوں نے ''اکیسویں صدی کے نظریۂ ادب'' پر روشنی

ڈالتے ہوئے کہا کہ:

’’اکیسویں صدی عالمی سطح پر ایک ہمہ گیر انقلاب کی صدی ہے۔ یہ انقلاب انسان کی روح اور اس کے قلب ونظر میں کشادگی پیدا کر کے روحانی، اخلاقی ،تہذیبی اور معاشرتی تغیرات کو جنم دے گا۔ ملتِ واحدہ کا حقیقی تصور اسی انقلاب سے وابستہ ہے۔ ادب کی موجودہ ہیئت حیرت انگیز طور پر منقلب ہو کر ایک نیا رخ اختیار کرے گی اور ہر نوع کا ادب ایک وحدت میں ڈھل کر اعلیٰ درجے کی روحانیت اور لطیف وگداز کیفیات کو اجاگر کرنے کا باعث بنے گا۔ اس انقلاب آفریں دور کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہر صاحب دل اور صاحب نظر تخلیق کار اُن تازہ ہواؤں کے لمس کو محسوس کرنے لگا ہے جو دھیرے دھیرے چل رہی ہیں۔ مصائب وحوادث جب بھی آتے ہیں تو اقدار کے ساتھ اپنے پیچھے ایک قافلہ مشکبار موسموں کا بھی تیار رکھتے ہیں۔ اے کاش ہم بھی دیکھیں کہ نئے موسموں کے پھول کس کس کے دامن کو گلغدار بناتے ہیں۔ ہم نہیں تو دیکھنے والے دیکھیں گے۔‘‘

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نئے موسموں کے پھلوں کے ذائقوں سے بھی لطف اندوز کرے اور وہ اکیسویں صدی کی مہک سے بھی لطف اندوز ہوں۔

اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ عصرِ حاضر میں ہمارے ادب کش معاشرے میں سنجید فکر تخلیق کاروں کا قحط ہے۔ اس قحط الرجال میں ڈاکٹر عبدالکریم خالد کا دم غنیمت ہے کہ وہ دنیاوی حرص وآز سے لاتعلق ہو کر علم وادب کی شمع جلائے بیٹھے ہیں اور علم وادب کے سینکڑوں پرستار اس روشنی سے پیش از بیش فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے سنجیدہ فکر ناقدین کے افکار ونظریات کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے اور معاشرے میں ان کے مقام و مرتبے کا بارِ دیگر تعین کیا جائے۔ اگر ہم نے اسی علم دوست شخصیات اور صاحبان فہم وذکا کی عزت افزائی نہ کی تو آنے والا زمانہ ہمیں معاف نہیں کرے گا۔

(بحوالہ نیرنگ خیال جولائی 2006 صفحہ 7 تا 13)

مومن کو ہمیشہ مسجد کے آداب کا خیال ملحوظ رہنا چاہیئے

مساجد اللہ کی محبوب ترین مقامات میں سے ہیں اور ان مقامات کا تقدس قائم رکھنے کے لئے قرآن پاک، رسول اللہ ﷺ، حضرت مسیح موعودؑ اور خلفاء سلسلہ نے ان مقامات کے آداب کا ذکر کیا ہے۔ جن کو خاکسار نے مضمون کی صورت میں جمع کرنے کی سعی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

(ترجمہ) اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ بنائی (یہ کہتے ہوئے کہ) میرا کسی کو شریک نہ ٹھہرا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھ۔(الحج:27)

(ترجمہ) اے ابنائے آدم! ہر مسجد میں اپنی زینت (یعنی لباسِ تقویٰ) ساتھ لے جایا کرو۔ اور کھاؤ اور پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو۔ یقیناً وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(الاعراف:32)

آنحضرت ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی ذُنُوْبِی وَافْتَحْ لِی اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

اللہ کے نام کے ساتھ۔ اللہ کے رسول پر سلامتی ہو۔ اے میرے اللہ میرے گناہ بخش دے اور اپنی رحمت کے دروازے مجھ پر کھول دے۔

آنحضرت ﷺ جب مسجد سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی ذُنُوْبِی وَافْتَحْ لِی اَبْوَابَ فَضْلِكَ

اللہ کے نام کے ساتھ۔ اللہ کے رسول پر سلامتی ہو۔ اے میرے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور اپنے فضل کے دروازے مجھ پر کھول دے۔

(ابن ماجہ کتاب المساجد باب الدعا عند دخولِ المسجد)

جب قوانین عدم مساوات کو فروغ دیتے ہوں: اس کا کیا حل ہے؟

ابو نائل

جب کسی ملک میں عدم برداشت کا راج ہو تو اس تنگ نظری کو قوانین میں داخل کر کے جائز بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ میرے خیال میں اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم سب کو مان لینا چاہیے کہ بدقسمتی سے ہم نے پاکستان میں ایک تنگ نظر معاشرہ قائم ہونے دیا ہے۔ اصول تو یہ ہے کہ آئین اور قوانین میں انسانی حقوق کو تحفظ دیا جائے لیکن بدقسمتی سے کئی ممالک ایسے قوانین بھی بنائے جاتے ہیں جن میں تعصب کو تحفظ دیا جاتا ہے۔ اور نسل یا عقیدہ کی بنا پر ملک کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور ایک طبقہ کو باقی طبقات پر برتری دلائی جاتی ہے۔ اور آخر کار ایسے قوانین بنتے ہیں جو کہ مظلوم کی بجائے ظالم کی مدد کرتے ہیں۔ اور جب کوئی ان مظالم کے خلاف آواز اٹھائے تو جھٹ یہ فتویٰ صادر کیا جاتا ہے کہ یہ تو ہمارے آئین اور قانون میں درج ہے۔ اور جو اس کے خلاف آواز اٹھائے وہ ہمارے آئین اور قانون کا غدار ہے۔ اور گردن زدنی ہے۔ پکڑو اور مارو اس غدار کو۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ آئین اور قانون انسان بناتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں ظالمانہ قوانین بن گئے ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ان قوانین کو تبدیل کیا جائے نہ کہ جو ان کے خلاف آواز اٹھائے ہاتھوں میں لٹھ پکڑ کر اس کی خوب تواضع کی جائے۔

جب سپین میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی اور کیتھولک بادشاہ فرڈیننڈ کے دور کا آغاز ہوا تو 31 مارچ 1492 کو ملکہ ازابیلا اور بادشاہ فرڈیننڈ نے ایک مشترکہ حکم جاری کیا کہ سپین کی حدود میں یہودی مذہب سے وابستہ کسی شخص کو رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس قانون کی بنیاد پر زبردستی لاکھوں یہودیوں کا مذہب تبدیل کر کے انہیں عیسائی بنایا گیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ یہاں پر رکا نہیں۔ کیتھولک حکمرانوں نے مسلمانوں کی خبر لینی شروع کی اور پہلے غرناطہ میں مسلمانوں کے تمام شہری حقوق ختم کر دیے گئے اور 1501 میں یہ اعلان کیا گیا کہ غرناطہ کو مسلمانوں سے پاک کر دیا گیا ہے۔

اور 1502 میں ملکہ ازابیلا نے یہ قانون جاری کیا کہ قشتالہ کی حدود میں اسلام پر پابندی لگائی جاتی ہے اور اس قانون کی بنیاد پر مسلمانوں پر تشدد کر کے انہیں مسیحی عقائد قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ جب مسلمانوں سے فراغت ہوئی تو مذہبی عدالتیں بنا کر انکویزیشن کا آغاز کر دیا گیا اور ہاتھ دھو کو مسیحی شہریوں کے پیچھے پڑ گئے اور ہزاروں مسیحی افراد کو زندہ جلا دیا۔ یہ سب مظالم قوانین بنا کر ان کی بنیاد پر کیے جا رہے تھے۔ لیکن کیا یہ قوانین ان مظالم کو جائز ثابت کر دیتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ اگر تنگ نظری کا راستہ پوری قوت سے نہ روکا جائے تو آخر کوئی بھی اس کے نتائج سے محفوظ نہیں رہتا۔

اب نازی جرمنی کی مثال لیتے ہیں۔ ہٹلر نے ایسے قوانین بنائے جس میں نسل پرستی کو تحفظ دیا گیا تھا۔ جس طرح سپین میں مذہب کی بنیاد پر شہریوں کو تقسیم کیا گیا تھا، اسی طرح جرمنی میں نسل کی بنا پر شہریوں کو تقسیم کیا گیا۔ ستمبر 1935 میں یہ قانون منظور کیا گیا کہ صرف جرمن نسل یا اس کی قریبی نسلوں کے افراد ہی اس ملک کے حقیقی شہری بن سکتے ہیں۔ اس طرح یہودیوں اور جپسی نسل کے لوگوں کو بہت سے شہری حقوق سے محروم کر دیا گیا۔

جرمن خون اور اس کے وقار کی حفاظت کے لئے یہ قانون منظور کیا گیا کہ کوئی جرمن نسل کا شہری، غیر جرمن نسل کے شہریوں سے شادی نہیں کر سکتا اور ان کے درمیان شادی کے بغیر جنسی تعلق بھی غیر قانونی ہوگا۔ یہ قوانین نازی پارلیمنٹ رائسٹاک نے منظور کیے تھے۔ کیا یہ دلیل قبول کی جا سکتی ہے کہ یہ پارلیمنٹ کا فیصلہ تھا۔ اس لئے یہ ایک جمہوری فیصلہ تھا۔ لہٰذا اس کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ انسانی عقل یہ بودی دلیل قبول نہیں کی جا سکتی۔

اب ذرا قریب کے زمانے میں جنوبی افریقہ کے نسل پرست نظام کی مثال لیتے ہیں۔ اس دور میں جو بھی مظالم ہو رہے تھے وہ قوانین کی آڑ میں کیے جا رہے تھے۔ 1913 میں یہ قانون بنایا گیا کہ زمین کی ملکیت کا فیصلہ بھی چمڑی کا رنگ دیکھ کر ہو گا۔ یہ قانون بنایا گیا کہ سیاہ فام چمڑی کے لوگ صرف 8 فیصد زمین کے مالک ہو سکتے ہیں۔ پھر 1936 میں حاتم کی قبر پر لات مار کر یہ حد 13 فیصد تک بڑھا دی گئی۔ حالانکہ اس ملک کی بھاری اکثریت سیاہ فام تھی۔

1950 میں یہ قانون بنایا گیا کہ تمام شہری اپنے آپ کو رجسٹر کروائیں اور یہ اندراج بھی کروائیں کہ ان کا تعلق کس نسل سے ہے۔ اور 1953 میں یہ قانون بنایا گیا کہ مختلف سہولیات میں مختلف نسل کے لوگوں کا حصہ مخصوص کیا جائے گا۔ اس کا مقصد ان سہولیات میں سفید فام لوگوں کا زیادہ حصہ مخصوص کر کے سیاہ فام شہریوں کی حق تلفی کو قانونی تحفظ دینا تھا۔

شہریوں میں تفریق اور ان پر مظالم کا یہ بھیانک سلسلہ ظالمانہ قوانین کی آڑ میں چلایا جا رہا تھا۔ کیا یہ قوانین ان مظالم کا جواز بن سکتے ہیں؟ ایسا نہیں ہے۔ آخر کار یہ قوانین ان ممالک اور ان کے نظام کو بھی لے بیٹھے۔ اور آخر کار کیتھولک چرچ کو انکویزیشن پر معافی مانگنی پڑی۔ ہٹلر جرمنی کو کھنڈر بنا کر دنیا سے رخصت ہوا اور جرمنی کو یہودیوں سے معافی مانگنی پڑی۔ اور جنوبی افریقہ کے سفید فام لوگوں کو نیلسن منڈیلا کی صدارت اور شہریوں کی برابری قبول کرنی پڑی۔

پاکستان کے آئین کی شق 2 میں لکھا ہے کہ "اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہو

گا۔" سب سے پہلے اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ مذہب افراد کا ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے ضمیر کے مطابق کسی مذہب کو قبول کرتا ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مملکت کے مذہب کے کیا معنی ہیں؟ قرآن مجید میں بھی ان لوگوں کا ذکر ہے جو کہ ایمان لائے اور ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے انکار کیا۔ کسی حکومت کا کوئی ذکر نہیں جو ایمان لائی ہو۔

اور ہر ملک میں مختلف مذاہب کے لوگ آباد ہوتے ہیں۔ جب ایک مذہب کو سرکاری مذہب قرار دیا جاتا ہے تو آخر کار اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو دوسرے درجہ کے شہری کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اس طرح ملک کے شہریوں میں تفریق کرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ آئین کی شق 25 میں یہ اعلان بھی کیا گیا ہے کہ تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ لیکن جب ایک مذہبی کو مملکتی مذہب قرار دے دیا جاتا ہے۔ تو پھر دوسرے مذاہب سے وابستہ افراد برابر کے شہری نہیں رہ سکتے۔ جس طرح پاکستان میں صدر اور وزیر اعظم کے عہدوں کے لئے شرط ہے کہ وہ مسلمان ہوں۔ اگر آئین کے مطابق ہندو اور مسیحی احباب برابر کے شہری ہیں تو پھر وہ ان عہدوں پر فائز کیوں نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ ان عہدوں پر فائز نہیں ہو سکتے تو وہ برابر کے شہری کس طرح کہلا سکتے ہیں؟

جب اسمبلی میں 1973 کے آئین پر بحث ہو رہی تھی اور آئین کی یہ شق پیش ہوئی کہ پاکستان میں مملکتی مذہب اسلام ہوگا تو فوری طور پر مذہبی سیاسی جماعتوں کی طرف سے اس کو بنیاد بنا کر ایک کے بعد دوسرا مطالبہ پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

مفتی محمود صاحب نے 5 مارچ 1973 کو یہ مطالبہ کیا کہ چونکہ سرکاری مذہب اسلام ہے اس لئے آئین میں یہ درج ہونا چاہیے کہ کوئی چیف جسٹس، کسی مسلح فوج کا سربراہ بلکہ کسی بھی کلیدی عہدے پر کوئی غیر مسلم مقرر نہیں ہو سکتا۔ 9 مارچ کو مولوی صدر الشہید صاحب نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ آئین میں اس شق کا اضافہ کیا جائے کہ مذہبی ماہرین کے تشخیص کردہ اسلامی اصول و فروغ کا تحفظ بقا اور اشاعت مملکت کا اولین فریضہ ہوگا۔ شہریوں کی طرز زندگی اور حکومت کا نظم و نسق اسلامی احکام کے تحت لازما ہوگا۔

گویا مملکت ان کے مذہبی ماہرین کی کوئی غلام ہوگی اور ہر شہری کو خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اسے اسلامی طرز زندگی اپنانی ہوگی۔ اور 14 مارچ کو غلام غوث صاحب نے یہ ترمیم پیش کردی جو شخص کسی آیت کریمہ یا کسی مسلسل حدیث نبوی ﷺ کی مقبول عام توضیح یعنی تشریح کو بھی ماننے سے انکار کرے اسے بھی مرتد اور غیر مسلم قرار دے دینا چاہیے۔ ان کے ذہن نارسا میں یہ نکتہ نہیں آیا کہ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ کون سی تشریح مقبول عام توضیح کہلانے کی مستحق ہے۔

اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جو مسلمان وزیر اعظم یا صدران حضرات کی تشریح کو بھی تسلیم نہیں کرے گا وہ اپنے عہدے سے محروم کر دیا جائے گا کیونکہ وہ اب مرتد ہو گیا ہے۔ یہ ترامیم منظور نہیں ہوئیں لیکن اس ذہنیت کے کیا نتائج برآمد ہو سکتے ان پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تعصب کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو کوئی بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر پاکستان میں عدم رواداری کی فضا ختم کرنی ہے تو سب سے پہلے آئینی طریق کے مطابق ملک کے قوانین میں حقیقی مساوات پیدا کرنی ہوگی۔ اگر بنیاد ہی درست نہیں ہوگی تو اس پر تعمیر عمارت کس طرح قائم رہ سکتی ہے۔ اگر پاکستان کے آئین میں یہ لکھا ہوا ہے کہ تمام شہری برابر ہیں تو سب سے پہلے ملک کے قوانین میں اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ تمام شہریوں کو برابر کے حقوق حاصل ہوں۔

(بشکریہ ہم سب مورخہ 27 نومبر 2021)

خدا تعالیٰ کے بندے کون ہیں؟

اس زمانہ کے حکم وعدل سیدنا حضرت مسیح موعودؑ بندگانِ خدا کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

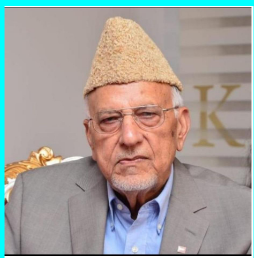
''خدا تعالیٰ کے بندے کون ہیں؟ یہ وُہی لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی راہ میں وقف کر دیتے ہیں اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا، اپنے مال کو اُس کی راہ میں صرف کرنا اُس کا فضل اور اپنی سعادت سمجھتے ہیں، مگر جو لوگ دُنیا کی املاک و جائیداد کو اپنا مقصود بالذات بنا لیتے ہیں، وہ ایک خوابیدہ نظر سے دین کو دیکھتے ہیں، مگر حقیقی مومن اور صادق مُسلمان کا یہ کام نہیں ہے۔ سچا اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف کر دے، تاکہ وہ حیاتِ طیبہ کا وارث ہو۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ اس للّٰہی وقف کی طرف ایماء کر کے فرماتا ہے۔''مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡہَہٗ لِلّٰہِ وَ ہُوَ مُحۡسِنٌ فَلَہٗۤ اَجۡرُہٗ عِنۡدَ رَبِّہٖ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ" (البقرۃ: 113) اس جگہ اَسۡلَمَ وَجۡہَہٗ لِلّٰہِ کے معنی یہی ہیں کہ ایک نیستی اور تذلل کا لباس پہن کر آستانۂ الوہیت پر گرے اور اپنی جان، مال، آبرو غرض جو کچھ اس کے پاس ہے۔ خدا ہی کے لیے وقف کرے اور دُنیا اور اُس کی ساری چیزیں دین کی خادم بنا دے۔''(ملفوظات جلد اول صفحہ 364)

اذکرو موتکم بالخیر۔



مکرم ناصر احمد ظفر مرحوم ابن مولانا ظفر محمد صاحب ظفر

محمد شریف خالد مقیم جرمنی



قادیان سے ہجرت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے لاہور رتن باغ میں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ بھی کچھ عرصہ حضور کے ارشاد کے مطابق لاہور ہی میں رہے اور پھر چنیوٹ آ گئے۔ چند ماہ چنیوٹ میں رہ کر دونوں تعلیمی ادارے احمد نگر میں آ گئے اور اسی طرح اساتذہ بھی احمد نگر میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ حضورؓ نے اُس وقت ان دونوں اداروں کے پرنسپل حضرت مولانا ابوالعطاء جالندھری کو مقرر فرمایا۔ پڑھانے والے اساتذہ میں حضرت مولانا ظفر محمد ظفر صاحب کو عربی ادب کا استاد مقرر فرمایا۔ آپ کے ہونہار بچوں میں ایک نام ناصر احمد ظفر بھی تھا جو اگرچہ مجھے سیشن میں چھوٹا تھا لیکن اُس کی صلاحیتوں سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ”ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات“۔ پھر ناصر احمد ظفر صاحب مدرسہ احمدیہ میں آ گئے اور دینی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ میری طرح انہیں بھی تعلیم سے زیادہ کھیل کود میں دلچسپی تھی۔ چنانچہ وہ جلد ہی جامعہ احمدیہ کی والی بال ٹیم کے اچھے کھلاڑیوں میں شمار ہونے لگے۔ خاکسار اُس وقت جامعہ احمدیہ کا سیکریٹری سپورٹس تھا اور والی بال کی ٹیم کا کپتان بھی تھا۔ چنانچہ برادرم ناصر احمد ظفر سے ہر پہلو سے میرے بہت ہی برادرانہ مراسم ہو گئے تھے اس لئے میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا۔ وہ بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے مثلاً اُن کی خوبیوں میں سے ایک حُسنِ خلق بھی تھا، ہر ایک سے خوش خلقی سے ملنا، کسی سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا، کھیل کود میں بھی خوش و خرم رہنا۔ نہ کبھی شکوہ نہ شکایت، نہ ہارنے پہ افسردہ ہونا نہ جیتنے پر ضرورت سے زیادہ خوش ہونا، سب سے اچھے تعلقات انہیں اپنے باعمل باپ سے حصہ وراثت میں ملے ہوئے تھے۔ طبیعت میں ایسا توازن تھا۔ غرض اُنکی کون کون سی صفات کا ذکر کیا جائے۔ اللہ انہیں غریقِ رحمت کرے۔ آمین

خاکسار نے جامعہ احمدیہ سے تعلیمی فراغت کے بعد ترقیء دیہات Village Aid کی تربیت کے سلسلہ میں تربیت گاہ لالہ موسیٰ میں داخلہ لے لیا۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک سال کی تربیت کے بعد پوری کلاس میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ایک سال پہلے کی کلاس میں اول پوزیشن مکرم ملک شریف احمد صاحب مقیم ہمبرگ جرمنی نے حاصل کی تھی۔ گویا کہ دو سال سے متواتر احمدی طلباء کے حصہ میں اول پوزیشن رہی۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کاش تیسرے سال میں بھی کوئی احمدی لڑکا ہی یہ پوزیشن حاصل کرے۔ چنانچہ میری نظرِ انتخاب برادرم ناصر احمد ظفر کی صلاحیتوں کے پیشِ نظر اُن پر پڑی۔ لہذا خاکسار بطورِ خاص اس خواہش کی تکمیل کے سلسلہ میں احمد نگر گیا اور حضرت مولانا ظفر محمد صاحب ظفر سے اس کا تذکرہ کیا انہوں نے ازراہِ شفقت پورے انشراح سے اس کی اجازت مرحمت فرمائی اور ناصر احمد ظفر بھی ترقی دیہات ویلیج ایڈ کی تربیت گاہ فیصل آباد میں تربیت کے لئے منتخب ہو گئے۔ بے شک انہوں نے یہ ایک سال کا کورس بہت اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا لیکن اول پوزیشن کے حقدار نہ قرار دیئے گئے۔ مگر بعد کی تمام زندگی انہوں نے اس تربیت کے نتیجہ میں اور خدا تعالیٰ کی ودیعت کردہ صلاحیتوں کی بناء پر بڑی کامیابی سے گذاری۔ وہ اپنی خوبیوں کے طفیل حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قریب رہے۔ سارے علاقہ میں اُنکی بہت اچھی شہرت تھی۔ میں جب بھی جرمنی سے ربوہ جاتا تو ان کا مہمان ہونے کا شرف نصیب ہوتا۔ ہر موضوع پر اُن سے گفتگو ہوتی۔ علاقے کی سیاست سے انہیں نہ صرف بھرپور دلچسپی بلکہ اُن کے تمام بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ گہرے مراسم بھی تھے۔

جب میں بھی پاکستان میں ابھی ترقی دیہات میں ملازم تھا تو ایک دفعہ میرے ساتھ میرے ضلعی افسر نے جلسہ سالانہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا وہ دراصل جلسہ سالانہ پر آ کر مجھ پر کچھ احسان بھی کرنا چاہتے تھے جلسہ سالانہ پر میں نے انہیں

حضرت مولانا ظفر محمد ظفر صاحب سے بھی ملا یا ملاقات کے دوران اُس نے ولیج ایڈ یعنی ترقی دیہات کے پروگرام کی بہت تعریف کی اور ساتھ ہی میری بھی اُن کے سامنے بہت اچھے رنگ میں تعریف کی کہ یہ ہمارے محکمہ کا بہت اچھا کارکن ہے اور میں اسی لئے ربوہ آیا ہوں کہ دیکھوں کہ کون سا ماحول ہے جس میں اس کی تربیت ہوئی ہے۔حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ میں نے پہلے بھی بعض لوگوں سے اس کی تعریف سنی ہے اور میرے بیٹے ناصر احمد ظفر کی بھی اُس محکمہ کے لوگ میرے سامنے بہت تعریف کرتے ہیں۔حضرت مولانا صاحب نے اُس نے کہا کہ آپ نے اپنے محکمہ کی تربیت کی بھی بہت تعریف کی ہے۔لیکن آپ کے محکمہ کی تربیت میں فرق کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ یہ دونوں بچے ناصر احمد اور شریف خالد ہمارے نالائق ترین طالب علم تھے لیکن آپ کے محکمہ میں بقول آپ کے سب سے بہترین کارکن ہیں۔اُس نے حضرت مولانا صاحب کے اس بے لاگ تبصرہ پر خوشی کا اظہار کیا۔ناصر مرحوم نے جہاں محکمانہ کام میں بھی اچھا نام چھوڑا وہاں جماعتی خدمات میں بھی اُنہیں ہمیشہ اچھے نام سے یاد کیا جائیگا۔میں جب بھی ربوہ جاتا تو اُنہیں یہی مشورہ دیتا کہ اب آپ آرام کریں ساری زندگی آپ نے بھرپور کام کیا ہے۔انسانی جسم بھی ایک وقت کے بعد آرام کا طالب ہوتا ہے لیکن وہ ہر دفعہ میرے اس مشورہ کو ہنس کر ٹال دیتے نہ کبھی اس مشورہ کی تائید کی نہ کبھی مخالفت کی اور یہی وہ خوبی تھی جو تمام زندگی اُن کو خوشی مہیا کرتی رہی۔آخری سانس تک جماعت نے جہاں بھی کہا اور جو بھی ذمہ داری سونپی اس کو کما حقہ ادا کرنے کی کوشش کی۔اور یہ سب کچھ ان کو اپنے والدین سے ورثہ میں ملا تھا۔حضرت مولانا ظفر محمد صاحب ظفر تو خود میرے استاد تھے اُن کا یہ شعر اُن کی زندگی کا آئینہ دار تھا۔

کتنا ہے خوش نصیب ظفر آج تک جسے دُنیا کے حادثات پریشاں نہ کر سکے

کہتے ہیں کہ ایک اچھے کامیاب باپ کے پیچھے اُس کی اچھی بیوی کا ہاتھ ہوتا ہے مگر کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک کامیاب بیٹے کے پیچھے ایک اچھی ماں کا ہاتھ ہوتا ہے۔میں جہلم میں ملازم تھا مجھے ایک دفعہ شعبہ تعلیم کی ڈسٹرکٹ انسپکٹرس سکولز مسز کیلب سے کام پڑا میں ان کو ملنے کے لئے گیا تو باتوں باتوں میں اس کو علم ہوا کہ میں احمدی ہوں۔یہی خاتون جہلم آنے سے پہلے ڈیرہ غازی خان میں DI یعنی ڈسٹرکٹ انسپکٹرس سکولز تھیں جہاں برادرم ناصر ظفر مرحوم کی والدہ مرحومہ بطور استانی سکول میں پڑھاتی تھیں اور مسز کیلب اُن کو نہ صرف اچھی طرح جانتی تھیں بلکہ اُن کے حسن خلق کی میرے سامنے اتنی تعریف کی کہ مجھے ایسے لگا کہ وہ صرف ناصر ظفر کی والدہ کی ہی تعریف نہیں کر رہی بلکہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی تعریف کر رہی ہو۔کیونکہ ناصر ظفر کی امی کی یاد اسے احمدیت کے حوالے سے آئی تھی۔جب کہ یہ خاتون خود عیسائیت سے تعلق رکھتی تھیں۔خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ خوبیاں ان کے بچوں میں بھی قائم ودائم رہیں اور انہیں یاد رہے کہ ایک جھکے ہوئے پھل دار درخت کے اندر پرندہ یہ سمجھ کر اپنا گھر بنا لیتا ہے

کسی سرنگوں شجر پر رکھ لیں گے چار تنکے نہ بلند شاخ ہوگی نہ گرے گا آشیانہ

خدا رحمت کند ایں بندگانِ پاک طینت را

تفسیر حضرت مسیح موعودؑ کے مطالعہ کی تحریک

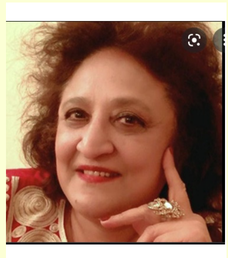
حضرت مسیح موعودؑ کی تفسیر کتابی شکل میں یکجا نہیں تھی اس لئے 1969ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے اپنی براہ راست نگرانی میں حضرت مسیح موعودؑ کی کتب، ملفوظات، مکتوبات اور اشتہارات وغیرہ میں بیان فرمودہ تفسیری نکات اور آپ کے ارشادات کو قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق یکجا کروا کر شائع کرنے کا انتظام فرمایا۔چنانچہ آپؒ کی زندگی میں سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ کہف تک یعنی 15 پاروں سے زائد کی تفسیر پانچ جلدوں میں نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر شائع ہوئی اور اب سارے قرآن کی تفسیر شدہ آیات کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔

تفسیر مسیح موعود کی پہلی جلد جو تفسیر سورۃ فاتحہ پر مشتمل تھی جون 1969ء میں شائع ہوئی۔حضور نے احباب کو اس سے مستفیض ہونے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ ہر احمدی کو غور کے ساتھ اس پہلی جلد کو پڑھ لینا چاہئے اور اس نیت سے پڑھنا چاہئے کہ قرآن کریم سارے کا سارا اس اجمال کی تفصیل ہے۔اگر کسی شخص کی عقل اور سمجھ اور اس کی محبت ان علوم پر حاوی ہو جائے جو سورۃ فاتحہ میں بیان ہوئے ہیں تو قرآن کریم کے بہت سے مطالب اس کے لئے آسان ہو جائیں گے……اسے بار بار پڑھیں جو شخص چار پانچ دفعہ اس کو غور سے پڑھ جائے اس کے لئے مضمون سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

(خطبات ناصر جلد 2 صفحہ 693)

رکن اسمبلی رخسانہ کوثر کی قرارداد اور زیبائشی داڑھی

نیلم احمد بشیر



آج کل سوشل میڈیا پر ایک نئی پھلجھڑی چھوڑی گئی ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) کی رکن پنجاب اسمبلی رخسانہ کوثر نے حال ہی میں ایک قرارداد جمع کروائی ہے جس میں ارکان اسمبلی سے تائید کی گذارش کی گئی ہے کہ مردوں کو نت نئے ڈیزائن کی داڑھیاں ترشوانے سے روکا جائے۔

اگر وہ اس درخواست میں یہ بھی کہہ دیتیں کہ ان فیشن ایبل داڑھیوں کی وجہ سے معصوم بیبیوں کے ایمان متزلزل ہو جاتے ہیں تو مجھے ان کی اس بات پر پیار آ جاتا۔۔آخر ایسا ہو بھی تو سکتا ہے۔۔اگر بے چارے مردوے عورت ذات کو دیکھ کر بے قابو ہو جاتے ہیں تو عورتوں کا ان خوبصورت داڑھیوں والے مردانہ چہروں کو دیکھ کر دل کیوں نہیں دھڑک سکتا۔۔یہ قدرتی بات ہے۔۔کسی بھی حسینہ کی کسی ریشمی، لہراتی، ہواوں سے الجھتی، سنسناہٹ بھری داڑھی پر نظر جا ٹکے تو وہاں سے ہٹنے کا نام ہی نہ لے۔۔میر جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ۔۔۔عورت کو بھی اس کے اندر کا جذباتی ہیجان بے اختیار کر سکتا ہے۔۔گہرے اور ساکن سمندروں کی تہ میں طوفان کچھ ایسی اچنبھے کی بات تو نہیں۔۔۔راکھ کے ڈھیر میں سلگتی چنگاری بھلے نظر سے پوشیدہ ہو، جوان جذبوں کا نشان دیتی داڑھی ہوا دے تو تپش رکھتی ہے، آنچ دے سکتی ہے، اور لالہ رخ کے شعلہ رو بننے میں کیا دیر لگتی ہے۔۔۔

رکن پنجاب اسمبلی رخسانہ کوثر نے اپنی قرارداد کی بنیاد سنت نبوی پر رکھی ہے۔ کاش انہوں نے یہ بھی کہا ہوتا......کہ سنّت کا تقاضا ہے کہ مرد اپنے سے بڑی عمر کی، مطلقہ، بیوہ یا کسی بے سہارا عورت سے شادی کریں اور کنواریوں کے پیچھے قیس بن کر خاک اڑاتے نہ پھریں۔فرہاد بن کر بنجر زمینوں میں ہوا و ہوس کا تیشہ چلانے سے گریز کریں۔ پیارے نبی نے تو کسی بھی امیر یا غریب، کسی طبقے یا قبیلے کی خاتون کو شریک حیات بنانے میں عار نہیں سمجھا۔

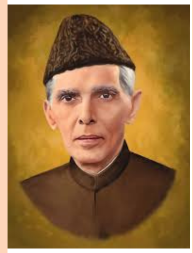
اگر نبی آخر الزماں کی پیروی ہی کرنی ہے تو یاد رہے کہ انہوں نے لمبی داڑھی والے کو نہیں بلکہ ہر اس انسان کو افضل قرار دیا جس کا اخلاق اچھا ہو۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ شخص وہ ہوتا ہے جس کے اعمال نیک ہوں، ایمانداری، شرافت، راست بازی، فرض شناسی اور خدا خوفی میں زندگی گزارتا ہو، کمزور انسانوں اور جانوروں سے رحمدلی سے پیش آتا ہو۔انسان کی اچھائی برائی کا تعلق اس کے کردار سے ہوتا ہے۔کسی کی داڑھی کی لمبائی اور شلوار کی اونچائی اس کی اخلاقی برتری کو ثابت نہیں کرتی۔

یہ حقیقت تو ہم سب جانتے ہیں کہ مدرسوں میں اور ان سے باہر بچوں کا جنسی استحصال کرنے والوں میں داڑھی والے اور داڑھی منڈے میں کوئی امتیاز نہیں۔ ماسٹر ہو یا ملا، عبدالباری اور حسین قاری میں کوئی فرق نہیں۔(وزیرستان میں نوعمر بچوں کو خودکش حملوں کی تربیت دینے والے بدنام زمانہ دہشت گرد کا نام قاری حسین تھا)۔سانحہ پشاور میں بچوں کا قتل عام کرنے والے باریش دہشت گرد کی مسکراتی ہوئی تصویر جب بھی دیکھتی ہوں، روح کانپ کے رہ جاتی ہے۔جس طرح برقع یا نقاب کسی عورت کی راست بازی یا پاک دامنی کی دلیل نہیں ہوتا، اسی طرح داڑھی بھی کسی مرد کو نیک یا بد ثابت نہیں کرتی ۔اچھے اصول اور آدرش ہی آدمی کو انسان بناتے ہیں۔معاشرے کو کسی ڈیزائن دار مردانہ داڑھی نے نہیں بلکہ بے ایمانی، مکاری، لوٹ کھسوٹ اور غیر ذمہ دارانہ رویوں نے نقصان پہنچایا ہے۔

ارکان اسمبلی پہلے تو اپنے گریبانوں میں جھانکیں، چوتھی کی دلہن جیسی سجی بنی خواتین اور تھتھلاتے جثوں والے اول جلول اسمبلی میں حاضر ہی نہیں ہوتے حالانکہ یہ ان کا فرض منصبی ہے اور وہ اس کی تگڑی تنخواہ اور ڈھیروں مراعات لیتے ہیں۔اور اگر قدم رنجہ فرمانے کی زحمت کر لیں تو اونگھتے رہتے ہیں یا گپیں ہانک کر وقت گزاری کرتے ہیں، بات بات پر شور مچاتے ہیں، نمبر ٹانکنے کے لئے تو تکار کی جاتی ہے، آخر ان کو فری پیٹرول والی گاڑیاں، نوکر چاکر اور خیرہ کن مراعات کس کھاتے میں دی جاتی ہیں۔داڑھی کو ناپنا اور جانچنا چھوڑیں، قوم کے مسائل کی طرف توجہ دیں، اور اگر آپ کی پارسائی کو منطقہ ناف ہی تک رسائی پر اصرار ہے تو فہمیدہ ریاض کی یہ سطریں یاد کریں جہاں وہ کہتی ہیں۔۔۔۔

کولھوں میں بھنور جو ہیں تو کیا ہے	سر میں بھی ہے جستجو کا جوہر
تھا پارۂ دل بھی زیر پستاں	لیکن مرا مول ہے جوان پر
گھبرا کے نہ یوں گریز پا ہو	پیمائش میری ختم ہو جب

اپنا بھی کوئی عضو ناپو!



قائداعظم اور جماعت احمدیہ

جمیل احمد بٹ



قائداعظم ایک سچے، دیانتدار، محنتی، قانون پسند اور مخلص انسان تھے۔ انہوں نے مسلمانانِ ہند کی کامیاب قیادت کی اور آئینی طریق پر ان کے لئے ایک آزاد اور اس وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے ملک کا قیام ممکن بنایا۔ اس جدو جہد میں مسلمان عوام ان کے ساتھ تھے۔ گو ہندوستان کی بیشتر مسلم تنظیمیں اور گروپ از قسم علمائے دیوبند، جمعیت علمائے ہند، جماعت اسلامی، مجلس احرار، خاکسار تحریک ان کے بھرپور مخالف رہے۔ صرف جماعت احمدیہ وہ واحد جماعت تھی جو اس تحریک میں شامل اور دامے، درمے، سخنے تحریک پاکستان کی مددگار رہی اسی لئے قائداعظم اور احمدیوں کے مابین ہمیشہ خوشگوار تعلقات رہے۔ حضرت امام جماعت قائداعظم کے معترف رہے، آپ اور قائداعظم کی باہم کئی ملاقاتیں ہوئیں، خط و کتابت رہی، اہم معاملات میں حضرت صاحب نے قائداعظم کو صائب مشورے دئے اور گراں قدر عملی مدد کی۔ دوسری طرف قائداعظم نے بھی احمدیوں سے روابط رکھے، ان کی حمایت کی، احمدیوں کی مدد کو الم نشرح کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح کو دعا کے لئے درخواست کی، ایک مشہور احمدی کی برملا تعریف کی اور انہیں اعلیٰ مراتب پر فائز کیا۔ ان حقائق پر مشتمل چند واقعات درج ذیل ہیں۔

1۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے قائداعظم کے بارے میں تعریفی ارشاد:

i۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے 11 ستمبر 1927ء کو شملہ میں الفنسٹن ہال میں نواب سر ذوالفقار علی خاں کی صدارت میں ایک لیکچر دیا جس میں منجملہ یہ بھی فرمایا: جناح صاحب اس وقت سے مسلمانوں کی خدمت کرتے آئے ہیں کہ محمد علی (جوہر) صاحب ابھی میدان میں نہ آئے تھے ۔۔۔۔۔۔ میں انکی خدمات کے باعث ان کو قابل عزت اور قابل ادب سمجھتا ہوں'۔

(لیکچر شملہ بحوالہ انوار العلوم جلد 10 صفحہ 18)

2۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنے ایک مضمون رقم فرمودہ 8 دسمبر 1927ء میں فرمایا: مسٹر جناح اور مولانا محمد علی سے پچھلے دنوں شملہ میں مجھے شناسائی ہو چکی ہے اور یونیٹی کانفرنس اور قانون حفاظت مذاہب کے متعلق گھنٹوں ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع ملا ہے میں مسٹر جناح کو ایک بہت زیرک، قابل اور مخلص خادمِ قوم سمجھتا ہوں اور ان سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی میرے نزدیک وہ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنے ذاتی عروج کا اس قدر خیال نہیں جس قدر کہ قومی ترقی کا ہے'۔

(ٹریکٹ مسلمانانِ ہند کے امتحان کا وقت بحوالہ انوار العلوم جلد 10 صفحہ 45)

2۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی قائداعظم سے ملاقاتیں: جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب بعض اہم معاملات پر ہندوستان کے مشہور سیاسی زعماء سے تبادلہ خیالات کے لئے اگست، ستمبر 1927ء میں شملہ میں مقیم رہے۔ اسی دوران آپ کے قائداعظم سے جو اس وقت اپنے نام سے پہچانے جاتے تھے درج ذیل ذاتی رابطے اور ملاقاتیں ہوئیں۔۔2 ناموس پیشوایان مذاہب کے تحفظ کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح نے جو مسودہ قانون تجویز کیا تھا اس پر گفتگو کے لئے جو مشہور لیڈر آگاہے بگاہے آپ کی فرودگاہ پر تشریف لائے اور گھنٹوں بیٹھ کر تبادلہ خیالات کیا ان میں محمد علی جناح بھی تھے۔

(تاریخ احمدیت جلد 4 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 612)

ii۔ اس دوران شملہ میں ہندو مسلم اتحاد کانفرنس ہوئی جس کے شریک لیڈروں میں حضرت خلیفۃ المسیح اور جناب محمد علی جناح بھی شامل تھے اور ہر دو کانفرنس کے تینوں اجلاسوں میں شریک ہوئے۔ پہلے دو اجلاسوں میں حضرت صاحب نے خطاب فرمایا جبکہ تیسرا اجلاس قائداعظم کی صدارت میں ہوا۔

iii۔ شملہ کانفرنس کا آخری اجلاس قائداعظم کی صدارت میں ہوا اور اس میں حضرت خلیفۃ المسیح نے جداگانہ انتخاب کے حق میں تقریر فرمائی۔

iv۔ حضرت خلیفۃ المسیح اور قائداعظم کی پہلی One to One ملاقات: شملہ ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح کی قائداعظم کے ساتھ ایک One

to One ملاقات ہوئی، اس کی چشم دید روایت ایک بزرگ کی زبانی یوں ہے۔ یہ موسم گرما 1927ء کا واقعہ ہے ستمبر کا مہینہ تھا تمام صوبوں کے لیڈر شملہ میں اکھٹے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح کی رائے جداگانہ انتخاب کے حق میں تھی۔۔۔قائداعظم اس وقت مشترکہ انتخاب کے حق میں تھے۔۔۔آپ (حضرت خلیفۃ المسیح) نے ان دنوں انتہائی کوشش کی کہ مسلمان مشترکہ انتخاب کے سراب نما خوشکن نظریہ فریب میں نہ آجائیں چنانچہ آپ نے مختلف صوبوں کے لیڈروں کو ایک ایک کر کے اپنے ہاں مدعو کیا ہر ایک کے ساتھ فرداً فرداً تبادلہ خیال کر کے ان پر اپنا نقطہ نگاہ واضح کیا۔۔۔مرحوم قائداعظم اس وقت کانگریس کے ممبر اور مسٹر محمد علی جناح کہلاتے تھے آپ کو بھی کنگزلے (شملہ میں آپ کی رہائش گاہ) میں دعوت چائے دی گئی تھی میں اس وقت اس دعوت میں موجود تھا۔آپ نے تبادلہ خیال کے آخر میں فرمایا۔مرزا صاحب! میں نہیں مان سکتا کہ نصب العین ہمارا یہ ہو کہ ہندوستانی قوم بلند مقام تک جا پہنچے اور اس کا ذریعہ جداگانہ انتخاب ہو؟

(ہماری ہجرت اور قیام پاکستان از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب صفحہ 15۔16 دارالتجلید لاہور)

گویا بالآخر قائداعظم نے اپنی رائے بدل لی اور جداگانہ انتخاب کے حامی ہو گئے۔

v۔1946ء میں ہندوستان میں عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت میں درپیش مسائل ایک وقت میں اتنے گھمبیر ہو گئے کہ تحریک کی کامیابی بالکل مخدوش ہو گئی۔اس مشکل وقت میں حضرت خلیفۃ المسیح ستمبر/اکتوبر 46ء میں تین ہفتہ تک دہلی میں تشریف فرما رہے۔اس دوران آپ نے 24 ستمبر کو قائداعظم سے انتہائی مخلصانہ اور دوستانہ ماحول میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ملاقات کی جس کی خبر اورینٹ پریس کی طرف سے اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔

(تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 405)

3۔حضرت خلیفۃ المسیح کی قائدِ اعظم سے خط و کتابت: حضرت خلیفۃ المسیح نے کئی اہم مواقع پر قائدِ اعظم سے مراسلت کر کے مسائل کے حل میں خصوصی کردار ادا کیا۔

i۔آپ نے قائداعظم کے نام اپنے 6 اکتوبر 1946ء کے ایک خط میں تحریر فرمایا

I did not perhaps inform you that the very day I met you , I sent a note to H.E. the Viceroy telling him that the Muslim League demands have the full support and sympathy of my community.

ترجمہ: میں شاید اس سے قبل آپ کو مطلع نہیں کر سکا کہ اسی روز جس دن میں نے آپ سے ملاقات کی تھی میں نے ہزایکسی لینسی وائسرائے کو ایک خط بھجوایا تھا جس میں میں نے انہیں یہ لکھا تھا کہ مسلم لیگ کے تمام مطالبات کو مجھے اور میری جماعت کا پورا تعاون اور حمایت حاصل ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 462۔ 463)

۔جب عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت کا معاملہ حل ہو گیا تو حضرت صاحب نے 27 اکتوبر 46ء کو قادیان سے قائداعظم کو مبارکباد کا خط بھیجا جس میں تحریر فرمایا

The new allotment of portfolios has been announced, though their distribution is not equitable but I must congratulate you on your successfull efforts...May Allah help you in your great task and lead you to the right path. Amen

ترجمہ: قلمدانِ وزارت کی نئی تشکیل کا اعلان ہو چکا ہے۔اگرچہ ان کی تقسیم منصفانہ اور معقول نہیں ہے تاہم میں آپ کو آپ کی کامیاب مساعی پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی عظیم مساعی میں برکت ڈالے اور صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(تاریخ احمدیت جلد 11 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 463۔464)

iii۔فروری 1947ء تک صوبہ پنجاب کی پاکستان میں شمولیت مخدوش تھی کیونکہ وہاں یونینیسٹ حکومت قائم تھی جس سے مسلم لیگی اکابر کے مذاکرات ناکام ہو چکے تھے۔اس نازک وقت میں حضرت خلیفۃ المسیح کی راہنمائی میں چوہدری ظفراللہ خان صاحب کی کوشش سے ملک خضر حیات نے دو مارچ کو استعفیٰ دیا اور مسلم لیگ کا راستہ صاف ہوا۔یہ خبر اس وقت کئی اخبارات میں شائع ہوئی۔اس بارے میں قائد اعظم کے نام حضرت صاحب کے ایک خط تحریر فرمودہ 2 مارچ 1947ء کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

As I told you when we met at Delhi that at the proper

time Sir Khizar Hayat Khan could be persuaded to join the league......Sir Muhammad (Zafarullah Khan) came yesterday and discussed the matter with me. Deliberating this, last night he had a long discussion with Malik Sahib and Qazlibash. They have agreed to resign......Now you have a great lever to get Muslim rights from your ooponents. Now only NWFP remains. I will try to study its situation. Hope you will get help from some other sources as well, but no more can be disclosed in a letter. May be we meet in Dehli in April.

(Quaid-e-Azam Muhammad Ali Jinnah papers Vol I,
(20 February - 2 June 1947) P 161
Printed by Ministry of Culture, Govt of Pakistan,
1993 بحوالہ ماہنامہ خالد اگست 1997ء صفحہ 30)

ترجمہ: جیسا کہ میں نے دہلی میں آپ سے ملاقات کے دوران ذکر کیا تھا کہ مناسب وقت پر سر خضر حیات کو مسلم لیگ میں شمولیت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے ۔۔۔سر محمد ظفر اللہ خاں نے گزشتہ روز اس معاملہ پر مجھ سے گفتگو کی اور پھر اس کی روشنی میں رات ملک صاحب اور قزلباش سے تفصیلی گفتگو کی۔ وہ مستعفی ہونے پر رضامند ہو گئے ہیں۔۔۔اب مخالفین سے مسلمانوں کے حقوق حاصل کرنے کے لئے آپ کے ہاتھ ایک مضبوط ذریعہ آ گیا ہے۔ اب صرف صوبہ سرحد باقی رہتا ہے میں اس کی صورتحال کا جائزہ لینے کی کوشش کروں گا اور امید کرتا ہوں کہ اس معاملہ میں بھی بعض ذرائع سے آپ کو مدد مل سکتی ہے لیکن یہ بات خط میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ بہتر ہو گا کہ ہم اپریل میں دہلی میں ملاقات کر لیں۔

vi۔ پنجاب باؤنڈری کمیشن کی کاروائی کے ایک اہم مرحلہ پر حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنا ایک مکتوب مرقومہ 11 اگست 1947ء حضرت مولوی عبدالرحیم درد صاحب کے ہاتھ قائداعظم کو بھیجا جس میں منجملہ آپ نے تحریر فرمایا: بے شک آپ ستلج پر اصرار کریں لیکن یہ ساتھ ہی کہہ دیں کہ اگر ہمیں بیاس سے ورے دھکیلا گیا تو ہم نہ مانیں گے اور واقعی میں نہ مانیں تب کامیاب ہونگے ورنہ وہ بیاس سے بھی ورے دھکیل دیں گے ہم تو چاہتے ہیں کہ سارا پنجاب ہی تقسیم نہ ہو۔ تاہم تقسیم کو تسلیم کر لیں تو محفوظ موقف ہمارا بیاس ہے ستلج نہیں۔ (تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 479)

4۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی قائدِ اعظم کی عملی مدد: تحریکِ پاکستان کے ہر اہم موڑ پر حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی خداداد فراست سے قائدِ اعظم کو عملی مدد بہم پہنچائی۔ ایسے چند واقعات درج ذیل ہیں: i۔ جناح لیگ اور شفیع لیگ میں الحاق کی کامیاب جماعتی کوشش: سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے مسئلہ پر مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی نگاہ میں جناب محمد علی جناح صاحب کی سیاسی خدمات کی بہت قدر و منزلت تھی اس لئے آپ دل سے چاہتے تھے کہ دونوں دھڑوں میں مفاہمت ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے جناب محمد علی جناح اور شفیع لیگ کے سیکریٹری ڈاکٹر سر محمد اقبال کو خطوط لکھے جن کا ذکر ہر دو اصحاب نے بعض مجالس میں کیا اور مصالحت کی امید پیدا ہو گئی۔ مارچ 1929ء میں جناب محمد علی جناح اور سر محمد شفیع کی ملاقات ہوئی جس میں جماعت احمدیہ کے ناظر امور خارجہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی شریک ہوئے۔ دونوں لیڈر اتحاد پر آمادہ ہو گئے اور آخر مارچ میں مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں قرار پایا۔ اس اجلاس میں شرکت کی دعوت حضرت خلیفۃ المسیح کو بھی دی گئی۔ اس اجلاس کے بعد بھی حضرت مفتی صاحب نے اپنی کوششیں جاری رکھیں جو بالآخر رنگ لائیں اور فروری 1930ء میں دہلی میں دونوں مسلم لیگیں ایک ہو گئیں۔ (تاریخ احمدیت جلد 5 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 129-130) ii۔ قائد اعظم کی وطن واپسی کے لئے کامیاب جماعتی کوشش: قائد اعظم نے پہلی گول میز کانفرنس کے بعد اصلاح احوال سے سخت مایوس ہو کر ہندوستان چھوڑ کر لندن میں مستقل قیام کر لیا اور وہیں پریکٹس شروع کر دی۔ حضرت خلیفۃ المسیح قائد اعظم کی صلاحیتوں سے واقف تھے اور دلی طور پر چاہتے تھے کہ وہ واپس آ کر مسلمانانِ ہند کی قیادت کریں۔ چنانچہ جب 12 مارچ 1933ء کو حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب نے جماعت کے لندن مشن کا چارج سنبھالا تو آپ نے ان کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ قائد اعظم سے ملاقات کر کے انہیں ہندوستان واپس آنے کی ترغیب دیں۔ حضرت عبدالرحیم درد صاحب مارچ 1933ء میں لندن میں قائد اعظم کے دفتر واقع King's

Bench Walk میں ان سے ملے جس کا حال ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے:٭ میں نے ان سے تفصیلی ملاقات کی اور انہیں ہندوستان واپس آ کر سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ مسٹر جناح سے میری یہ ملاقات تین چار گھنٹے تک جاری رہی میں نے انہیں آمادہ کر لیا کہ اگر اس آڑے وقت میں جب کہ مسلمانوں کی رہنمائی کرنے والا اور کوئی نہیں ہے انہوں نے ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگانے کی کوشش نہ کی تو اس قسم کی علیحدگی قوم کے ساتھ بے وفائی کے مترادف ہوگی چنانچہ اس تفصیلی گفتگو کے بعد آپ مسجد احمدیہ لندن تشریف لائے اور وہاں باقاعدہ ایک تقریر کی۔

(الفضل یکم جنوری 1955ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 6 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 103)

اس تقریر کے بعد نواب زادہ لیاقت علی خاں اور ان کی بیگم بھی جولائی 1933ء میں لندن میں قائداعظم سے ملے اور ان سے ہندوستان واپس آنے کی درخواست کی۔ چند ماہ بعد قائداعظم واپس آ گئے۔ بزرگ صحافی اور تحریک پاکستان کے ممتاز لیڈر جناب میاں محمد شفیع (میم شین) نے اس بارے میں لکھا (ترجمہ از انگریزی) انہوں نے ہندوستانی سیاست سے ریٹائر ہونے کا فیصلہ کر لیا اور علامتی طور پر قریباً ہمیشہ کے لئے لندن میں بود و باش اختیار کر لی۔ یہ جناب لیاقت علی خاں اور لندن (بیت) کے امام مولانا عبدالرحیم درد تھے جنہوں نے جناح صاحب کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنا ارادہ بدلیں اور وطن واپس آ کر قومی سیاست میں اپنا کردار ادا کریں۔ جناح صاحب 1934ء میں ہندوستان واپس آ گئے۔

(اخبار پاکستان ٹائمز لاہور قائداعظم ایڈیشن 11 ستمبر 1981ء بحوالہ تحریک پاکستان اور جماعت احمدیہ از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 5)

نامور محقق جناب زاہد حسین انجم صاحب نے 1991ء میں انسائیکلو پیڈیا قائداعظم شائع کیا تو اس میں زیر عنوان درد۔ عبدالرحیم احمدیہ (بیت) لندن کے امام۔ قائداعظم سے اس ملاقات اور اس کے نتیجہ میں ان کے بیت الفضل لندن میں تقریر کا ذکر کیا ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا قائداعظم از زاہد حسین انجم صفحہ 309 مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور 1991ء بحوالہ ماہنامہ خالد ربوہ اگست 1997ء صفحہ 21) 3۔ 1945ء کے انتخابات میں آپ نے جماعت کو مسلم لیگ کی حمایت کی تلقین فرمائی۔ اس کی کچھ اور تفصیل آگے آئے گی۔ ان کے علاوہ درج ذیل معاملات میں مدد کا ذکر آپ کی قائدِاعظم سے خط و کتابت کے ذیل میں ہو چکا ہے: 1946ء میں ہندوستان کی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت

۔فروری 1947ء میں پنجاب کی یونینسٹ حکومت کا استعفٰی.. پنجاب باؤنڈری کمیشن

5۔ قائداعظم کی جماعت کی بیت فضل لندن میں تقریر۔ مولانا عبدالرحیم درد صاحب کی قائداعظم سے ملاقات کے نتیجہ میں انہوں نے سیاست میں دوبارہ حصہ لینے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کا پہلا اظہار اس تقریب میں شرکت تھی جو عیدالاضحیٰ کے موقع پر 6 اپریل 1933ء کو مسجد فضل لندن میں منعقد ہوئی۔ یہ ایک بڑی تقریب تھی اور اس میں دو سو کے قریب شخصیات مدعو تھیں جن میں مسٹر پیتھک لارنس، سر ایڈورڈ میکلیگن، پروفیسر ایچ اے آر گب اور سر ڈینی سن راس شامل تھے جبکہ صدارت Sir Stewart Sandaman نے کی انسائکلو پیڈیا قائدِاعظم کے مصنف نے اس تقریب کے ذکر میں لکھا' قائداعظم نے اپنی تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا: The eloquent persuation of the Imam left me no escape

ترجمہ: امام صاحب کی فصیح و بلیغ ترغیب نے میرے لئے بچنے کی کوئی راہ نہیں چھوڑی۔ (انسائکلو پیڈیا قائدِاعظم از زاہد حسین انجم صفحہ 780، مقبول اکیڈمی، انارکلی، لاہور، 1991ء) قائداعظم کی یہ تقریر جس کا موضوع India of the Future تھا برطانوی اور ہندوستانی پریس کی خاص توجہ کا مرکز بنی اور چوٹی کے اخبارات میں اس کی اشاعت ہوئی۔ سنڈے ٹائمز لندن نے لکھا:

'There was also a large gathering in the grounds of the mosque in the Melrose Road,Wimbledon, where Mr. Jinnah, the famous Indian Muslim spoke on India's future.

بحوالہ Sunday Times, London 9th April 1933)

ہماری ہجرت اور قیام پاکستان از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ

دارالتجلید لاہور)

ترجمہ: میلر وزروڈ ویمبلڈن پر واقع (بیت) کے احاطہ میں ایک بڑے مجمع سے مشہور ہندوستانی مسلمان مسٹر جناح نے ہندوستان کے مستقبل کے موضوع پر خطاب کیا اس کے علاوہ درج ذیل اخبارات نے اس تقریب کی خبریں شائع کیں

The Evening Standard, London 7/4/33,

Hindu, Madras 7/4/33,

The Madras Mail, Madras 7/4/33,

Pioneer, Alahabad,

The Statesman, Calcutta 8/4/33,

The Civil & Military Gazette, Lahore 8/4/33,

Egyptian Gazette, Alexenderia,

The Near East and India اور رسالہ West Africa, London, 15/4/33

6۔قائداعظم کی احمدیوں کے مسلم لیگ کا ممبر بن سکنے کی حمایت:

بعض مولویوں نے 1944ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں کوشش کی تھی کہ یہ قانون بن جائے کہ کوئی احمدی مسلم لیگ کا ممبر نہیں بن سکتا۔کافی حمایت بھی حاصل کر لی گئی تھی لیکن خود قائداعظم نے مداخلت کر کے یہ قرارداد واپس لینے پر آمادہ کرلیا۔

(نوائے وقت 10 اکتوبر 1953ء بحوالہ سلسلہ احمدیہ جلد دوم مرتبہ ڈاکٹر مرزا سلطان احمد صفحہ 134)

قائدِاعظم کی اصولی بنیاد پر احمدیوں کی اس حمایت کا ذکر اور اس پر ناراضگی کا اظہار کئی جگہ ملتا ہے۔مثلاً

i۔آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور 1944ء میں مولوی عبدالحامد بدایونی نے ایک قرار داد پیش کرنا چاہی جس کا مقصد یہ تھا کہ کہ قادیانیوں کو مسلم لیگ کی رکنیت سے خارج کر دیا جائے یہ لوگ باتفاق علماء دائرہ اسلام سے خارج ہیں لیکن مسٹر جناح نے اپنے آمرانہ اقتدار سے اس قرارداد کو پیش نہیں ہونے دیا۔※

(مسلم لیگ کے شاندار اسلامی کارنامے صفحہ 4 مرتبہ جمعیتہ علماء صوبہ دہلی)

ii۔’مرزا محمود احمد اور اس کی پراپاگنڈہ ایجنسی نے مسٹر جناح سے خط و کتابت کی آخر مسٹر جناح نے مرزائیوں کو مسلم لیگ میں شامل کرلیا۔1944ء کے ایک اجلاس میں اس کے خلاف ایک قرارداد پیش ہوئی تو مسٹر جناح نے اس پر بحث کی اجازت نہ دی‘۔

(احرار کا کتابچہ مسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی صفحہ 19-18 اکتوبر 1946ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 367-366)

iii۔’قادیانیوں کے اخراج کے متعلق جو تجویز پیش ہونے والی تھی اسے بھی مسٹر جناح نے پیش ہونے سے روک دیا‘۔

(اخبار مدینہ بجنور 5 اگست 1944ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 588)

7۔قائداعظم کا حضرت خلیفۃ المسیح کے خط کو پریس میں جاری کرنا

انگریز حکومت نے 19 ستمبر 1945ء کو ملک میں انتخابات کروانے کا اعلان کیا اس حوالے سے قائداعظم نے مسلمانان ہند کے نام یہ پیغام دیا کہ موجودہ حالات میں انتخابات کو خاص اہمیت حاصل ہے انتخابات ہمارے لئے ایک آزمائش کی صورت رکھتے ہیں۔

(اخبار انقلاب لاہور 18 اکتوبر 1945ء بحوالہ تاریخ احمدیت ازمولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 345)

حضرت خلیفۃ المسیح نے جماعت کو ان انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کی ہدایت کی۔اس حمایت کی اہمیت کے پیش نظر قائداعظم نے اس خط وکتابت کو از خود پریس کو جاری کر دیا جو ناظر صاحب امور خارجہ قادیان نے ان کے ملاحظہ کے لئے بھجوائی تھے اور جس میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی ایک احمدی کو یہ ہدایت درج تھی کہ آپ کو موجودہ انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کرنی چاہیئے اور ان سے تعاون کے تمام ممکنہ زریعوں کو بروئے کار لانا چاہیئے۔یہ خط و کتابت انگریزی اخبار ڈان دہلی میں 8 اکتوبر 1945ء کو دہرے عنوان کے تحت یوں شائع ہوئی

AHMADIYA COMMUNITY TO SUPPORT MUSLIM LEAGUE Qadian Leader's Guaidance

Jinnah has released .A. M.Mr۔ Oct 7,Quetta .press the following correspondance to the

ترجمہ: جماعت احمدیہ مسلم لیگ کی حمایت کرے گی۔امام جماعت احمدیہ قادیان کی ہدایت کوئٹہ 17 کتوبر۔جناب محمد علی جناح نے درج ذیل خط وکتابت پریس کو بجھوائی ہے۔(تاریخ احمدیت جلد نمبر 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 356-357) حضرت امام جماعت احمدیہ نے ایک مضمون کے ذریعہ بھی احمدیوں کو مسلم لیگ کی تائید کی ان الفاظ میں تلقین فرمائی۔آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی تائید کرنی چاہئے تا انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلا خوفِ تردید کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔

(الفضل قادیان 22 اکتوبر 1945ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 351)

8۔قائداعظم کا حضرت امام جماعت احمدیہ کو دعا اور مدد کا پیغام اور آپ کا مثبت ردِعمل: قدیم مسلم لیگی اور قائداعظم کے ساتھی سردار شوکت حیات کی کتاب The Nation that lost its soul 1995ء میں شائع ہوئی اور پہلی بار یہ بات ظاہر ہوئی کہ ان انتخابات میں قائداعظم نے حضرت امام جماعت احمدیہ کو دعا کی درخواست اور امداد کے لئے پیغام بجھوایا تھا۔

سردار صاحب کے الفاظ درج ذیل ہیں:

I travelled day and night making six to seven speeches a day and thus carrying on the Muslim League's flag, during the elections. I used to send a copy of my program to Quaid-i-Azam. One day I got a message from Quaid e Azam saying, 'Shaukat, I believe you are going to Batala, which I understand is about five miles from Qadian, please go there and meet Hazrat Sahib and request him on my behalf for his blessings and support for Pakistan's cause'.

After the meeting that night at about twelve mid night, I reached Qadian, when I got there Hazrat Sahib had retired. I sent him a message that I had brought a request from Quaid-e-Azam. He came down immediately and enquired what were Quaid's orders. I conveyed him Quaid's message to pray for and also support Pakistan.

He replied please convey to the Quaid-e-Azam that we have been praying for Mission from the very beginning. Where the help of his followers concerned, no Ahmadi will stand against a muslim leaguer and someone disobays my advice the community would not support him.'

(The Nation that Lost its Soul by Sardar Shoukat Hayat, P 147, Jang Publishers, Lahore Dec 1995)

ترجمہ: الیکشن کے دوران میں مسلم لیگ کا جھنڈا تھامے رات دن سفر کرتا اور ہر روز چھ سات تقریریں کرتا تھا۔میں اپنے پروگرام سے قائدِاعظم کو مطلع رکھتا تھا۔ایک دن مجھے قائد کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ' شوکت! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم بٹالہ جا رہے ہو جو میرے خیال میں قادیان سے پانچ میل دور ہے۔ برائے مہربانی وہاں جاؤ اور حضرت صاحب سے مل کر میری طرف سے انہیں پاکستان کے مقصد کے لئے دعا اور مدد کی درخواست کرو'۔اس رات جلسہ کے بعد، نصف شب بارہ بجے کے قریب میں قادیان پہنچا۔میرے پہنچتے تک حضرت صاحب آرام کے لئے جا چکے تھے۔میں نے انہیں پیغام بجھوایا کہ میں ان کے لئے قائداعظم کی ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔فوراً اُٹھ آئے اور مجھ سے پوچھا کہ کیا پیغام ہے؟ میں نے انہیں قائداعظم کا پیغام پہنچایا کہ پاکستان کے لئے دعا اور مدد کریں۔اس پر انہوں نے جواب دیا کہ قائداعظم کو بتا دیں کہ ہم پاکستان کے لئے ابتداء سے ہی دعا کر رہے ہیں، اور جہاں تک ان کے پیروکاروں کا تعلق ہے تو کوئی احمدی کسی مسلم لیگی امیدوار کا مقابلہ نہیں کرے گا اور اگر کہیں ایسا ہوا تو جماعت اس کی حمایت نہیں کرے گی'۔

(The Nation that lost its soul by Sardar Shoukat Hayat P147 Jang Publishers, Lahore Dec 1995 بحوالہ رسالہ خالد ربوہ اگست 1997ء صفحہ 25)

9۔قائداعظم کا جماعتی خدمات پر اظہارِ تشکر

i۔1946ء کے آخر میں بہار میں فسادات میں مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا اور بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصان ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح نے مظلوم مسلمانانِ بہار کے ریلیف فنڈ کے لئے قائداعظم کی خدمت میں پندرہ ہزار

روپے کی پہلی قسط بھجوائی۔قائداعظم نے جواباً لکھا نیو دہلی 23 نومبر بنام ناظر صاحب امور عامہ جماعت احمدیہ قادیان۔۔۔آپ کا خط اور چیک مل گیا ہے آپ کی امداد کے لئے بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔۔۔جناح ۔

(الفضل 28 نومبر 1946ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 771)

ii۔اوائل 1947ء میں سر خضر حیات کے استعفیٰ کا معاملہ بہت اہم تھا اور یہ صرف حضرت خلیفۃ المسیح کی راہنمائی میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوشش سے حل ہوا۔قائداعظم اس کے معترف تھے۔چنانچہ واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جماعت کے ناظر امور خارجہ حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب قائد اعظم سے ملے تو انہوں نے جماعت احمدیہ کی اس کوشش کا بہت شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ آپ نے نہایت آڑے وقت ہماری مدد کی نیز کہا I can never forget it میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔

(قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ از مولانا جلال الدین شمس صفحہ 50 تقریر 28 دسمبر 1949ء)

10۔ قائداعظم کا ایک احمدی کی تعریف اور اعلیٰ ذمہ داریاں تفویض کرنا: چودھری محمد ظفر اللہ خاں اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث برصغیر کی سیاست میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔قائدِاعظم کی مردم شناس نگاہ سے یہ امر پوشیدہ نہ تھا۔اسی لئے آپ ان کے مداح رہے۔مثلاً 1939ء میں ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا: میں اپنی اور اپنی پارٹی کی طرف سے آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں کو ہدیہ تبرک پیش کرنا چاہتا ہوں وہ مسلمان ہیں اور یوں کہنا چاہئے کہ گویا اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں۔

(ہماری قومی جدوجہد از ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی صفحہ 218 مطبوعہ سنگِ میل پبلیکیشنز ،لاہور، 1995ء)

اسی سبب جولائی 1947ء سے ستمبر 1948ء تک کے پندرہ مہینوں میں قائداعظم نے چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو یکے بعد دیگرے چار اہم ترین ذمہ داریاں تفویض فرمائیں اور ان میں مکرم چودھری صاحب کی اعلیٰ کارکردگی کی کھلے دل سے تعریف کی۔

i۔پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کی نمائندگی:

جولائی 1947ء میں پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے بھی پہلے پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا کیس لڑنے کے لئے قائداعظم کی نگاہِ انتخاب ظفر اللہ خاں صاحب پر پڑی۔اس تقرری کے بارے میں مشہور صحافی م ش صاحب نے لکھا:

قائداعظم نے چوہدری سر ظفر اللہ خاں کو مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے نامزد کیا تاکہ وہ پارٹیشن کمیٹی (باؤنڈری کمیشن) کے سامنے پیش ہوں ۔۔۔قائداعظم معمولی انسان نہیں تھے وہ تاثرات کی بناء پر لوگوں کے متعلق رائے قائم کرنے کے عادی نہ تھے بلکہ وہ تجربہ کی کسوٹی پر لوگوں کو پرکھا کرتے تھے انہوں نے بہت سوچ بچار کے بعد ظفر اللہ خاں کو مسلم لیگ کی نمائندگی کے لئے نامزد کیا تھا۔

(نوائے وقت لاہور میگزین 6 مارچ 1992ء بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ خاں صفحہ 106)

کمیشن میں آپ کی کارکردگی پر قائداعظم کے خراج تحسین کا حال معروف صحافی منیر احمد منیر صاحب نے یوں بیان کیا:

قائداعظم نے چوہدری ظفر اللہ خاں کو پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر کیا تھا اور جب چوہدری ظفر اللہ خاں یہ کیس پیش کر چکے تو قائداعظم نے انہیں شام کے کھانے کی دعوت دی اور انہیں معانقہ کا شرف بخشا جو قائداعظم کی طرف سے کرہ ارض پر بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔معانقہ کرنے کے بعد قائداعظم نے چوہدری ظفر اللہ خاں سے کہا میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا تم نے اسے اعلیٰ قابلیت اور نہایت احسن طریق سے سرانجام دیا۔

(کالم مطبوعہ روزنامہ خبریں لاہور مورخہ 7 جون 2003ء بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ 143)

iiiاقوام متحدہ میں پاکستان کے پہلے وفد کی سربراہی: پاکستان بنتے ہی اقوام متحدہ میں نمائندگی دلوانے اور دیگر زیر بحث معاملات میں پاکستان کی آواز بلند کرنے کے لئے پہلے پاکستانی وفد کی سربراہی کے لئے قائداعظم نے ظفر اللہ خاں صاحب کو مقرر فرمایا۔آپ کی اعلیٰ کارکردگی کے بارے میں امریکہ میں

اس وقت کے پاکستانی سفیر حسن اصفہانی صاحب نے قائداعظم کے نام اپنے خط مورخہ 4 اکتوبر 1947ء میں لکھا ترجمہ: اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد نے توقع سے بڑھ کر کارکردگی دکھائی ہے فلسطین کے مسئلہ پر ظفراللہ خاں نے جو تقریر کی وہ اقوام متحدہ میں اس مسئلہ پر ہونے والی بہترین تقریروں میں سے ایک ہے۔۔۔ یہ کسی قسم کی تعلّی نہیں ہے کہ ہم نے واقعی عمدہ تاثر پیدا کیا ہے پاکستان نے اپنا آپ منوالیا ہے۔۔''

(Quaid-I-Azam Mohammad Ali Jinnah Papers, Vol VI, (1st Oct - 31 Dec 1947). P 101

بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ 161) اسی تعلق میں میں قائداعظم نے حسن اصفہانی صاحب کے نام اپنے خط مورخہ 11 ستمبر 1947ء میں لکھا: ظفراللہ (نیویارک سے) واپس پہنچ گئے ہیں اور میری ان سے طویل گفتگو ہوئی ہے۔ واقعی انہوں نے اپنا کام عمدگی سے انجام دیا ہے۔

(Quaid-i-Azam Mohammad Ali JInnah Paper,Vol VI,(1 Oct-31Dec1947) P 403,Ministry of Culture, 2001 بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ 162)

iii وزیر خارجہ پاکستان کی حیثیت سے تقرری: ابھی اقوام متحدہ کا اجلاس جاری تھا کہ قائداعظم نے ظفراللہ خاں صاحب کو واپس بلوا بھیجا اور 22 اکتوبر 1947ء کو حسن اصفہانی صاحب کو لکھا: جہاں تک ظفراللہ خاں کا تعلق ہے تو ہم نہیں چاہتے کہ جب تک وہاں (اقوام متحدہ) پر ان کا قیام ضروری ہے وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر آجائیں۔۔۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں قابل لوگوں خاص طور پر ان جیسی اعلیٰ صلاحیت کے اشخاص کی بہت کمی ہے اس لئے جب بھی ہمیں مختلف مسائل سے واسطہ پڑتا ہے تو ان کے حل کے لئے لامحالہ ہماری نظریں ان کی طرف اٹھتی ہیں۔'

(Quaid-I-Azma Mohammad Ali Jinnah Papers, by Ministry of Culture Vol VI, Page 165, Published Division, Govt of Pakistan, Islamabad 2001 بحوالہ تعمیر و ترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصراللہ راجا صفحہ (232-233)

اقوام متحدہ سے وفد کی واپسی پر آپ کو حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا آپ اس عہدے پر سات سال تک فائز رہے۔ (نوائے وقت لاہور 3 ستمبر 1985ء) یہ تقرری قائداعظم کے یوم پیدائش یعنی 1947ء کے 25 دسمبر کو ہوئی۔ قائداعظم کے چوہدری ظفراللہ خاں صاحب پر اس اعتماد اور بھروسہ کے مجموعی ذکر پر مشتمل دو تحریریں درج ذیل ہیں: اخبار 'نوائے وقت' لاہور نے جو اس تحریر کے وقت مسلم لیگ کا ترجمان شمار ہوتا تھا، قائداعظم کی زندگی میں اپنے اداریہ میں لکھا:

جب قائداعظم نے یہ چاہا کہ آپ باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں تو ظفراللہ خاں نے فوراً یہ خدمات انجام دینے کی حامی بھر لی۔۔۔ اور اسے ایسی قابلیت سے سرانجام دیا کہ قائداعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو۔این۔او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کردیا جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابل احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا آپ نے ملک وملت کی شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائداعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو باعتبار منصب وزیراعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے۔ قائداعظم نے چوہدری صاحب کو بلاتامل پاکستان کا وزیر خارجہ بنادیا۔

(نوائے وقت لاہور 24 اگست 1948ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 9 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ 578-579)

معروف صحافی منیر احمد منیر نے اپنے کالم 'جگ ورتی' میں لکھا: ''ان کی تعریفیں تو وہ ہستی کرتی رہی جسے دنیا بانی پاکستان بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے مبارک القاب اور نام سے جانتی ہے سچائی جن کی پہچان تھی جنہوں نے کسی کا دل رکھنے کے لئے مصلحتاً بھی جھوٹ نہ بولا۔۔۔ قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں کو پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔۔۔ قیام پاکستان کے بعد۔۔۔ قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں کو پاکستان کی نمائندگی کے لئے یو۔این۔او میں بھیجا تھا جب قائداعظم نے امریکہ میں پاکستانی سفیر حسن اصفہانی کو لکھا کہ ظفراللہ کو واپس بھیج دیں تو اصفہانی صاحب نے پس و پیش کی اس پر 22 اکتوبر

1947ء کو اصفہانی کے نام اپنے خط میں یہ جملہ قائد اعظم نے ہی ظفر اللہ خاں کے لئے لکھا تھا۔۔۔یہاں ہمارے پاس اہل خاص طور پر ان جیسے مقام (Calibure) کے حامل افراد کی کمی ہے۔۔۔یہی وجہ ہے کہ مختلف مسائل کے حل کے لئے ہماری نگاہیں بار باران کی طرف اٹھتی ہیں۔۔۔ظفر اللہ خاں کو پاکستان کا وزیر خارجہ بھی قائد اعظم نے ہی مقرر کیا تھا۔قیام پاکستان سے کوئی 12 برس قبل سنٹرل لجیسلیٹو اسمبلی کے بھرے اجلاس میں یہ جملہ بھی قائداعظم نے ہی ادا کیا تھا ظفر اللہ خاں میرا سیاسی بیٹا ہے۔

(کالم مطبوعہ روزنامہ خبریں مورخہ 7 جون 2003ء بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ 249-250)

iv۔قائداعظم کے آخری دستخط از فرخ امین (قائداعظم کے سیکریٹری)

قائداعظم کے سکریٹری فرخ امین صاحب نے بیان کیا کہ بیماری کے پورے زمانے میں قائداعظم نے اس وقت تک سرکاری کاموں کا سلسلہ جاری رکھا جب تک ان میں ذرا بھی سکت باقی تھی۔۔۔مجھے وہ دن ہمیشہ یادرہے گا جب انہوں نے یو۔این۔او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے سر محمد ظفر اللہ خاں کو پورے اختیارات دینے کے لئے آخری سرکاری دستخط کئے'۔(زندہ قائداعظم از منظور حسین عباسی صفحہ 34 مطبوعہ مکتبہ شاہکار لاہور بحوالہ تعمیر وترقی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا 251-252)یہ یو این میں پاکستان کا دوسرا وفد تھا۔

11۔قائداعظم کی وفات پر جماعتی ردّعمل:

قائدِاعظم کی وفات ایک سانحہ تھا۔جس پر حضرت خلیفۃ المسیح اور جماعت کے دیگر اکابرین نے اپنے دلی غم کا اظہار کیا۔ i۔ چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب آپ کے قریبی اور قابل اعتماد ساتھیوں میں سے تھے۔اس حقیقت کے باوجود کہ آپ ایک غیر از جماعت امام کے پیچھے قائد کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوسکتے تھے۔اوراس علم کے باوجود کہ آپ کا نمایاں طور پر ایسا نہ کرنا ایک نئے اعتراض کو جنم دے گا۔محبت کا یہی تعلق آپ کو کشاں کشاں جنازہ کے اس اجتماع میں لے گیا۔آپ کا یہ طرزِ عمل بہادری سے اصولوں پر ڈٹے رہنے کی ایک اعلیٰ مثال تھا۔اور عالمِ بالا میں میں اصول پسند قائدِ اعظم بھی اس پر اظہارِ پسندیدگی کئے بغیر نہ رہے ہوں گے۔ اس موقع کی پریس میں چھپنے والی وہ تصویر جس میں آپ اکیلے غم واندوہ کی تصویر بنے بیٹھے تھے اس موقع پر آپ کے دلی جذبات کی آئینہ دار تھی۔ ii۔تاہم اس حادثہ پر اصل جماعتی اظہار وہ تعزیتی پیغام تھا جو حضرت مصلح موعود نے جناب لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کے نام بذریعہ تار ارسال فرمایا اور جس کا درج ذیل متن اگلے دن کے اخبار الفضل میں صفحہ اول پر جلی حروف میں شائع ہوا۔میں پاکستان کے تمام احمدیوں کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر انتہائی رنج وغم کا اظہار کرتا ہوں۔یہ نقصان اکیلے پاکستان کا ہی نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام کا مشترکہ نقصان ہے کیونکہ اس انتہائی نازک دور میں قدرتی طور پر تمام عالم اسلام کی نگاہیں امداد کے لئے پاکستان اور قائداعظم کی عظیم شخصیت کی طرف اٹھ رہی تھیں۔خدا تعالیٰ قائداعظم کے کام میں برکت ڈالے اور پاکستان اور تمام باشندگان پاکستان پر اپنا فضل نازل فرمائے۔ بڑے لوگ اپنے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔میں امید کرتا ہوں کہ ہر سچا پاکستانی اپنی رہنمائی کے لئے آپ کے اصولوں کو پیش نظر رکھے گا۔اور ذاتی خواہشات اور ذاتی مفاد سے بالا ہو کر اپنی زندگی کو از سر نو (دین) اور (مومنوں) کی خدمت کے لئے وقف کردے گا۔میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کے احمدی پاکستان کو مضبوط اور طاقتور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرینگے۔اور اپنی طرف سے اس کی خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کرینگے۔خدا تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ رتن باغ لاہور۔

(روزنامہ الفضل لاہور مورخہ 12 ستمبر 1948ء)

iii۔وفات کے تیسرے دن روزنامہ الفضل میں حضرت خلیفۃ المسیح کے بھائی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا تحریر فرمودہ ایک مضمون بعنوان قائداعظم محمد علی جناح شائع ہوا جس کے چند جملے درج ذیل ہیں۔گو قائداعظم کا جسد خاکی سپرد خاک ہو کر اپنے دنیوی دور زندگی کو ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے مگر ان کی روح اپنے اچھے اور شاندار اعمال کے ساتھ زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔۔۔قائداعظم میں بہت سی خوبیاں تھیں مگر ان کا جو کام سب سے زیادہ

نمایاں ہوکر نظر آتا ہے وہ یقینا یہی ہے کہ ان کے ذریعہ مسلمانان ہندوستان سیاسی اتحاد کی لڑی میں پروئے گئے جو اس سے پہلے بالکل مفقود تھا۔۔۔مسلمانوں کے سیاسی اتحاد اور پاکستان کے وجود کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کا سب سے بڑا کام اور سب سے بڑا وصف ان کا عزم و استقلال تھا۔۔۔(وہ) ہمیشہ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور مسلمانوں کی کشتی کو نہایت عزم اور استقلال کے ساتھ چلاتے اور اردگرد کی چٹانوں سے بچاتے ہوئے منزل مقصود پر لے آئے۔۔۔قائداعظم محمد علی جناح کا تیسرا نمایاں وصف ہر قسم کی پارٹی بندی سے بالا ہوکر غیر جانبدارانہ انصاف پر قائم رہنا تھا۔۔۔ان کے لئے صرف یہی ایک معیار قابل لحاظ تھا کہ ایک شخص کام کا اہل ہو اور یہ وہی زریں معیار ہے جس کی طرف قرآن شریف نے۔۔۔توجہ دلائی ہے۔۔۔قائداعظم محمد علی جناح کی یہی بہترین یادگار ہوسکتی ہے کہ ان کے نیک اوصاف کو زندہ رکھا جائے۔

(اخبار الفضل لاہور 14 ستمبر 1948ء)

iv۔دسویں دن روزنامہ الفضل میں حضرت خلیفۃ المسیح کا تحریر فرمودہ ایک مضمون بعنوان (مومنین) پاکستان کے تازہ مصائب شائع ہوا جس سے چند روشن جملے بطور حرف آخر درج ذیل ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر جناح کی وفات کے بعد اگر وہ (مومن) جو واقعہ میں ان سے محبت رکھتے تھے اور ان کے کام کی قدر پہچانتے تھے سچے دل سے یہ عہد کرلیں کہ جو منزل پاکستان کی انہوں نے تجویز کی تھی وہ اس سے بھی آگے اسے لے جانے کی کوشش کریں گے اور اس عہد کے ساتھ ساتھ وہ پوری تندہی سے اس کو نباہنے کی کوشش بھی کریں تو یقینا پاکستان روز بروز ترقی کرتا چلا جائے گا اور دنیا کی مضبوط ترین طاقتوں میں سے ہوجائے گا'۔

(اخبار الفضل لاہور 21 ستمبر 1948ء بحوالہ انوار العلوم جلد 20 صفحہ 555)

غرضیکہ مذکورہ بالا گیارہ پہلوؤں سے یہ جائزہ اس حقیقت کو پورے طور سے واضح کردیتا ہے کہ جماعت احمدیہ اور قائداعظم کے درمیان ہمیشہ انتہائی مخلصانہ دوستانہ تعلقات رہے۔اکابرین جماعت اور افرادِ جماعت نے ہر اہم موقع پر قیام پاکستان اور استحکام پاکستان کے لئے بے لوث خدمات انجام دیں اور قائد اعظم نے ان کو برملا سراہا۔

دائرہ اسلام



حسن نثار اپنے کالم ''چوراہا'' میں لکھتے ہیں۔

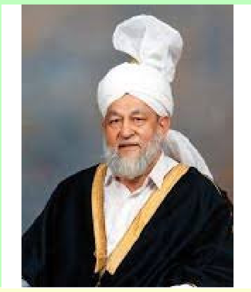
اتنی آسانی سے تو بچے کا نام سکول سے خارج نہیں ہوتا، جتنی آسانی سے کچھ لوگ دوسروں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیتے ہیں جیسے یہ دین کا نہیں ان کا کوئی ذاتی دائرہ ہو بلکہ اس طرح تو ذاتی دائرے سے بھی خارج نہیں کیا جا سکتا۔ مالک مکان بھی اپنے کرائے دار کو ذاتی مکان سے خارج کرنا چاہے تو ایک لمبے پراسیس سے گزرنا پڑتا ہے لیکن ہمارے ہاں اسلام کے دائرے سے خارج کرنا خارش کرنے سے بھی آسان ہوگیا۔سرسید سے لے کر اقبال تک اور ان سے بھی پہلے بہت سے لوگ اس کا نشانہ بنے لیکن عجب اتفاق ہے کہ ایسا کرنے والوں کے نام بھی کوئی نہیں جانتا جبکہ جن کے ساتھ یہ ہاتھ ہوتا ہے، تاریخ ان کے ہاتھوں پر بیعت کرلیتی ہے۔

یہ کون لوگ ہوتے ہیں؟ کن بنیادوں، کس استحقاق یا اتھارٹی کے نتیجہ میں یہ کسی بھی کلمہ گو کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے پر تل جاتے ہیں۔انہیں پبلسٹی کی ضرورت ہوتی ہے یہ لوگوں کی توجہ کے بھوکے ہوتے ہیں یا خود کو باقیوں سے سپیریئر مسلمان ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ وجہ جو بھی ہو لیکن کمال یہ ہے کہ کسی کو گھور کر دیکھنا تو قانون کی رو سے جرم ہے لیکن کسی کلمہ گو کو دین کے دائرے سے خارج کرنے کی دھمکی دینا یا اپنے تئیں ایسا کرگزرنا کوئی جرم نہیں تو کیوں؟ کیا ہماری عدالتوں کو اس کا نوٹس نہیں لینا چاہئے؟

یہ سارے سوال میرے دماغ میں اس لئے سرسرا رہے ہیں کہ آج کل میاں نواز شریف بھی فتویٰ مینوفیکچرنگ انڈسٹری کا ٹارگٹ بنے ہوئے ہیں۔میاں نواز شریف پر ایک سوا ایک الزام لگایا جاسکتا ہے لیکن انتہاء درجہ روایتی قسم کے اس مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی دھمکی دینا خود ایک ایسی حرکت ہے جس پر کسی مستند عالم سے فتویٰ لیا جانا چاہئے۔

رخ مصطفیؐ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ نگاہ آئینہ ساز میں نہ دکان آئینہ ساز میں

(روزنامہ جنگ 12 جون 2010ء)



لقاء مع العرب (۱۷؍جولائی ۱۹۹۴ء)

(مرتبہ: صفدر حسین عباسی)

''لقاء مع العرب''، مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ (MTA) انٹرنیشنل کے مقبول ترین پروگراموں میں سے ایک نہایت مفید، دلچسپ اور ہردلعزیز پروگرام ہے۔ اس میں سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ عربوں کے سوالات کے جواب انگریزی زبان میں ارشاد فرماتے تھے اور پھر ان کا عربی ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ اردو دان احباب کے استفادہ کے لئے ''لقاء مع العرب'' کے ان پروگرامز کا خلاصہ ادارہ الفضل انٹرنیشنل نے شائع کیا تھا۔ یہ پروگرام بہت ایمان افروز اور علمی پروگرام ہے۔ اخبار الفضل کے شکریہ کے ساتھ قارئین قندیل کے لئے چند سوالات پیش خدمت ہیں (ادارہ)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ مجلس میں تشریف لائے اور مکرم حلمی شافعی صاحب اور عرب حاضرین کا حال دریافت فرمایا۔ مکرم حلمی شافعی صاحب نے اس مجلس میں سوال وجواب کے انعقاد کی غرض وغایت بیان کی اور مجلس میں حاضر عرب احباب وخواتین کا تعارف کروانے کے بعد پہلا سوال پیش کیا۔

☆سوال: امام مہدی کو پہچاننے کی کیا علامات ہیں یا امام مہدی کون ہوگا؟

حضور انور نے فرمایا یہ بہت عمدہ سوال ہے اور اس کا جواب صرف آنحضرت ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھ کر ہی دیا جا سکتا ہے کیونکہ صرف آپؐ ہی ہیں جنہوں نے ''الامام المہدی'' سے متعلق منصب مہدویت کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی ہے کہ ''الامام المہدی'' کے نام سے آخری زمانہ میں ایک مصلح پیدا ہوگا۔

آپ ﷺ کل عالم میں سب سے زیادہ علم وعرفان والے تھے اور جانتے تھے کہ آئندہ زمانے میں مسلمانوں کی کیا حالت ہونے والی ہے۔ احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ ''المہدی'' کا لفظ گہرے معانی اپنے اندر رکھتا ہے اور خود اپنی ایسی تعریف کر رہا ہے کہ اس کے لئے مزید کسی الگ تشریح وتفسیر کی ضرورت نہیں۔ اور الفظ مہدی پر گہری نظر کریں تو یہ خود ہر قسم کے سوالوں کا تسلی بخش جواب فراہم کرتا ہے۔

آنحضرت نے ''الامام الہادی'' نہیں فرمایا بلکہ ''الامام المہدی'' فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہادی کامل خود آنحضرت ﷺ ہیں۔ آپؐ کے بعد کسی اور ہادیٔ کامل کا آنا ممکن نہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ خدا تعالیٰ سے تعلق کی نسبت سے ''المہدی'' تھے اور آپؐ جیسا کوئی کامل مہدی نہ کبھی پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ اور امت سے تعلق کے حوالہ سے آپ ''الہادی'' ٹھہرے اور آپ جیسا کوئی ہادیٔ کامل نہ کبھی پیدا ہوا اور نہ آئندہ پیدا ہوگا۔ سوائے اس کے جو آپ سے ہدایت یافتہ ہو اور پھر اس ہدایت کو دوسرے لوگوں تک پہنچائے۔ تو اس لحاظ سے مہدی کے بھی دو تعلق ہیں، ایک خدا تعالیٰ سے تعلق اور اس تعلق کی بنا پر وہ قرآن کریم اور اسلام سے متعلق خدا تعالیٰ سے روشنی پائے گا اور کوئی نئی تعلیم نہیں لائے گا۔ اور دوسرا تعلق آنحضرت ﷺ سے کہ جو بھی ہدایت وہ خدا تعالیٰ سے پائے گا اصل میں وہی ہدایت ہوگی جو آنحضرت ﷺ کو اس دنیا کی فلاح وبہبود کے لئے دی گئی تھی۔ اور یوں ہر دو تعلق میں وہ ''المہدی'' کہلائے گا۔

لفظ ''ال'' ایک تو کاملیت کی طرف اشارہ کرتا ہے دوسرے ایک خاص وجود کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ گویا ویسے تو بہت سے مہدی ہونگے لیکن ''الامام المہدی'' ایک ہی ہوگا۔

پھر ہمیں احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ''حکم'' اور ''عدل'' ہوگا۔ جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ ایسے زمانہ میں نازل ہوگا جبکہ امت تفرقہ کا شکار ہو چکی ہوگی اور اس وقت امت کو ایک روحانی مصلح کی اشد ضرورت ہوگی۔ جو خدا تعالیٰ سے ہدایت یافتہ ہوگا۔ جو عدالت کے تخت پر بیٹھے گا اور خدا تعالیٰ سے ہدایت پا کر امت کے ہر قسم کے مذہبی اختلافات کا فیصلہ کرے گا۔ تو اس لحاظ سے مہدی کے آنے کی اصل غرض یہ ہوگی کہ وہ قرآنی تعلیمات اور احادیث کی

روشنی میں امت مسلمہ میں موجود ایسے امور سے متعلق فیصلہ کرے گا جن میں امت مسلمہ تفرقہ کا شکار ہو چکی ہوگی۔

☆......**سوال:** امام مہدی کا انتخاب غیر عرب سے اور خصوصاً ہندوستان سے کیوں کیا گیا؟

حضور نے فرمایا اس میں ایک دائمی حکمت ہے جس کا قرآن کریم بے شمار مواقع پر ذکر کرتا ہے اور سورۃ جمعہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی بعثت ثانیہ کا ذکر کیا ہے خصوصیت سے اس کی حکمت پر روشنی ڈالی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

{وَ آخَرِینَ مِنۡهُم لَمَّا یَلۡحَقُوا بِهِم وَ هُوَ العَزِیزُ الحَکِیم۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الفَضۡلِ العَظِیۡم} (سورۃ الجمعہ:۴)

کسی نبی کو مبعوث کرنا، کسی بھی قوم یا کسی بھی ملک کی اجارہ داری نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس پر چاہتا ہے کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے مخلوق کی ہدایت کے لئے چن لیتا ہے۔ اس سے قبل ہر رسول کی بعثت پر اس زمانہ کے لوگوں نے بارہا اعتراض کیا کہ فلاں قبیلہ یا قوم یا فلاں ملک سے رسول آنا چاہئے تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہمیشہ لوگوں کے اس سوال کو رد فرمایا یہ کہتے ہوئے کہ:

”اَھُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَةَ رَبِّک“ (سورۃ الزخرف:۳۳)

اے خدا کے رسول محمد ﷺ یہی آواز تمہارے خلاف بھی اٹھائی گئی ہے کہ عرب سے ہی کیوں؟ مکّہ اور مدینہ سے ہی کیوں؟ ”اَھُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَةَ رَبِّک“ کیا یہ تمہارے خدا کی رحمت کو بانٹنے والے ہیں۔ کیا یہ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ میں بھی یہی بنیادی اور مستقل اصول بیان فرمایا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی مرضی ہے کہ جس وقت جسے چاہے اور جہاں چاہے اپنا رسول بنا کر بھیجے اور کسی انسان کو مجال یا اختیار نہیں کہ خدا تعالیٰ کے اس ارادہ میں دخل اندازی کر سکے۔

اس سوال کا جواب تسلی کی خاطر یوں بھی دیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں سورہ جمعہ کی آیت ”وَ آخَرِینَ مِنۡهُم لَمَّا یَلۡحَقُوا بِهِم...“ سے متعلق صحابہ نے عرض کی کہ ”من ھم یا رسول اللہ؟“ یہ آخرین کون لوگ ہونگے اور ان آخرین کی راہنمائی کے لئے کون آئے گا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”لو کان الایمان عند الثریا لنالہ رجل من ھٰؤلاء“

اور من ھٰؤلاءِ فرماتے وقت آپ نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر رکھا جو اس وقت مجلس میں اکیلے غیر عرب تھے۔ کیا یہ ایک اتفاق تھا؟ یا خدا تعالیٰ کی طرف سے کامل یقین اور خدائی وحی و ارادہ سے تھا۔ یقیناً آنحضرت ﷺ کا کوئی فیصلہ یا بات یا فعل اتفاقی یا اپنے ارادہ سے نہ تھا۔ ”ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی“۔ کہ آپؐ کوئی بات بھی اپنی طرف سے نہیں کرتے تھے اور جو بھی کلام فرماتے وہ خدا تعالیٰ کی وحی اور منشاء سے ہوتا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اشارہ فرمادیا کہ آخرین میں میری نمائندگی کرنے والا عرب سے نہیں بلکہ غیر عرب سے ہوگا۔ اس وقت مجلس میں بہت سے عرب کندھے موجود تھے لیکن ان سب کو چھوڑ کر اپنا دست مبارک غیر عرب کندھے پر رکھنا صریح اشارہ اس طرف کرتا ہے کہ اس زمانہ کا موعود غیر عرب ہوگا۔ من ھٰؤلاء اشارہ کرتا ہے کہ وہ موعود آپؐ کے قبیلہ یا خاندان سے نہ ہوگا بلکہ غیر عرب سے ہوگا۔

اس واقعہ میں جو دوسری بات قابل توجہ اور اہم ہے یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ آنحضرت ﷺ کے خاندان میں سے نہیں تھے اور اس نسبت سے اہل بیت میں سے نہ تھے۔ لیکن ہم کئی روایات میں یہ پڑھتے ہیں کہ آئندہ ظاہر ہونے والا موعود اہل بیت میں سے ہوگا۔ یہ حدیث بخاری کی ہے جو ایک واضح اور روشن کتاب ہے اور ”اصح الکتب بعد کتاب اللہ“ ہے ایک اور موقع پر اس پہلو پر بھی روشنی ڈالتی ہے اور اس مسئلہ کا حل پیش کرتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آئندہ ظہور کرنے والے موعود سے متعلق آنحضرت ﷺ کی باتیں خدائی کلام تھا، نہ کہ آپؐ کے اپنے ارداہ سے۔

جنگ احزاب کے موقع پر جب خاندانوں کے لحاظ سے صف بندی کی جا رہی تھی تو اکیلے حضرت سلمان فارسیؓ تھے جنہیں آنحضرت ﷺ نے بلایا اور اہل بیت کی صف میں کھڑا کیا اور یہ کہتے ہوئے سب سے بڑا انعام آپؓ پر فرمایا کہ: ”سلمان منا اھل البیت“ تو اس طرح حضرت سلمان فارسیؓ کے

اہل بیت ہونے میں بھی کسی شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔اور یہ بات بھی روشن ہوگئی کہ آئندہ ظاہر ہونے والا جسمانی رشتہ میں نہیں بلکہ روحانی رشتہ میں اہل بیت میں سے ہوگا۔

آپؐ کیسے کامل نبی تھے ، کیسے خوبصورت انداز میں ہمارے لئے راہنمائی فرمائی اور یوں حضرت سلمان فارسیؓ وہ اکیلے خوش نصیب انسان ٹھہرے جنہوں نے باوجود آنحضرت ﷺ کے خاندان میں سے نہ ہونے کے اہل بیت ہونے کا لقب پایا۔

☆......**سوال: احمدی لوگوں کے نزدیک امام مہدی اور مسیح موعود ایک ھی شخص کے دو نام ھیں۔امام مہدی کو مسیح یاعیسیٰ بن مریم کانام کیوں دیاگیا؟**

حضور نے فرمایا یہ بہت دلچسپ سوال ہے اوراکثر مواقع پر دہرایا جاتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ سوال اٹھتا ہے کہ دو امام کیوں؟ خدا تعالیٰ ایک وقت میں ایک امام بناتا ہے اوراگر دوسرا بناتا ہے تو پہلے کے تابع کھڑا کرتا ہے۔حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی طرح۔حضرت موسیٰؑ کو پہلے مبعوث فرمایا اور پھران کے ماتحت حضرت ہارون کو نبی بنایا۔لیکن آخر تک حضرت موسیٰؑ ہی لیڈر رہے ۔ایک وقت میں دو Heads نہیں ہوسکتے۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ دو Heads کیوں؟ اور سوال یہ ہے کہ آیا وہ دو مختلف اشخاص ہیں یا ایک ہی شخص کو دو مختلف ٹائیٹل دئے گئے ہیں۔اگر وہ دو مختلف وجود بھی ہوتے تب بھی امام ان میں سے صرف اور صرف ایک ہی ہوتا۔ اور ''الامام المھدی'' اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ امت محمدیہ میں پیدا ہوگا۔اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام ہوگا۔اور اگر کوئی دوسرا آتا ہے تو اسے ''الامام'' کی ماتحتی میں آنا ہوگا۔یہ بات نبوت کے مسئلہ کو بھی حل کرتی ہے کہ ایک نبی دوسرے غیر نبی کے ماتحت کیسے ہوسکتا ہے اور ''الامام المھدی'' کے مقام پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔

تمام مسلمان خواہ وہ ان دو ناموں کے ساتھ ایک ہی شخص کے ظہور کے قائل ہوں یا ان دو ٹائیٹلز کے ساتھ دو مختلف وجودوں کے آنے کا تصور رکھتے ہوں۔یہ عقیدہ ضرور رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ ظہور کریں گے اور خدا کے نبی ہونے کی حیثیت سے ہی مبعوث ہونگے۔اور خدا کے نبی ہونے کے باوجود وہ ''الامام المھدی'' کے ماتحت ہونگے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ ''الامام المھدی'' کی ماتحتی میں دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ایسی صورت میں حضرت ''الامام المھدی'' کا مقام یقینا حضرت عیسیٰؑ سے بڑا ہوگا۔

ہم احمدی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ان پیشگوئیوں کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ دو الگ الگ وجود ظاہر ہوں گے۔بلکہ ایک ہی وجود کو دو نام اس کی صفات اور کاموں کی مناسبت سے دئے گئے ہیں۔آئندہ ظاہر ہونے والے موعود کے دو بڑے کام ہیں۔ایک یہ کہ وہ تجدید دین اسلام کرے گا جیسا کہ پہلے مجدد ین کرتے آئے ہیں۔لیکن ان کی نسبت زیادہ وسیع پیمانے پر تمام مسلمانوں کو تفرقوں سے پاک کر کے دوبارہ اتحاد پیدا کرے گا۔اوران کے اختلاف کو ہمیشہ ہمیش کے لئے ختم کر دے گا ۔اس نسبت سے اس کا نام ''الامام المھدی'' رکھا گیا۔وہ ''الامام'' تو ہوگا لیکن آنحضرت ﷺ کی متابعت اور پیروی میں۔

حضور نے فرمایا، یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ''الامام المھدی'' کے سوا کسی بھی مجدد کو 'الامام'' کا لقب نہیں دیا گیا۔یہ آنے والے ''المھدی'' کے لئے خاص ہے ۔اس لحاظ سے یہ نام امام مہدی کو گزشتہ تمام مجددین پر فوقیت اور فضیلت بخشتا ہے۔وہ مجددین بھی یقینا خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے لیکن ''الامام'' نہیں تھے۔

دوسرا بڑا مقصد موعود امام کے آنے کا یہ بیان ہوا ہے کہ وہ عیسائیت کے خلاف جہاد کرے گا۔وہ مذہب جس نے حضرت عیسیٰؑ کی اصل صورت مسخ کر کے رکھی تھی اور اسے انسان سے خدا بنا دیا تھا۔خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ آنے والے موعود مہدی کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کا اصل مرتبہ عیسائیوں پر واضح کرے اور ان کی سچی صورت دنیا کے سامنے پیش کرے اور عیسائیوں پر بدلیل حجت یہ روشن کرے کہ حضرت عیسیٰؑ کی حیثیت ایک عام نبی سے بڑھ کر نہیں اور ان کا درجہ آنحضرت ﷺ سے بہت کمتر ہے اور وہ ظاہر ہونے والا

مہدی جو عیسیٰ کے نام کے ساتھ بھی موسوم ہوگا آنحضرت ﷺ کی امت میں سے ہوگا اور آپ کی کامل تابعداری میں ظہور کرے گا۔

گویا ہر دو لحاظ سے خواہ ایک ہی وجود دو مختلف ناموں "الامام المھدی" اور عیسیٰ کے القاب کے ساتھ ظاہر ہو یا پھر ان دو ناموں کے ساتھ دو الگ وجود ظاہر ہوں ہر دو صورتوں میں ان کا ظہور آنحضرت ﷺ کی ماتحتی اور متابعت میں ہی ہوگا۔ اسی لئے احادیث میں آتا ہے کہ "الامام المھدی" کا ظہور پہلے ہوگا اور مسیح بعد میں ظاہر ہونگے۔

جہاں تک امام مہدی اور مسیح کے ایک ہی وجود ہونے کا تعلق ہے اس کے ثبوت میں میں ابن ماجہ کی یہ حدیث پیش کرنا چاہتا ہوں جو بڑی وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو حل کر دیتی ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں درج ہے جو کہ صحاح ستہ میں سے ہے اور احمدیت کے آغاز سے بہت پہلے کی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "لا المھدی الا عیسیٰ" کہ عیسیٰ ہی مہدی ہے یا مہدی ہی عیسیٰ ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ خواہ اسے مہدی کہو یا عیسیٰ کے نام سے پکارو۔ آنے والے موعود "امام" کو اس کے کاموں کی نسبت سے دو الگ الگ ٹائیٹل دیئے گئے ہیں۔

ہمارے اس عقیدہ پر آنحضرت ﷺ کی ایک اور حدیث بھی مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہے جہاں آپ نے آنے والے مہدی اور مسیح کے کاموں کا ذکر فرمایا۔ "المھدی" کے ساتھ کہیں بھی "یکسر الصلیب" کی ذمہ داری منسوب نہیں کی۔ بلکہ جہاں کہیں بھی مسیح ابن مریم کے ظہور کا ذکر ہے اس کے ساتھ "یکسر الصلیب" کا کام منسوب فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آنے کی اغراض میں ایک بڑی غرض یہ ہوگی کہ اس جھوٹے مذہب سے جو حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے آپ کو بری کرے گا اور حضرت عیسیٰؑ کی اصل خوبصورت شکل وحیثیت دنیا کے سامنے ظاہر کرے گا اور یہ کام وہ آنحضرت ﷺ کی کامل پیروی اور متابعت میں انجام دے گا۔

☆......**سوال: شیعوں کا عقیدہ ھے کہ آنحضرت ﷺ نے وصال سے قبل اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تھا ۔سوال یہ ھے کہ کیا اسلامی نقطہ نگاہ سے کسی کو خلیفہ نامزد کیا جاسکتا ھے؟**

حضور نے فرمایا، یہ مسئلہ تو خود حضرت علیؓ نے حل فرما دیا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات پر کیا حضرت علیؓ کو علم نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں خلیفہ نامزد کیا ہوا ہے۔ اگر انہیں علم نہیں تھا تو شیعوں کو آج کیسے علم ہو گیا؟ کیا وہ حضرت علیؓ سے زیادہ جانتے تھے اور اگر حضرت علیؓ یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں خلیفہ نامزد فرما چکے ہیں تو ایسی صورت میں انہوں نے کیوں اپنا ہاتھ بیعت کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ میں دیا؟ اور اگر جانتے بوجھتے ہوئے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تو پھر امامت کے لائق نہیں ٹھہرتے۔ شیعوں کا یہ عقیدہ حضرت علیؓ کے خلاف جاتا ہے۔ حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سب مسلمانوں سے بڑے بہادر، نڈر اور شجاع انسان تھے جو کبھی کسی بھی بڑے سے بڑے خطرہ سے نہ گھبرائے اور نہ ڈرے۔ جنہوں نے اسلام کے حق میں زبردست معرکے اور لڑائیاں لڑیں۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ لڑائی کے وقت سب سے خطرناک مقام پر آنحضرت ﷺ ہوتے تھے اور آپ کے پہلو میں حضرت علیؓ ہوا کرتے تھے۔ کتنے بہادر انسان تھے۔ بڑے سے بڑے خطرہ کی انہوں نے پرواہ نہ کی تھی۔ وہ اپنے ایسے منصب کی حفاظت اور حق کے حصول میں جو کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ہدایت پا کر ان کے نام کیا تھا کیسے ڈر گئے اور خوف کھا کر چپ ہو رہے۔ یہ ناممکن ہے۔ جو بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنا ہاتھ بیعت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں دیا اور آپؓ کو خلیفہ قبول کیا اور اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ اس وقت خلافت کے اصل حق دار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ اس طرح خود حضرت علیؓ کا اپنا عمل ہی اس کا جواب ہے۔

اس کہانی کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جو کچھ شیعوں کی طرف سے کیا جاتا ہے اس سے جو تصویر ابھرتی ہے اور نتیجۃً جو صورت ظاہر ہوتی ہے بہت بھیانک اور تکلیف دہ ہے۔

اگر حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے بعد پہلے خلیفہ بننے کے حقدار تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے بارہ میں اپنی زندگی میں ہی یہ وصیت فرما دی

تھی اور اس بنا پر حضرت علی خلیفہ بننا چاہتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ زبردستی خلافت پر قابض ہو بیٹھے تو ایسی صورت میں حضرت ابوبکرؓ کی کیا حیثیت بنتی ہے ۔ وہ تو پھر نعوذ باللہ منافقین کے سردار کہلائیں گے اور شیعہ انہیں یہی کہتے ہیں ۔ گویا ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت علیؓ نے بیعت کے لئے اپنا ہاتھ ایک منافق کے ہاتھ میں دیا ۔ اور تصور کریں کہ حضرت علیؓ نے اپنا وہ ہاتھ جو انہوں نے بیعت کی خاطر آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں دیا تھا ، خدا کی خاطر اور اسلام کی خاطر وہی ہاتھ بیعت کے لئے اس ابوبکرؓ کے ہاتھ میں دے رہے ہیں جو شیعوں کے نزدیک منافقوں کے سردار ہیں ۔ کیسی ناممکن ، ناقابل یقین اور لغو بات کرتے ہیں ۔ ایسی صورت میں تو خود حضرت علیؓ بھی نعوذ باللہ منافق ٹھہرتے ہیں ۔

☆......**سوال : نبی اللہ اور رسول میں کیا فرق ھے ؟**

حضور نے فرمایا ، قرآن کریم یہ دونوں اصطلاحیں ایک ہی قسم کے وجودوں کے لئے استعمال کرتا ہے ۔ جہاں تک ان ناموں کے استعمال کا تعلق ہے اس میں کوئی فرق نہیں ۔ آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین فرمایا ، خاتم الرسل نہیں کہا گیا ۔ اسی طرح آیت "آمن باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ" اس میں رسل فرمایا انبیاء نہیں فرمایا ۔ پس رسول نبی ہیں اور نبی رسول ہیں ۔ اگر رسول اور نبی الگ الگ قسم کے وجود ہوتے تو ایسی صورت میں آنحضرت ﷺ صرف نبیوں کے خاتم ہیں ، رسولوں کے خاتم نہیں ہیں ، جو ناممکن ہے اور صریحاً غلط ہے ۔ اس لئے یہ دونوں ایک ہی قسم کے وجود ہیں اور اصطلاحاً اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف ضرور ہیں ۔ لیکن وجودوں پر اطلاق پانے کے لحاظ سے ہرگز مختلف نہیں ۔ نبی وہ ہے جو خدا تعالیٰ سے غیب کی خبر پا کر لوگوں کو بتلاتا ہے ۔ اس پہلو سے وہ نبی ہے ۔ یعنی ایسی خبر دینے والا جو چھپی ہوئی تھی ، پہلے معلوم نہ تھی ۔ اور رسول وہ ہے جو پیغام لاتا ہے اور ضروری نہیں کہ وہ پیغام نیا ہو ۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کے بعد آنے والے نبی حضرت اسحٰق ، حضرت اسمٰعیل ، حضرت موسیٰ ، حضرت ہارون ، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف وغیرہ ۔ یہ سب بعد میں آنے والے کوئی نیا پیغام یا شریعت خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں لائے ۔ ان کے ذریعہ سے پیغام کو دھرایا گیا لیکن اس کے باوجود انہیں رسول کہا جاتا ہے ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ سے متعلق فرمایا :

"وما المسیح ابن مریم الا رسول"

انہیں رسول فرمایا ، نبی نہیں فرمایا ۔ گویا دونوں نام ایک ہی قسم کے وجودوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں ۔

☆......سوال : رمی جمار میں کیا حکمت ہے ؟

حضور انور نے اس کے جواب میں فرمایا : میرے نزدیک تو ایک نشان کے طور پر ہیں کہ حاجی کو جو حج کر رہا ہے اسے اس بات کی یاد دہانی کراتا ہے کہ اس نے اپنے شیطان کو مار ڈالا ہے اور ہمیشہ ہمیش کے لئے اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہے ۔ تین شیطانی ٹیلوں کو کنکریاں مارنے میں یہ حکمت ہے کہ شیطان تین مختلف صورتوں میں انسان پر حملہ کرتا ہے اور اسے گمراہ کرتا ہے ۔

حضور نے فرمایا میں اسے سورۃ الناس کے حوالے سے یوں سمجھتا ہوں کہ :

"قل اعوذ برب الناس ۔ ملک الناس ۔ الہ الناس"

اس سورۃ کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان ہوئی ہیں اور پھر آخر میں شیطان کا ذکر ہے ۔ کہ وہ کس طرح مخلوق کو گمراہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ان صفات سے اسے دور اور غافل کرتا ہے ۔

خدا رب الناس ہے ۔ شیطان رب الناس بننے کی کوشش کرتا ہے ۔ خدا ملک الناس ہے ۔ شیطان لوگوں سے کہتا ہے کہ میری طرف آؤ مجھے اختیار ہے اور میں تمہارا مالک ہوں ۔ خدا الٰہ الناس ہے جبکہ شیطان لوگوں کا جھوٹا خدا بننے کی کوشش کرتا ہے ۔ تو یہ تین قسم کے شیطان ہیں جو قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں ۔ یا یوں کہئے کہ شیطان کی تین صورتیں بتائی گئی ہیں ۔ ظاہری شکل میں تین ٹیلے شیطان کے Symble کے طور پر ہیں اور ٹیلے یہ اظہار کرتے ہیں کہ ان میں کوئی جان نہیں ، کوئی طاقت نہیں اور کوئی اختیار نہیں ۔ بالکل بے جان سی چیزیں ہیں اور انہیں کنکریاں مارنا اس بات کا اظہار ہے کہ ہم اپنے شیطان سے بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے اس سے کلیۃً کنارہ کش ہو رہے ہیں اور آئندہ کسی بھی شیطان کی کسی بھی رنگ میں اطاعت نہیں کریں گے ۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 4 دسمبر 1998ء صفحہ 12 ۔ 13)

☆......☆......☆



ذہنی پولیو

خورشید ندیم

جسمانی پولیو عذاب ہے لیکن اس سے بڑا عذاب ذہنی پولیو ہے۔ معاشرہ فکری اور نظری اعتبار سے اپاہج ہو جائے تو زندہ دکھائی دینے کے باوجود، زندگی سے محروم ہو جاتا ہے۔ حریت فکر کی فکر کیجیے کہ ہمارے معاشرے کو اس سے محروم کیا جا رہا ہے۔

سیدنا عمرؓ نے ریاست ہی نہیں، سماج کو بھی نئی رفعتوں سے آشنا کیا۔ علامہ اقبال نے آزادیٔ رائے کے باب میں انہیں امت کا امام کہا ہے (The first critical and independent mind in Islam)۔ سید نذیر نیازی نے علامہ کے انگریزی الفاظ کا ترجمہ کیا ہے "وہ اس امت کے اولین دل و دماغ ہیں جو ہر معاملے میں آزادیٔ رائے اور تنقید سے کام لیتے تھے"۔ اقبال نے عہد رسالت کے جس واقعہ کو بطور مثال پیش کیا ہے، اگر میں نقل کروں تو بہت سی جبینیں شکن آلود ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں کوڑا تو تھا لیکن مجرموں کے لیے، آزادیٔ رائے کو دبانے کے لیے نہیں۔ ایسا ہوتا تو سب سے پہلے اس خاتون کی پیٹھ پر برستا جس نے سر عام ان کے فیصلے کو چیلنج کیا جب انہوں نے حق مہر کی تحدید کرنا چاہی، یا پھر اس پر جس نے ان کے کرتے پر سوال اٹھایا تھا۔ برسبیل تذکرہ ان کے ہاتھ میں ہر وقت تازیانہ بھی بعد میں آنے والوں نے پکڑایا۔ میرا برسوں کا مشاہدہ یہ ہے کہ، اتحاد بین المسلمین، وہ نعرہ ہے جو ہر مسلک کا علمبردار بلند کرتا ہے لیکن اس پر دل سے کوئی یقین نہیں رکھتا۔ میرا یہ خیال دن بدن پختہ سے پختہ تر ہوتا جا رہا ہے کہ جیسے جیسے کوئی ایک مسلک سے وابستگی میں بڑھتا چلا جاتا ہے، وہ اس نعرے سے عملاً دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ترتیب یہ ہے کہ سب مل کر ایک کو دائرہ اسلام سے خارج کریں۔ پھر اس کار خیر کو سرانجام دینے کے بعد اگلا شکار تلاش کریں۔ برسوں پہلے کی بات ہے، میں راولپنڈی کے ایک بڑے مدرسے، تعلیم القرآن، کے ایک جلسے میں شریک تھا جس کا عنوان ختم نبوت تھا اور اس میں سب مسالک کے لوگ شریک تھے۔ اس مدرسے کا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے ہے۔ جلسے میں معروف شیعہ عالم ع غ کراروی بھی شریک تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز کیا تو کہا "آج میں بھی چار یاری ہو گیا ہوں"۔ سامعین نے یہ سنا تو نعروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ سامعین کی اکثریت ظاہر ہے کہ دیوبندی تھی۔ نعروں کا شور کم ہوا تو کراروی صاحب نے اپنے جملے کی شرح کی۔ یہ شرح کچھ یوں تھی کہ آج ختم نبوت کے مسئلے پر دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ، سب ایک ہو گئے۔ اس لیے میں بھی ان چار یاروں میں شامل ہو گیا۔ وما علینا الا البلاغ۔ اس کے بعد سامعین پر جیسے اوس پڑ گئی۔ پھر میں نے اسی مدرسے میں ان چار یاروں میں سے ایک کے لیے، کافر کافر، کے نعرے سنے۔

ہزاروں صفحات لکھے اور چھپے ہوئے موجود ہیں کہ مذہبی معاملات میں ایک دوسرے سے اختلاف کے نتیجے میں لوگوں نے انتہاؤں کو چھوا ہے۔ صرف مولانا مودودی کے بارے میں دیوبندی اکابر کی تحریریں پڑھ لیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ میرے علم میں نہیں کہ اتحاد بن المسلمین کے داعین میں سے کسی ایک نے اپنے اکابر کی آرا سے رجوع یا اعلان برات کیا ہو۔ اتحاد بین المسلمین، کے نعرے سے نقاب الٹنے کے لیے اکثر ایک واقعہ کفایت کرتا ہے۔ لوگ دوسروں کے بارے میں اصل خیالات سامنے لے آتے ہیں۔ کبھی یہ کام شریعت بل نے کیا تھا اور کبھی، عورت کی حکمرانی، نے۔ مشرق وسطیٰ کی سیاست بھی اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالتی رہی ہے۔ یہ کارنامہ اس بار، تحفظ بنیاد اسلام بل، نے سرانجام دیا۔ ہمارے پاس اب دو راستے ہیں: ایک یہ کہ بین المسلمین اتحاد جیسے نعروں سے نکلیں اور حقیقت کے اعتراف کے ساتھ ایک لائحہ عمل بنائیں۔ اس کے لیے اتحاد بین المسلمین کے بجائے مکالمہ بین المسلمین ضروری ہے۔ دوسرا یہ کہ مذہب کے معاملے میں ریاست کی مداخلت کو ان حدود میں مقید کر دیا جائے جو فطری ہیں اور دنیا بھر میں ریاستیں جن کا لحاظ رکھتی ہیں۔ مسلمانوں میں اختلاف کیوں ہے؟ اس کا ایک سبب سیاسی ہے جو فرقہ واریت کی بنیاد بنا۔ ایک، کسی متن کی تفہیم کا فطری

اختلاف ہے جس نے مسلکی تقسیم کو جنم دیا۔ سیاسی اختلاف رکھنے والوں نے جب مذہبی جذبات کو استعمال کیا تو اپنے اختلاف کو مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا اور دینی نصوص کی ایسی تعبیر کی جو ان کے سیاسی موقف کی تائید کرے۔ یوں نتیجے کے طور پر فقہی اختلاف اب تاویل کا اختلاف ہے۔ اسباب کے اختلاف کے ساتھ، ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت جو گروہ خود کو مسلمان کہتے ہیں، وہ سب ایک ہی ماخذ کی مختلف تعبیرات کو قبول کیے ہوئے ہیں۔ یہ کسی طور ممکن نہیں کہ سارے مسلمان کسی ایک تعبیر پر جمع ہو جائیں۔ اب صورت یہ ہے کہ جو قرآن وسنت کو دین کی اساس مانتا ہے، اس کو یہ حق دیا جائے کہ وہ ان کی جو تعبیر چاہے اختیار کرلے۔ یعنی جو اللہ کے آخری رسول سیدنا محمد ﷺ کو منزل من اللہ کا واحد ماخذ مانتا ہے، لیکن آپ سے روایت کے کسی مختلف طریقے کو قبول کرتا ہے، اسے یہ حق دے دیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سب تعبیرات بیک وقت درست نہیں ہو سکیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تنوع کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس صورت میں سوال یہ نہیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ اصل سوال یہ ہے کہ اس اختلاف کے ساتھ رہنے کی کوئی تدبیر سوچی جائے۔ اس کے ساتھ سماج میں علمی سطح پر مکالمہ جاری رہے جس میں سب تعبیرات کے دلائل سامنے آجائیں۔ لوگوں کو یہ حق دیا جائے کہ وہ جس کو درست سمجھیں قبول کرلیں۔

اس باب میں ریاست کی مداخلت ایجابی نہیں؛ سلبی ہو، یعنی مثبت کے بجائے منفی ہو۔ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ کوئی مکالمے اور اختلاف کے مسلمہ آداب سے تجاوز نہ کرے اور اگر کوئی کرے تو اس کو سزا دی جائے۔ ریاست کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے کہ کسی کا عقیدہ کیا ہے اور کون اسلام کی کس تعبیر کو مانتا ہے۔ ریاست کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ کسی فرد یا گروہ کو اسلام کی کوئی خاص تعبیر اختیار کرنے کا پابند بنائے۔ یہ مداخلت فی الدین ہے اور بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ اس باب میں ریاست سے فاش غلطیاں ہوئی ہیں۔ اب ان کے انڈے بچے نکل رہے ہیں۔ ہماری ریاست کو چاہیے تھا کہ وہ دنیا کے تجربات سے فائدہ اٹھاتی۔ دنیا میں ہر جگہ مذہبی تنوع پایا جاتا ہے لیکن جس ملک میں ریاست کی مداخلت جتنی کم ہے وہاں مذہبی اختلاف اتنا ہی کم ہے اور اس کے ساتھ مذہب بھی فروغ پا رہا ہے۔ جہاں ریاستی مداخلت زیادہ ہے وہ مذہب مسئلے کا حل نہیں، اس کا حصہ ہے۔ ”تحفظ بنیاد اسلام بل“ نے اتحاد بین المسلمین کی حقیقت، مذہبی اختلاف کی نوعیت اور مذہب و ریاست کے تعلق جیسے مسائل کے باب میں ریاست اور علما کی کمزوری کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ اس نے ہمیں موقع دیا ہے کہ اس مسائل کے حل کی کوئی ایسی تدبیر تلاش کریں جو ایک طرف سماجی امن کو برقرار رکھے اور دوسری طرف علمی ارتقا اور فکری بالیدگی کو یقینی بنائے۔ ریاست، صاف دکھائی دیتا ہے کہ مذہبی اختلاف کو بنیاد بنا کر آزادیٔ رائے کے دائرے کو محدود سے محدود تر کر دینا چاہتی ہے۔ یہ سماج کو ذہنی پولیو میں مبتلا کرنا ہے۔ کاش اس ملک کا دانش ور معاملے کی سنگینی کو جان سکتا!

(بشکریہ روزنامہ دنیا۔)



حضرت مرزا طاہر احمدؒ

عاصی صحرائی

نام طاہر تھا کام بھی طاہر تھا
دیکھنے کو اس کا علم ظاہر و باہر تھا
پہلوان عظیم تھا وہ
سخت ذہین و فہیم تھا وہ
دل اس کا منور و کشادہ تھا
دیکھنے کو اک شہزادہ تھا
باطل کو اس نے بھگایا تھا
ہتھیلی پہ چراغ جلایا تھا
عدو اس سے لرزیدہ تھے
پیش اس کے سرخمیدہ تھے
ابن مریم کا تمثل تھا
اسے سمجھنا بھی مشکل تھا
اس نے اتنے شجر پھلدار لگائے ہیں
ہم سب نے ان کے پھل کھائے ہیں
اس نے جو خبر دی مستقبل کے اثمار کی
ہم نے حفاظت کی ان اشجار کی
ہمیں دست مسرور اس نے تھمایا ہے
جس نے یورپ و امریکہ ہلا یا ہے



پارسائی کے لبادے میں بے گناہوں کا قتل

عبدالستار (میاں چنوں)

آج یاد کیجیے شہید انسانیت سلمان تاثیر کو جنہوں نے مسیحی خاتون آسیہ بی بی سے ملاقات کرنے کے بعد ایک تاریخی پریس کانفرنس میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ "توہین مذہب کے قانون کا غلط استعمال روکا جائے" انہوں نے یہ بالکل نہیں کہا تھا کہ اس قانون کو ختم کر دیا جائے لیکن اتنی بات کہنا جرم ٹھہرا اور صاحبان منبر کے اشتعال دلانے کے نتیجہ میں انہی کے ایک باریش سیکیورٹی گارڈ ممتاز قادری نے انتہائی سفاکی سے انہیں بزعم خود جہنم واصل کر دیا اور خود کو جنت کا مستحق ٹھہرا لیا۔

اس المناک واقعے کے بعد اس قسم کی دہشت ناک فضا بنا دی گئی تھی کہ لوگ انہیں شہید کہنے سے بھی ڈرتے تھے جبکہ ممتاز قادری کو غازی ڈکلیئر کر دیا گیا تھا۔ المیہ دیکھیے پھانسی کے بعد اسی قوم نے اسے ہیرو کا درجہ دے کر شہید ڈکلیئر کیا اور اس کا مزار تک بنا ڈالا۔ جب پیشی پر اسے عدالتوں میں پیش کیا جاتا تھا اسے ہار پہنانے میں ہمارے وکلا بھی ہوتے تھے اور آج بھی انہیں عرس کی صورت میں سیلیبریٹ کیا جاتا ہے۔ ریاست شروع سے ہی خاموش اور تماشائی بننے کا کردار نبھاتی آئی ہے ظاہر ہے اس کے پیچھے ووٹوں کا چکر ہے اور ریاست آج تک اس قسم کی المناکی پر کوئی واضح موقف اختیار نہیں کر سکی۔

کچھ عرصہ پہلے مردان میں شہید شعور و آگہی مشعال خان کو بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا تھا اور اسے تاریخ کا ایک المناک واقعہ تصور کیا جاتا تھا کیونکہ ظالموں نے مشعال کے جسمانی اعضاء کو بھی بڑی بے دردی سے اینٹیں مار مار کر توڑ ڈالا تھا اور بعد میں عدالت نے اسے معصوم قرار دے دیا تھا۔ اب سیالکوٹ والا واقعہ سفاکی کے اول درجے پر آ چکا ہے جس میں انسانیت کے قاتلوں نے ایک فیکٹری کے سری لنکن مینیجر پریانتھا کمارا کو بے دردی سے قتل کر کے اس کی لاش کو آگ لگا دی اور لاش کے قریب کھڑے ہو کر سیلفیاں بناتے رہے۔

غور کیجیے ہجوم بالکل وہی نعرے بلند کر رہا تھا جو تحریک لبیک کا حقیقی موقف بن چکا ہے جسے حکومت نے بین کرنے کے بعد دوبارہ پیار سے گلے لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔

بطور پاکستانی ہم ہڈ حرام قوم ہیں اور اپنی پروفیشنل لائف میں بھی کام کو مقدس جاننے کی بجائے عبادات کے بہانے اپنے فرائض میں کوتاہی برتی جاتی ہے۔ سیالکوٹ والا واقعہ اسی ہڈ حرامی اور بے ضابطگیوں کا شاخسانہ ہے۔ یہ جو دو نوجوان ہیں جنہوں نے میڈیا پر آ کر اپنے جرم کا بڑے فخر سے اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ پریانتھا کمارا نے دیوار پر چسپاں "لبیک یا حسین" کا پوسٹر پھاڑ کر ڈسٹ بن میں پھینک دیا اور ہمارے جذبات مجروح ہوئے اور ہم نے اسے جہنم واصل کر دیا۔ حقیقت میں یہ مینیجر کام کے معاملے میں بہت سخت تھا اور ہڈ حراموں کو کام ایمانداری سے کرنے کو کہتا تھا اور یہ دو نوجوان اپنی تنخواہ بڑھوانے کے تنازع پر اس سے جھگڑ چکے تھے۔

انہوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ توہین مذہب کا الزام لگا کر اسے سائیڈ لائن کر دیا جائے۔ ان درندوں نے اپنی سفاکی کے ذریعے سے پریانتھا کمارا کی آنے والی نسلوں کو بھی پیغام دے دیا کہ ہم جیسے نکموں کو "ورک آہولک" بنانے کی کوشش بھی مت کرے۔ اگر ہماری ریاست سلمان تاثیر کی شہادت اور ان کے جملوں کو سنجیدگی سے لے کر اپنا قبلہ درست کرنے کی کوشش کرتی تو آج کسی کو مذہب کا رڈ استعمال کر کے بے گناہ انسانوں کو قتل کرنے کی جرت نہ ہوتی۔

اب بھی حکومت کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور ریاست مدینہ کی مالا جپنے کی بجائے لوگوں کی صحیح معنوں میں ذہن سازی کرنے کی ضرورت ہے اور اس قسم کے نعروں کا سحر پیدا کرنے والوں کو سوچنا چاہیے جن کا استعمال کر کے لوگ کسی کی بھی جان لے لیتے ہیں۔ غور کیجیے جن افراد نے منیجر کو قتل کیا ہے وہ اشتعال انگیزی میں یہی کہہ رہے تھے کہ "گستاخ نبی کی ایک سزا سر تن سے جدا" جب آپ بنا سوچے سمجھے اس قسم کی ذہنیت کو فروغ دیں گے اور ان نعروں کا

پر چار کرنے والوں کو ریاست اپنی چھتری تلے پناہ دے گی تو یہ سفاکیاں یونہی چلتی رہیں گی۔

یقین کریں کوئی اس آگ سے نہیں بچ پائے گا اور بڑوں بڑوں کے چراغ بجھیں گے کیونکہ نفرت کی آگ کسی عقیدہ اور فلسفہ کو نہیں دیکھتی۔ ہمارے بھولے بھالے عوام کو یہ جاننا چاہیے کہ آپ کے کانچ جیسے ایمانی جذبات کا فائدہ اٹھا کر کچھ لوگ مقبول ہونے کی کوشش کرتے ہیں، غور کیجیے کیا آج تک کبھی کسی مولوی کے بیٹے نے کسی کا سر مذہب کے نام پر اڑایا ہے یہ کسی ہجوم کا حصہ بن کر کسی پر ڈنڈے برسائے ہوں؟ ہمیشہ کوئی عام بندہ ہی جذبات کی رو میں بہہ کر انسانیت کا قاتل بن جاتا ہے۔

جب ہم اپنی عقل کا استعمال کرنا سیکھیں گے تو پھر ہی ہمیں فلسفہ انسانیت سمجھ میں آئے گا۔ اگر کوئی توہین مذہب کرتا ہے تو اس کے لیے ہماری عدالتیں اور قوانین موجود ہیں۔ ہمیں ان قوانین پر بھروسا کر کے ملکی قانون کا ساتھ دینا چاہیے نا کہ اپنی عدالت لگا کر دوسروں کی جان لینا شروع کر دیں۔ اب ہمارے علماء کے لیے ایک بہت بڑا موقع ہے سب کو مل کر ایک پلیٹ فارم پر ان درندوں کو ایک واضح پیغام دینا چاہیے اور اعلان کرنا چاہیے کہ کوئی بندہ گستاخی کرتا ہے تو اسے سزا ملکی قانون دے سکتا ہے ہم بالکل نہیں دے سکتے۔

ہمیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اب مذہب کا غلط استعمال ہونے لگا ہے آپ طاہر اشرفی کی گفتگو سن لیں جس میں انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ لوگ اپنی ذاتی رنجشوں کا بدلہ لینے کے لیے دوسرے مذاہب کے لوگوں پر توہین مذہب کا الزام لگا دیتے ہیں۔ انہوں نے چھ مسیحی لوگوں کا بھی تذکرہ کیا جن پر توہین مذہب کا جھوٹا الزام لگا دیا گیا تھا۔ ہم مجموعی طور پر ایک طرح سے اجتماعی نفسیاتی بیماری کا شکار ہو چکے ہیں، عمل سے راہ فرار حاصل کرنے والی یہ قوم انسانوں کو جلا کر جلد جنت کا وارث بننے کے رومانس میں مبتلا ہو چکی ہے۔

اب یہ خود ہی مذہبی جذبات مجروح کرنے یا ہونے کا خود ہی فیصلہ لیتے ہیں اور خود ہی قاضی اور ایک اچھے مسلمان کی اتھارٹی کو استعمال کرتے ہوئے انسانوں کو جہنم واصل بھی کر دیتے ہیں۔ یہ کون سی جنت کا حصول ہے جو بے گناہ انسانوں کو قتل کرنے کی عوض ملتی ہے؟



امت سید لولاک سے خوف آتا ہے

ملک سراج احمد

ہم کیا ہیں؟ ہم انسان ہیں ایک بہترین تخلیق ہیں۔ زمین پر ہم پرتو ہیں اس عظیم خالق کا جس نے کائنات کو تخلیق کیا۔ اس فرش پر ہم اس کے نائب ہیں۔ اس ہی کے حکم کے مطابق زمین کا نظم و نسق درست رکھنا ہے۔ بطور انسان دنیا اور اس میں بسنے والوں کے لیے خدمات سرانجام دینی ہیں۔ مگر یہ خالق ہے کون؟ یہ خالق وہ ہے جو اپنی تخلیق سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ جو شہ رگ سے قریب ہے جو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ جو نصف شب کو پہلے آسمان پر آ کر ندا دیتا ہے کہ کوئی ہے جو مانگے، میں اس کو عطا کروں گا۔ اس وقت میں وہ قیام کرنے والوں کی خبر رکھتا ہے سجدوں میں کی گئی سرگوشیاں سنتا ہے۔ جو ندامت میں بہتے ہوئے آنسوؤں کے زمین پر گرنے سے پہلے توبہ قبول کرتا ہے۔

رب جو صرف میرے اکیلے کا رب نہی ہے وہ رب کائنات ہے۔ اس کی تخلیق کا شرف صرف مجھے حاصل نہیں ہے بلکہ میری بصارت کی حد اور اس حد سے پار بھی جو کچھ ہے اسی کا بنایا ہوا ہے اسی کی تخلیق ہے۔ یہ اس کی قدرت کی وسعت ہے کہ اس نے مجھے ارادہ دیا اور ارادے پر عمل کرنے کا اختیار بھی سونپ دیا۔ مجھے تخلیق کر کے آزاد کر دیا مگر محبت کا یہ عالم کہ میں راہ سے نا بھٹک جاؤں میری رہنمائی کے لیے اپنے برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا۔ ایک وقت ایسا آیا جب اپنے محبوب کو وجہ تخلیق کائنات کو ہماری اصلاح و رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ ہم پر اپنی حجت تمام کر دی اپنی رحمت کی انتہا کر دی اور رحمۃ العالمین کو بھیج کر نبوت کا یہ سلسلہ بند کر دیا۔

سرزمین حجاز میں آخری پیغمبر نے اپنی حیات مبارکہ میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ دنیا کا سب سے پرامن کامیاب انقلاب جس میں ہدایت کی گئی کہ عورتوں اور بچوں پر ظلم نہیں کرنا، جو ہتھیار ڈال دے اس کو معاف کر دینا۔ بوڑھوں کے ساتھ احترام سے پیش آنا ہے۔ جو حرم میں یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اس کو امان حاصل ہوگی۔ جو تلوار نکالے اس کو اسلام کی دعوت دو اگر

انکار کرے تو بامر مجبوری تلوار نکالو۔ کسی بے گناہ کا خون بہانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کے بعد دنیا نے دیکھا بنا خون بہائے عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ فتح کے بعد عام معافی کا اعلان ہوا۔ جس نے تکلیف دی اس کو بھی معاف کر دیا جس نے کلیجہ چبایا اس کو بھی معاف کر دیا۔

اپنے آباو اجداد کا مذہب چھوڑ کر لوگ جوق در جوق رحمت کے سائے میں آنے لگے۔ قافلوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور رحمت کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا گیا۔ دنیا کی تاریخ میں ایک مثالی ریاست قائم ہوگئی۔ ایک ایسی ریاست جس کا منشور تھا کہ کسی گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر برتری نہیں ہوگی۔ رنگ و نسل کی برتری کو ختم کرتے ہوئے انسانیت کا درس دینے والی ریاست میں اگر کوئی برتر تھا تو اپنے تقویٰ کی بنیاد پر تھا۔ عدل و انصاف کا ایسا معیار قائم کیا کہ چوری کے ایک مقدمہ میں یہاں تک فرما دیا کہ اگر یہاں میری بیٹی بھی ہوتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیتا۔

دنیا کے اس عظیم رہنما کی صحبت کا اثر تھا کہ قریب ترین اصحاب جب برسر اقتدار آئے تو عدل و انصاف، معاشرے کی فلاح اور اصلاح کے لیے ایسے کارنامے سرانجام دیے کہ آج کی جدید دنیا کے غیر مسلم ممالک میں ان کے اقدامات کو قوانین کا درجہ حاصل ہے۔ سچائی کا عالم یہ ہے کہ آخری الہامی کتاب کو چودہ صدیاں گزر گئیں مگر اس پر لوگ آج بھی ایمان لے آتے ہیں۔ خدا کا تصور تو کسی نا کسی شکل میں ہر الہامی اور غیر الہامی مذہب میں موجود ہے۔ مگر نسل انسانی میں اگر کسی کو عظیم ترین مبلغ اور رہنما کا درجہ دینا ہو تو مائیکل ہارٹ جیسا عیسائی مصنف بھی اپنی کتاب 100 عظیم شخصیات کی ابتدا میرے آقا سیدنا حضرت محمد ﷺ کے ذکر سے کرتا ہے۔

مائیکل ہارٹ نے تو اپنی کتاب کی ابتدا میرے نبی کے ذکر سے کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کی ابتدا میرے نبی کے ذکر سے ہوئی اور فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ اس کا عملی ثبوت یہ کہ جب طائف میں پتھر برسائے گئے اور غزوہ احد میں عتبہ بن ابی وقاص کے پتھر سے پیشانی مبارک اور دندان مبارک شہید ہوئے تو بارگاہ الہیٰ میں اس کریم ہستی نے دعا مانگی کہ رب اغفرلی قومی فانھم لایعلومون، خدایا! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ یہ جاہل و نادان ہیں۔

اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا کہ اپنے نبی کے نقش قدم پر چلو۔ تو اب ہمیں سوچنا چاہیے کہ کیا ہم چل رہے ہیں۔ کیا سیالکوٹ کا واقعہ ہمارے لیے سوالیہ نشان نہیں ہے۔ سیالکوٹ میں ایک سری لنکن نہیں ایک انسان کو بہیمانہ انداز میں قتل کر کے جلا کر خاک کر دیا گیا۔ کیا میرے نبی کی تعلیمات یہی تھیں؟ کیا ہمارا مذہب اس قتل کی اجازت دیتا ہے؟ کیا ہمارا قانون اس کی اجازت دیتا ہے۔ اگر اس نے توہین مذہب کی تھی تو اس کے لیے قانون موجود ہے مگر ایک متشدد ہجوم کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ قانون کو ہاتھ میں لے کر اپنے فیصلے سڑکوں پر کرنے لگ جائے۔

سیالکوٹ سانحہ کے بعد ہم مذہب ہی نہیں بلکہ انسانیت کے دائرے سے بھی باہر نکل گئے ہیں۔ ہم نے دنیا کو اپنا وہ چہرہ دکھایا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ اس قتل کا دکھ اپنی جگہ تکلیف یہ بھی ہے کہ اتنے بڑے ہجوم میں ایک بھی انسان ایسا نہیں تھا جو اس ظلم کو روکنے کی کوشش کرتا۔ ریاستی ادارے کہاں تھے، قانون کیوں غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ یہ سلسلہ کب تک چلے گا اور کب اس کا اختتام ہوگا۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ریاست اپنی ذمہ داریاں ادا کرے۔ بہرحال جو ہوا قابل مذمت اور انتہائی افسوسناک ہے۔ اس طرح کی صورتحال میں افتخار عارف کا شعر یاد آرہا ہے کہ

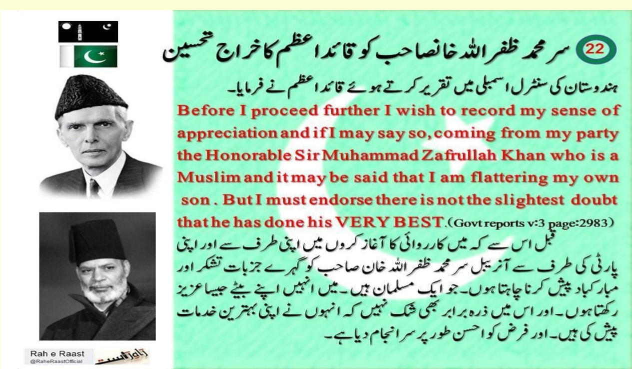
رحمت سید لولاک پہ کامل ایمان
امت سید لولاک سے خوف آتا ہے

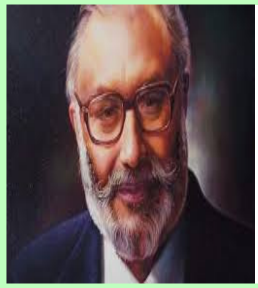
(بحوالہ 2021/09/07 ابو نائل بشکریہ ہم سب)

❁❁❁❁

❁❁❁

❁❁





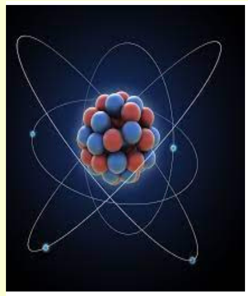
اس ایٹمی دور میں پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے میں ڈاکٹر محمد عبدالسلام کی نمایاں خدمات



(انجینئر محمود مجیب اصغر)

دنیا کا ایٹمی دور

وما ادرك ما الحطمة نار الله الموقدة



(اور تجھے کیا بتائے کہ حطمہ کیا ہے وہ اللہ کی آگ ہے بھڑکائی ہوئی)

سورۃ الھمز ہ کے تعارفی نوٹ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع تحریر فرماتے ہیں".. اس زمانے کا بڑا انسان یہ گمان کرے گا کہ اس کے پاس اس کثرت سے دولت اکٹھی ہو چکی ہے اور وہ اسے بے دریغ اپنے دفاع میں خرچ کر رہا ہے گویا اب اسے اس دنیا میں ابدی برتری حاصل ہو گئی ہے؟ خبردار وہ ایک ایسی آگ میں جھونکا جائے گا جو چھوٹے چھوٹے ذروں میں بند کی گئی ہے اور تجھے کیا پتہ کہ وہ کون سی آگ ہے؟

یہ سوال طبعی طور پر اٹھتا ہے کہ چھوٹے سے ذرے میں آگ کیسے بند کی جا سکتی ہے؟ لازماً اس میں اس آگ کا ذکر ہے جو ایٹم میں بند ہوتی ہے اور لفظ حطم اور ایٹم (ATOM) میں صوتی مشابہت ہے یہ وہ آگ ہے جو دلوں پر لپکے گی اور ان پر لپکنے کے لئے ایسے ستونوں میں بند کی گئی ہے جو کھینچ کر لمبے ہو جائیں گے۔

اس ساری سورۃ انسان کو سمجھ آ ہی نہیں سکتی جب تک اس ایٹمی دور کے حالات اس پر روشن نہ ہوں وہ ایٹمی مادہ جس میں یہ آگ بند ہے وہ پھٹنے سے پہلے عمد ممددہ کی شکل اختیار کرتا ہے یعنی بڑھتے ہوئے اندرونی دباؤ کی وجہ سے پھیلنے لگتا ہے اور اس کی آگ انسانوں کے بدن جلانے سے پہلے ان کے دلوں پر لپکتی ہے اور انسانوں کی حرکت قلب بند ہو جاتی ہے تمام سائنسدان گواہ ہیں کہ بالکل یہی واقعہ ایٹم بم پھٹنے سے رونما ہوتا ہے اس کے آتش گیر مادہ کے پہنچنے سے پہلے پہلے نہایت طاقتور ریڈیائی لہریں دلوں کی حرکت بند کر دیتی ہے

سورۃ دخان آیت 11 میں ایٹم بم کی پیشگوئی کی گئی تھی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے اس سورۃ کے تعارفی نوٹ میں فرمایا ہے کہ سورۃ دخان کے متعلق آنحضرت ﷺ کو علم دیا گیا تھا کہ اس کی پیشگوئیوں کے ظہور کا زمانہ دجال کے ظہور سے تعلق رکھتا ہے (جو کہ موجودہ دور ہے)

نیوکلیر ممالک

چنانچہ اب تک چین، فرانس، روس، برطانیہ، امریکہ، انڈیا، پاکستان، اسرائیل اور شمالی کوریا ایٹمی طاقت بن چکے ہیں

Pakistan is one of the nine states to possess nuclear weapons.

ڈاکٹر عبدالسلام کا حیات نامہ

Curriculum Vitae

پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کی تعلیم، استعداد، سندات، سابقہ تجربہ (حیات نامہ curriculum vitae)

دیکھ کر انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ پاکستان کے اس عظیم الشان عالمی سطح کے سائنسدان کے نام اور خدمات کو موجودہ حکومت احمدیت کے بغض اور حسد اور تعصب میں چھپانے کی کس طرح ناکام کوشش کر رہی ہے وہ جسے ساری دنیا اس دور کے عظیم سائنسدانوں میں شمار کرتی ہے اور جس نے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن اور ایٹم بم بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا اس کے نام اور مقام کو ظاہر نہیں کرنا چاہتی

اٹامک انرجی کے تناظر میں وہ کون تھا جو 1955 اور 1958 میں جنیوا

کانفرنس on peaceful uses of atomic energy کا سائنٹیفک سیکریٹری تھا

وہ کون تھا جسے 1968 میں ایٹم برائے امن فاؤنڈیشن نے ایٹم برائے امن میڈل اور ایوارڈ دیا گیا۔وہی تو تھا جو پاکستان اٹامک انرجی کمشن کا 1958 سے 1974 تک ممبر رہا جسے حکومت پاکستان نے 19631962 کے لئے عالمی اٹامک انرجی کمشن کا گورنر نامزد کیا۔

غرض یہ کہ پاکستان کو اٹامک انرجی سے متعارف کروانے والوں میں ڈاکٹرعبدالسلام نے بنیادی کردار ادا کیا

چیف ایڈوائزر برائے سائنسی امور

1961 میں صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان کی پیشکش پر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے بغیر تنخواہ حکومت پاکستان کا سائنسی مشیر بننا منظور کر لیا ڈاکٹرعبدالسلام 1974 تک حکومت پاکستان کے سائنس کے مشیر اعلیٰ رہے اس. دوران Pakistan Institute of Nuclear Science and Technology_ PINSTECH سمیت جتنے سائنسی ترقی کے کام ہوئے ان میں ڈاکٹرعبدالسلام صاحب کا کلیدی حصہ ہے

نیوکلیئر فزکس کے قریب ترین پارٹیکل فزکس ہے جو ڈاکٹرعبدالسلام کی speciality ہے بالخصوص جب انہوں نے ٹریسٹے اٹلی میں انٹرنیشنل سنٹر فار تھیوریٹیکل فزکس ICTP قائم کیا تو سینکڑوں پاکستان کے سائنسدانوں کو اٹلی بلوا کر تیار کیا جنہوں نے پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے میں کامیاب کیا اب اس کا نام۔Abdur Salam ICTP ہو گیا ہے

پاکستان میں ایٹم بم بنانے کی منصوبہ بندی

اس سلسلے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

”1965ء کی جنگ میں جو حالات نمودار ہوئے اس کے نتیجے میں جنرل ایوب خان نے یہ پہلا فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں لازماً ایٹمی توانائی کی طرف توجہ کرنی ہوگی.......ایوب کی نظر انتخاب جس سائنسدان پر پڑی جس پر آپ کو پورا اعتماد تھا وہ ڈاکٹرعبدالسلام تھے ڈاکٹرعبدالسلام نے ابتدائی اور بنیادی خدمات سرانجام دینے میں ایسا کردار ادا کیا کہ اگر کوئی مؤرخ شریف النفس ہو تو اس کردار کو بھلا نہیں سکتا...

ڈاکٹرعبدالسلام صاحب نے ان امور میں اس قدر اخفاء سے کام لیا کہ.. ایوب خان نے جو اعتماد آپ پر کیا اس کو سچا ثابت کر دکھایا۔ یہ جتنے اٹامک، نیوکلیئر کمیشن بنے ہیں مختلف قسم کے اٹامک یعنی یورینیم وغیرہ کی افزائش کے انتظامات ہوئے ان سب میں ڈاکٹرعبدالسلام کے مشورے کے مطابق وہ سائنسدان ملوث ہوئے ہیں جن میں سے ایک بڑی تعداد احمدی سائنس دانوں کی تھی اور اگر وہ احمدی سائنس دان اس پر کام نہ کرتے تو آج کسی ایٹم بم کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔“

(خطبہ جمعہ 12 جون 1998ء)

ڈاکٹر منیر احمد خان (19991926)

1972 سے 1991 تک چیئرمین پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے طور پر خدمت بجالاتے رہے اور اٹامک ہتھیار کی ٹیسٹنگ تک مئی 1998 تک ملوث رہے ان کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے فرمایا

”(ڈاکٹر) منیر احمد (خان) صاحب جو بڑے جرآت والے بااخلاق انسان ہیں اٹامک انرجی میں کمیشن میں بہت بڑا کام سرانجام دیا ہے اس کو منظم کرنے میں بعد ازاں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور یہ تسلیم کرتے ہیں کھل کر کہ ڈاکٹرعبدالسلام صاحب کے لائے ہوئے تھے اور انہی کے اعتماد کی وجہ سے ان کو یہ توفیق ملی ہے.....انہوں نے ڈاکٹرعبدالسلام پر ان کی وفات کے بعد جو مضمون لکھا جو ٹرسٹ میں پڑھا گیا اس میں بہت کھل کر ڈاکٹرعبدالسلام کی عظمت کے گیت گائے ہیں۔“

(ایضاً خطبہ جمعہ 12 جون 1998ء)

ان کا جو محبت اور وفا کا تعلق ڈاکٹرعبدالسلام صاحب سے تھا اس کا نتیجہ تھا کہ ڈاکٹرعبدالسلام صاحب کا جنازہ جب پاکستان لایا گیا تو یہ اپنے طور لاہور ائرپورٹ جنازہ وصول کرنے والوں میں شامل ہوئے۔

1971 کی ہندو پاک جنگ

1969 میں صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ملک کا نظم وضبط

جنرل آغا محمد یحی کے سپرد کردیا جنہوں نے مارشل لاء لگا دیا اور 7 دسمبر 1970ء کو ملک میں جنرل اسمبلی کے لئے عام انتخاب کروا دیئے جس میں مشرقی پاکستان کے شیخ مجیب الرحمن کی پارٹی بھاری اکثریت سے جیت گئی اور اصولا جنرل اسمبلی کا اجلاس بلا کر حکومت انہیں سونپ دینی چاہئے تھی لیکن ایسا نہ ہوا جس کے نتیجے میں ملک میں سول وار شروع ہوگئی 3 دسمبر 1971 کو انڈیا نے مشرقی پاکستان پر حملہ کردیا اور 16 دسمبر 1971ء کو پاکستانی افواج نے انڈیا کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔

1971 کی جنگ میں پاکستان کو شکست ہوئی مشرقی پاکستان کٹ کر بنگلہ دیش بن گیا اور مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی پارٹی نے نسبتاً زیادہ ووٹ لئے تھے ان حالات میں 20 دسمبر 1971 کو جنرل یحیی خان نے استعفی دے دیا اور حکومت بھٹو کے سپرد کر دی بھٹو 1971 سے 1973 تک پاکستان کے صدر اور 1973 سے 1977 تک پاکستان کے وزیر اعظم رہے

ملتان میٹنگ 20 جنوری 1972

انڈیا سے شکست اور بنگلہ دیش کے قیام کے جلد ہی بعد بھٹو نے 20 جنوری 1972 کو ملتان میں top brass physcists and engineers کی ایک اہم میٹنگ طلب کی اور ایٹم بم جس پر پہلے سے کام ہورہا تھا کے بارے میں ہدایات دیں ڈاکٹر عبد السلام بدستور حکومت پاکستان کے چیف سائنسی مشیر تھے اس میٹنگ میں ڈاکٹر عبد السلام اور چیر مین پاکستان اٹامک انرجی کمیشن ڈاکٹر منیر احمد خان کے علاوہ کچھ اور اہم شخصیات شامل تھیں۔

ڈاکٹر عبد السلام کا دورہ چین

1972 میں بھٹو نے ڈاکٹر عبد السلام کو چین بھجوایا جہاں انہوں نے چین کے وزیر اعظم چوان لائی (Zhou Enlai) سے 5 ستمبر 1972 کو ملاقات کی اور چین سے جوہری ہتھیار ٹیکنالوجی کے بارے میں رہنمائی کے معاملات طے کئے۔

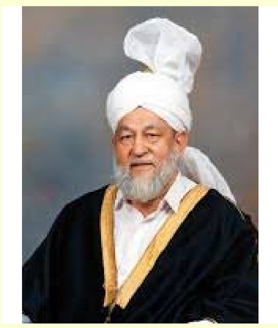
ٹی پی جی گروپ

ڈاکٹر عبد السلام نے ICTP میں پہلے سے تھیوریٹیکل فزکس گروپ (TPG) تیار کیا ہوا تھا جس میں ریاض الدین، فیاض الدین، مسعود احمد اور فہیم حسین جیسے سائنس دان تھے جنہوں نے جوہری توانائی کے حصول میں کلیدی کردار ادا کیا دسمبر 1972 میں ڈاکٹر عبد السلام نے پاکستانی سائنس دانوں کو جو ICTP میں کام کر رہے تھے خفیہ طور پر کوڈ میمورنڈم بھیجا کہ وہ چیر مین PAEC ڈاکٹر منیر احمد خان کو جا کر رپورٹ کریں یہ سب لوگ وہ ہیں جنہیں ڈاکٹر عبد السلام نے train کیا اور انہوں نے PAEC کے تحت کام کیا ان میں بہت سارے احمدی سائنس دان بھی تھے۔

پاکستان کی نیوکلئر افزائش

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے فرمایا

''اس وقت جو پاکستان کی نیوکلئر افزائش کے تعلق میں ایک عالمی حیثیت قائم ہوگئی ہے اس میں اول کردار ایوب خاب اور دوئم کردار جو سائنسی کردار ہے یہ ڈاکٹر عبد السلام نے ادا کیا ڈاکٹر سلام نے یورینیم کی افزائش کے سلسلے میں ڈیرہ غازی خان میں یورینیم کے ذخائر کی دریافت کے بعد اس کو کس طرح ایٹمی توانائی کے قابل بنایا جا سکتا ہے اس کے متعلق سب سے اہم مشورے دیئے اور شیخ لطیف صاحب جو احمدی سائنس دان ہیں جن کو اس کام پر مامور رکھا......شیخ لطیف صاحب کا.. مجھ سے رابطہ ہوا ہے....انہوں نے کچھ اور سائنس دانوں کے نام بھی بھیجے ہیں ڈاکٹر منیر احمد خان صاحب کی سربراہی میں جو ٹیم بنائی گئی تھی اس میں جو احمدی کلیدی اسامیوں پر فائز تھے ان میں شیخ لطیف احمد صاحب یہی امریکہ والے، دوسرے مرزا منور احمد صاحب کینیڈا والے، اس کے علاوہ بھی بہت سے نام ہیں مثلاً محمود احمد شاہ صاحب ٹورانٹو کینیڈا میں ہیں نیوکلئر فیوزن کی مینیجمنٹ میں انہوں نے بہت۔ بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔''



شیخ لطیف صاحب کا کردار

شیخ لطیف صاحب کا جو کردار رہا ہے 1961 سے 1989 تک، مینوفیکچر

آف نیوکلئر ریسرچ equipment یہ انہی کا کارنامہ ہے 1972 میں مینوفیکچر آف یورینیم ایکسٹریکشن پائلٹ پلانٹ انہوں نے تجویز کیا انہوں نے اپنے سامنے بنوا کر دکھا دیا یہ تجویز محض ایک تجویز نہیں، عملاً یہ ہو سکتا ہے 1974 تا 1979 پراسیسنگ آف یورینیم مینوفیکچرنگ نیوکلیئر فیوزن یہ بھی ان کا کارنامہ ہے… یہ وہ حقائق ہیں جو پاکستان کی تاریخ میں مندرج ہیں اوران حقائق کو یہ مٹا ہی نہیں سکتے

مرزا منور احمد اور ڈاکٹر محمد افضل

شیخ لطیف صاحب کے علاوہ مرزا منور احمد صاحب ٹورانٹو کا میں نے بتایا ہے اسی طرح ڈاکٹر محمد افضل صاحب 1964 سے 1969 تک سنٹر فار نیوکلیئر سٹڈیز میں لیکچرار رہے ہیں یعنی پروفیسر تھے اور اٹامک انرجی کے سائنس دانوں کو نیوکلیئر سائنس کی ٹیکنالوجی پڑھانے میں انہوں نے سب سے نمایاں کام سرانجام دیا ہے جو ٹیم بنی ہے، بہت سارے کثرت سے لوگ involve ہوتے ہیں ایسے کاموں میں، اس ٹیم کو بنانے میں بھی احمدی پروفیسرز کا دخل ہے

(ایضاً خطبہ جمعہ)

ڈاکٹر عبدالسلام کا استعفےٰ

1974 میں بھٹو کی حکومت نے جب احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا تو ڈاکٹر عبدالسلام نے دینی غیرت کے پیش نظر حکومت پاکستان کے سائنسی مشیر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا لیکن اپنے طور پر رہنمائی جاری رکھی

نوبیل انعام 1979

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو 1979 میں فزکس میں نوبیل انعام ملا جس سے پاکستان، اسلام اور احمدیت کا نام روشن ہوا

صدر پاکستان کا تار

اس موقع پر صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے مبارکبادی کا آپ کو جو تار بھیجا اس میں لکھا

" آپ نے یقیناً پاکستان کی عظمت اور سرفرازی کو نئی تابانی بخشی ہے"

(بحوالہ جنگ کراچی 16 اکتوبر 1979)

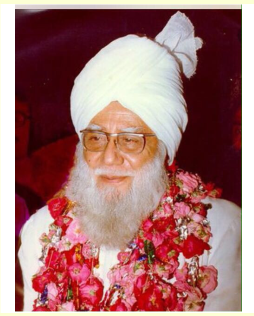
آپ کو حکومت پاکستان نے اعلیٰ ترین سول اعزاز "نشان امتیاز" بھی دیا مکہ سے شائع ہونے والا اخبار آپ کے نوبیل انعام حاصل کرنے پر عالم اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی مکہ کے ایک اخبار نے لکھا۔

''ایک مسلمان پاکستانی عالم کا اس انعام کا حصول سارے عالم اسلامی کے لئے شرف وعزت کا موجب اوران کی محنت کا ثمرہ ہے۔''

(العالم الاسلامی 19 نومبر 1979)

امام جماعت احمدیہ کا پیغام

امام جماعت احمدیہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے بھی آپ کو مبارکبادی کا تار بھیجا جس میں فرمایا



''سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں میری طرف سے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے پر خلوص دلی مبارکباد قبول کریں احمدیت اور تمام پاکستانیوں کو آپ پر فخر ہے کہ وہ پہلا مسلمان سائنس دان اور پاکستانی جس کو انعام ملا وہ ایک احمدی ہے خدا تعالیٰ مستقبل میں آپ کو اپنی تائید ونصرت سے نوازتا رہے۔''

(روزنامہ الفضل ربوہ 17 اکتوبر 1979)

1980 میں آپ حکومت پاکستان کے سٹیٹ گیسٹ کے طور پر پاکستان تشریف لائے اور آپ کے نوبیل انعام ملنے کے بعد اپنے ملک میں آنے سے پاکستان اور اداروں کی دنیا بھر میں پذیرائی ہوئی۔

حضرت مسیح موعود کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کے پہلے مظہر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر پیشگوئی فرمائی تھی کہ میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے (تجلیات الٰہیہ)



حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے آپ کو اس عظیم الشان پیشگوئی کا پہلا مظہر قرار

دیا۔

پہلا نیوکلیئر ٹیسٹ

28 مئی 1998 کو پاکستان نے چاغی بلوچستان کی پہاڑیوں میں پہلا کامیاب نیوکلیئر ٹیسٹ کیا اور اس طرح پاکستان ان ممالک میں شامل ہو گیا جو نیوکلیئر ممالک شمار ہوتے ہیں اس وقت پاکستان کے وزیر اعظم محمد نواز شریف تھے جنہوں نے کئی موقعوں پر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی تعریف کی ہے۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

ایک متنازعہ شخصیت ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو احمدیت کے عناد میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی جگہ کھڑا کر کے پاکستان میں ایٹم بم بنانے کا ہیرو بنانے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے فرمایا

"..... یہ جو کہا جارہا ہے کہ عبدالقدیر نے فیوزن میں کام کیا باقی سب کام دوسروں نے کئے یہ سب غلط ہے عبدالقدیر صاحب کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تھی کوئی شمار ہی نہیں تھا پروپیگنڈو کے سپیشلسٹ ہیں وہ اور بہت پروپیگنڈا کیا ہے انہوں نے اس کے متعلق اخبارات میں یہ خبریں شائع ہو چکی ہیں کہ کس طرح صحافیوں کو انہوں نے خریدا اور اپنی جیب سے پیسے خرچ کر کے ان کو اپنی تائید میں لکھنے پر آمادہ کیا اب یہ ساری باتیں پاکستان کے اخبارات میں چھپی ہوئی موجود ہیں ان کی تفصیل میں میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ مجھے پسند نہیں کہ عبدالقدیر خان کے کئے کرائے پر پانی پھیرنے کی کوشش کروں ان بیچاروں نے جو کچھ کریڈٹ لے لیا ہے اللہ ان کو مبارک کرے مگر تاریخ بدلنے کا ان کو کوئی حق نہیں تھا جو تاریخ کہہ رہی ہے وہ یہ باتیں ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 12 جون 1998ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 31 جولائی تا 13 اگست 1998)

❁❁❁❁

سود کی تعریف

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سود کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔"

شرع میں سود کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے فائدے کیلئے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے۔ یہ تعریف جہاں صادق آوے گی وہ سود کہلاوے گا۔ لیکن جس نے روپیہ لیا ہے اگر وہ وعدہ وعید تو کچھ نہیں کرتا اور اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے تو وہ سود سے باہر ہے۔"

(البدر 27 مارچ 1903ء صفحہ 75)

ایک موقع پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ سودی روپیہ کے لینے اور دینے کے متعلق کیا حکم ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا:۔ حرام ہے۔ ہاں اگر کسی دوست اور تعارف کی جگہ سے روپیہ لیا جاوے اور کوئی وعدہ اس کو زیادہ دینے کا نہ ہو، نہ اس کے دل میں زیادہ لینے کا خیال ہو۔ پھر اگر مقروض اصل سے کچھ زیادہ دے دے تو وہ سود نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تو هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (الرحمٰن: 61) ہے۔ اس پر ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر ضرورت سخت ہو اور سوائے سود کے کام نہ چل سکے تو پھر؟ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ نے اس کی حرمت مومنوں کے واسطے مقرر کی ہے۔ اور مومن وہ ہوتا ہے جو ایمان پر قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا متولی اور متکفل ہوتا ہے۔ اسلام میں کروڑہا ایسے آدمی گذرے ہیں جنہوں نے نہ سود لیا نہ دیا۔ آخر ان کے حوائج بھی پورے ہوتے رہے کہ نہ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ لو نہ دو۔ جو ایسا کرتا ہے وہ گویا خدا کے ساتھ لڑائی کی تیاری کرتا ہے۔ ایمان ہو تو اس کا صلہ خدا بخشتا ہے۔ ایمان بڑی بابرکت شے ہے۔ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ: 107)۔ اگر اسے خیال ہو کہ پھر کیا کرے تو کیا خدا کا حکم بھی بے کار ہے۔ اس کی قدرت بہت بڑی ہے۔ سود تو کوئی شے ہی نہیں ہے۔۔"

(البدر 27 مارچ 1903 صفحہ 75)

❁❁❁❁

❁❁❁



شہر کا شہر مسلمان ہوا پھرتا ہے

امجد محمود، سیالکوٹ

جمعہ اہل اسلام کے ہاں بہت مبارک دن خیال کیا جاتا ہے۔اس دن سارا سوشل میڈیا فیس بک میسنجر، واٹس ایپ، ٹویٹر اور انسٹا گرام جمعہ مبارک کے سجے سجائے پیغامات سے بھرے ہوتے ہیں۔مسلمانوں کے گھروں میں خاص ماحول بنا ہوتا ہے۔ بچے بڑے سب نہا دھو کر اجلا سفید لباس پہن کر مساجد کا رخ کرتے ہیں۔اور ایک خاص پر تقدیس ماحول بنا ہوتا ہے۔

مگر مورخہ 3 دسمبر 2021 کو شہر اقبال سیالکوٹ میں جمعہ ایک مختلف طریقے سے منایا گیا۔ سیالکوٹ کے نواحی علاقے اگوکی میں ایک بڑی سپورٹس فیکٹری راجکو انڈسٹریز جس نے گزشتہ ٹی ٹونٹی کپ کے موقع پر پاکستان کرکٹ ٹیم کی ہری جرسی اور گیئر تیار کیے تھے کے بزنس مینجر جنہیں ایک سری لنکن شہری پریانتھا کمارا کے نام سے شناخت کیا گیا ہے کو توہین مذہب کا بہانہ بنا کر فیکٹری کے اندر غنڈہ عناصر نے جنہیں فیکٹری ورکرز کا نام دیا جا رہا ہے، دفتر سے نکال کر لوہے کے راڈ اور ڈنڈے جو بھی کسی کے ہاتھ لگا مار مار کر قتل کیا اس کے بعد نا جانے کس یزیدی فقہ کے مطابق لاش کے کپڑے اتار کر برہنہ کیا گیا اور پھر شیطان کے پیروکار ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے لاش کو گھسیٹ کو فیکٹری سے باہر مین وزیر آباد روڈ پر لا کر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔ کچھ عینی شاہدین کے مطابق اس وقت تک متوفی کے جسم میں ابھی کچھ جان باقی تھی مگر اس ہجوم میں انسانیت باقی نا تھی لہذا انتہائی بیدردی کے ساتھ شعلوں کو مزید پٹرول بہم پہنچایا جاتا رہا۔

وہاں لگی آگ سے دھوئیں کے بادل نہیں پاکستانیوں کی بطور وحشی جاہل قوم دنیا بھر میں ذلت رسوائی اور نفرت وحقارت کے اشتہار بلند ہو رہے تھے۔ باقی ہجوم بے حسی کا بدبودار اور گھناؤنا مظاہرہ کرتے ہوئے سمارٹ فونز کے ذریعے اس ہولناک منظر کی عکس بندی میں مشغول تھا تا کہ اپنے اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر اسے اپلوڈ کیا جا سکے۔

وحشت اور بربریت کا یہ کھیل جو فیکٹری میں کام کرنے والے جواں سال کارندوں اور کاریگروں نے شروع کیا تھا بہت جلد اس میں فون کالز کے ذریعے ارد گرد کے علاقوں سے مذہبی سیاسی تنظیم تحریک لبیک کے کارکنوں اور حامیوں کو بھی طلب کر لیا گیا اور یوں یہ ہجوم بڑھتا چلا گیا۔

یہ دلخراش وحشیانہ اور ہولناک موت کا کھیل دو گھنٹے تک جاری رہا اور آدھ کلومیٹر پر موجود پولیس تھانہ کے اہلکار حسب معمول کسی خاص مصروفیت میں مگن رہے اور بروقت موقع واردات پر نا پہنچ سکے اور جب پہنچے تو وہ بھی خاموش تماشائی بن کر دیکھتے رہے کیونکہ پولیس کچھ عرصہ قبل ہی اسی کالعدم قرار دی گئی تنظیم کے وفاداروں کے ہاتھوں اپنے بھائی بند شہید کروا چکی ہے جن کے قاتلوں کا سراغ تک حکومت نہیں لگا سکی تھی بلکہ ذلت آمیز طریقے سے پہلے اس تنظیم سے کالعدم کا لیبل واپس لیا گیا پھر اس کے تمام فورتھ شیڈول میں گرفتار کیے گئے کارکنوں کو بھی باعزت بری کیا گیا مزید ذلت اس وقت سامنے آئی جب حکمران جماعت کے پنجاب کے سربراہ اس تنظیم کے امیر کی رہائی کے بعد اسے پھولوں کا گلدستہ پیش کرنے اس کے ہاں حاضر ہوئے۔

اس طرح قاتل ہجوم پورے مذہبی جوش وجذبے اور ایمان کی قوت کے ساتھ بڑے اطمینان اور سکون سے اپنی وحشتوں کو جلا بخشتا رہا۔ایک بے گناہ غیر ملکی اس ملک کی سڑک پر سوختہ ہو گیا اور اس کے ورثا کی بجائے اس کا اتم کریا کرم خود مسلمانوں نے کر دیا۔

اس کے بعد معمول کے حکومتی ڈرامے شروع ہو گئے۔ وزیر اعظم کا ٹویٹ جو ایسے ہر موقع پر لازم آتا ہے جیسے ساہیوال سانحے پر بھی آیا تھا اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دلوانے کے دعوے اور مذمتی بیان داغے جانے لگے اور معاونین کی پریس کانفرنسیں اور بین المذاہب ہم آہنگی کے کھوکھلے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ دو چار دن میڈیا ایسے واقعات پر توجہ دیتا ہے مگر پھر لوگ بھول

جاتے ہیں۔ کچھ حلقے وزیر اعظم کی مذمت کو قابل مذمت قرار دے رہے ہیں کیونکہ انہی وزیر اعظم کی حکومت نے حال ہی میں ایک کالعدم مذہبی جماعت کو ناصرف دوبارہ قانونی قرار دیا ہے بلکہ ان کے ریاست کے خلاف کیے گئے تمام جرائم سے بھی صرف نظر کیا ہے۔

سیالکوٹ میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہیں ہوا۔ اس سے پہلے پندرہ اگست دو ہزار دس کو تقریباً اسی وقت سیالکوٹ کے ایک نواحی موضع بٹر کے قریب دو حافظ قرآن بھائیوں منیب اور مغیث بٹ کو ہجوم نے انتہائی اذیت ناک طریقے سے قتل کیا تھا اور نعشوں کی بے حرمتی کی تھی ٹریکٹر ٹرالی کے پیچھے باندھ کر گاؤں گاؤں گھمایا گیا تھا۔ تب ایس پی سیالکوٹ وقار جب اطلاع ملنے پر جائے واردات پر پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ لوگوں نے دو ڈاکوؤں کو واردات کے بعد پکڑ لیا ہے۔

جس پر ایس پی نے ہجوم کو شاباش دی۔ اور اس شاباش کے بعد انتہائی بہیمانہ طریقے سے جسمانی تشدد کر کے دو نوجوان سگے بھائیوں کو محض شک کی بنیاد پر قتل کر دیا گیا تھا۔ اس واقعے کی بھی ملک بھر میں شدید مذمت ہوئی تھی اور اخبارات میں مضامین اور اداریے لکھے گئے تھے۔ تب بھی ہجوم میں سے کچھ زیادہ متحرک لوگوں کو شناخت کر کے گرفتار کیا گیا تھا اور ان کے ایک عرصہ تک مقدمات عدالتوں میں چلتے رہے۔ ایس پی وقار چوہان پہلے برطرف ہوا پھر بحال بھی ہو گیا۔ اسی طرح دوسرے ملزمان کو بھی کوئی خاص سزا نہیں ہو سکی ہے۔

اس تازہ واقعے میں مذہب کا عنصر شامل کیا گیا ہے حالانکہ واقعہ ذاتی رنجش کا نتیجہ تھا ایک کاریگر کے ساتھ مینجر کی کام کے حوالے سے کچھ تلخ کلامی ہوئی تھی جسے اس کاریگر نے کامیابی سے مذہبی رنگ دے کر ذاتی انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ ذاتی جھگڑوں کے بعد مذہب کا سہارا لینے کا بھی یہ کوئی اولین واقعہ نہیں۔ مشہور و معروف آسیہ کیس بھی اسی نوعیت کا تھا جس میں کچھ مسلمان ساتھی عورتوں نے پانی کا گلاس پیش کرنے پر اسے چوڑی کہہ کر مخاطب کیا اور بعد میں الٹا اسی کو توہین مذہب کے مقدمے میں پھنسا دیا۔ جس نے ملکی تاریخ میں بھونچال برپا کیے رکھا اور گورنر پنجاب سلمان تاثیر ایک بے گناہ کی ہمدردی کی سزا اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بھگت چکے۔ بعد ازاں پاکستان کی سپریم کورٹ نے ملزمہ آسیہ کو الزامات سے بری کیا تو سپریم کورٹ کے خلاف بھی اسی مذہبی سیاسی تنظیم نے احتجاج کیا۔

اسی طرح 15 مارچ 2015 کو یوحنا آباد لاہور میں مشتعل غیر مسلم ہجوم نے دو راہگیر مسلمانوں کو سڑک پر تیل چھڑک کر زندہ جلا دیا تھا۔ ان کی سوختہ لاشیں بھی مذاہب کی انسان دوستی کے دعووں پر زبردست طمانچہ دکھائی دیں۔ اس واقعے کے ذمہ داران کو بھی تختہ دار پر نہیں لٹکایا گیا۔

پنجاب کی دھرتی جو کبھی مادھو لعل حسین اور اور وارث شاہ، میاں میر اور گورو نانک جیسے سپوتوں پر فخر کیا کرتی تھی اور مذہبی رواداری اور ہم آہنگی دیہی ثقافت کا جزو خاص ہوا کرتی تھی آج مذہبی انتہا پسندی کے چنگل میں پھنس چکی ہے خصوصاً رورل پنجاب مذہبی عدم برداشت اور انتہا پسندانہ رویوں کا شکار ہو چکا ہے۔ فرقہ واریت عروج پر ہے۔ نوجوان اس تبدیل شدہ سماج کے سب سے بڑے متاثرین ہیں۔ جنہیں تمام مذہبی اور سیاسی گروہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے آئے دن استعمال کرتے ہیں۔

پنجاب کے لوگ آج بھی ثقافتی طور پر باہم جڑے ہوئے ہیں۔ لوگ آج بھی ایک دوسرے کا حتی کہ اجنبیوں کا بھی خاص دھیان رکھتے ہیں آپ سڑک پر اکثر یہ منظر دیکھتے ہوں گے کہ کسی کو اگر اپنی موٹر سائیکل کا سٹینڈ اٹھانا یاد نا رہے تو ہر کوئی آواز دے کر اسے سٹینڈ اٹھا لینے کا یاد دلاتا ہے مبادا اسے کوئی حادثہ نا پیش آ جائے۔ کسی خاتون کا دوپٹہ یا برقع موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھے ہوئے لٹک رہا ہو تو آس پاس سے گزرنے والے اسے پلو اٹھانے کا بولتے ہیں۔

کسی کے ساتھ کوئی معمولی سا حادثہ بھی پیش آ جائے تو فوراً لوگ دوڑے دوڑے مدد کو چلے آتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ یہی لوگ کسی زندہ انسان کو وحشیانہ طریقے سے پہلے ماریں قتل کریں پھر لاش کو نذر آتش بھی کریں۔ راقم نے گہرے مشاہدے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ منیب مغیث برادران کا قتل ہو، مشعل خان کا المناک واقعہ ہو یا یہ حالیہ واقعہ ہو مرکزی ملزمان مخصوص اور چنیدہ ہوتے ہیں۔ وہی ہجوم کو مشتعل بھی کرتے ہیں وہی خود تشدد میں پیش پیش ہوتے ہیں اور وہی چند لوگ ایسے دلخراش واقعات کے خالق بھی ہوتے ہیں۔

اگر ریاست ان چند لوگوں کو ان کے منطقی انجام تک پہنچا دے اور عبرت کا نشانہ بنا دے تو آئندہ قانون ہاتھ میں لینے والوں کی حوصلہ شکنی ہو گی۔ آج تک نا مشعل خان کے کسی ایک قاتل کو انجام تک پہنچایا گیا نا منیب مغیث کا کوئی قاتل کیفر کردار کو پہنچا۔ قانون اور ریاست کے ان نرم اور لچکدار رویوں نے ایسے وحشی عناصر کے حوصلے بڑھائے ہیں اب ہر کوئی قانون کو مذاق سمجھتے ہوئے اس سے لا پرواہ ہو کر جرم کا کھلے عام ارتکاب کرتا ہے۔

ریاست پاکستان اپنے غیر واضح اور مبہم بیانیوں کا شکار ہو کر کمزوری اور ناتوانی کا ثبوت دے چکی ہے۔ کچھ ہی عرصہ قبل نمودار ہونے والی سنی عقیدہ کی حامل تحریک لبیک نے ایک انتہائی حساس اور جذباتی مذہبی نعرہ لبیک یا رسول اللہ اپنا کر اپنے گرد بہت انبوہ کثیر جمع کر لیا ہے جو جذبات کی آخری حدود کو چھوتے ہوئے قانون نافذ کرنے والے ریاستی ادارے پولیس کے اہلکاروں کو قتل تک کرنے سے نہیں چوکتا۔ اس سے پہلے ستر سالہ تاریخ میں یہ منظر کبھی دیکھنے کو نہیں ملا تھا۔

ریاست سنی مذہبی جماعتوں کے جارحانہ انداز سیاست سے شدید خائف نظر آتی ہے۔ اور اسلام آباد کی جانب بڑھنے والے دھرنوں سے طاقت کی بجائے مک مکا کے ذریعے نبٹنے کی پالیسی پر عمل پیرا نظر آتی ہے۔ لیکن اپنی کمزوریاں اجاگر کرتے ہوئے ریاست انتہا پسند جتھوں کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو ریاست کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ سمجھنے سے قاصر نظر آتی ہے۔

دوسری طرف سوشل میڈیا پر ایک حیران کن تبدیلی بھی دیکھنے کو مل رہی ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو استعمال کرنے والوں کی اکثریت نے سیالکوٹ قتل کی شدید مذمت کی ہے۔ ٹویٹر پر سری لنکا، سیالکوٹ، دہشت گردی بند کرو ٹی ایل پی اور سعد حسین رضوی نامی ٹرینڈز پر لاکھوں سوشل میڈیا صارفین نے سیالکوٹ واقعے کی بھرپور مذمت کی ہے اور شاید ہی کسی نے اس کی حمایت میں ٹویٹ کیا ہو۔ یہ ایک واحد پہلو ہے جو حوصلہ افزا امید پرور اور مثبت دکھائی دیتا ہے۔

عوام کی اکثریت نے حسب معمول مذہبی انتہا پسندی سے کنارہ کشی کرتے ہوئے بہت متوازن رائے کا اظہار کیا ہے۔ انتہا پسندی کو کبھی بھی بطور سماج پاکستانی معاشرے نے نہیں سراہا اور ہمیشہ اس کی مذمت کی ہے۔ پاکستانی عوام میں سری لنکا کے حوالے سے ویسے بھی اچھے جذبات پائے جاتے ہیں۔ سری لنکا کی کرکٹ ٹیم پر جب لاہور میں حملہ ہوا تھا اس پر بھی پوری قوم نے یک آواز ہو کر اس دہشتگردی کے واقعے کی مذمت کی تھی اور پھر جب سب کرکٹ کھیلنے والے ممالک نے سیکورٹی تحفظات کے نام پر پاکستان آنے سے اور کرکٹ کھیلنے سے معذرت کی تھی تب سری لنکن ٹیم نے پاکستان کا دورہ کر کے کرکٹ شائقین کے ساتھ پوری قوم کے دل جیت لئے تھے مگر پنجاب میں زہر آلود شدت پسند نظریات کی حامل مذہبی جماعتیں بدستور پاکستان کی نا صرف داخلی سلامتی کے لئے مستقل خطرہ بن کر منڈلا رہی ہیں بلکہ ایسے ہر واقعے سے دنیا بھر میں نا صرف مذہب اسلام بلکہ ملک و قوم کی شدید بدنامی اور ذلت ہو جاتی ہے جس کا براہ راست اثر ملکی برآمدات پر پڑتا ہے۔

لوگ ایک غیر مہذب غیر انسانی وحشیانہ حرکات میں ملوث لوگوں کے ملک کے ساتھ کاروباری روابط رکھنا پسند نہیں کرتے عام آدمی کے بیرون ملک جانے اور تعلیم و ترقی کے چانسز عنقا ہو جاتے ہیں۔ اگر ریاست نے اپنی ڈھیلی ڈھالی پالیسی ترک نا کرتے ہوئے ان جماعتوں کا قلع قمع کرنے میں ابھی بھی سستی دکھائی تو پھر خاکم بدہن نتائج خوش کن ظاہر نہیں ہوں گے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁







مسجد اقصیٰ ربوہ کی پرشکوہ عمارت کا شاندار افتتاح

(ادارہ)

مرکز احمدیت ربوہ کی تاریخ میں ۳۱ مارچ ۱۹۷۲ء کا جمعہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس مبارک دن مسجد اقصی کی پرشکوہ اور وسیع وعریض عمارت کا افتتاح ہوا۔ جس میں اہل ربوہ کے علاوہ طول وعرض سے احمدی جماعتوں کے نمائندگان مجلس مشاورت اور دیگر زائرین نے بھی شمولیت کی سعادت حاصل کی۔ زوال آفتاب کے بعد جب نماز جمعہ کی پہلی اذان ہوئی تو اس کے ساتھ ہی مسجد اقصی کے دروازے نمازیوں کے لئے کھول دیئے گئے اور احباب جوق در جوق مسجد میں داخل ہونے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مین ہال کے بعد صحن بھی نمازیوں سے پر ہونے لگا۔ مسجد کی وسیع گیلری خواتین کے لئے مخصوص تھی مگر احمدی خواتین غیر معمولی طور پر اتنی کثرت کے ساتھ نماز جمعہ میں شامل ہوئیں کہ مستورات کے لئے جگہ نا کافی ثابت ہوئی۔ ٹھیک ایک بجے حضور بذریعہ کار تشریف لائے۔ ارکان استقبالیہ کمیٹی نے مسجد کی محراب کے باہر ڈیوڑھی (Porch) میں حضور کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ استقبال کرنے والوں میں یہ اصحاب شامل تھے۔ حضرت مولوی محمد الدین صاحب صدر صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلی۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب وکیل اعلی تحریک جدید وصدر مجلس انصار اللہ۔ صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب۔ (حضرت) صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب۔ سید داؤد احمد صاحب۔ شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ صدر انجمن وقف جدید۔ الحاج مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ پنجاب۔ چوہدری حمید اللہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکز میں۔ چوہدری انور حسین صاحب امیر ضلع شیخوپورہ۔ خواجہ محمد امین صاحب امیر ضلع سیالکوٹ۔ مولانا ابوالعطاء صاحب۔ مولانا عبدالمالک خان صاحب۔ مولوی محمد عرفان صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد۔ شیخ محمد حنیف صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ بلوچستان۔ چوہدری احمد مختار صاحب امیر جماعت احمد میں کراچی۔ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب صدیقی امیر جماعت احمدیہ حیدرآباد ڈویژن۔ مولوی محمد صدیق صاحب صدر عمومی ربوہ۔ سید محمود احمد صاحب ناصر نمائندہ لجنہ اماءاللہ مرکز میں بریگیڈیر اقبال احمد صاحب شمیم سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن۔ اس تقریب میں چار غیر ملکی طلباء نے اپنے اپنے ملک کی اس موقعہ پر نمائندگی کی ان کے نام یہ ہیں۔ ظفر احمد صاحب انڈونیشیا۔ محمد شمیم صاحب بھی۔ ذکر اللہ ایوب صاحب نائیجیریا۔ محمد یوسف صاحب یاسن گھانا۔ حضور نے ان سب احباب کو شرف مصافحہ بخشا اور پھر محراب میں تشریف لے گئے۔ جونہی حضور مسجد میں داخل ہوئے ایک جانور محراب کے قریب اور چار جانور مسجد کے چاروں کونوں پر بطور صدقہ ذبح کئے گئے اور ان کا گوشت بعد میں غرباء میں تقسیم کر دیا گیا۔ خطبہ جمعہ کے لئے لکڑی کا ایک نیا بلند منبر بنوایا گیا تھا۔ جو محراب میں موجود تھا۔ دوسری اذان کے بعد جو بشارت اللہ صاحب (مہاجر قادیان) نے دی حضور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ایک نہایت بصیرت افروز خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس پر معارف خطبہ میں حضور نے فرمایا کہ آج ہمارے دل اللہ تعالی کی حمد وثنا سے لبریز ہیں کہ اس نے ہمیں ایک نئی اور بڑی اور اونچی مسجد عطا فرمائی ہے۔ دراصل صرف تین مساجد ہیں جنہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مساجد کہا جا سکتا ہے باقی سب مساجد ان کے اظلال ہیں۔ تم اپنی نیتوں کو ایسا بناؤ کہ وہ ہمیشہ تعمیر بیت اللہ کے مقاصد کی طرف متوجہ اور مائل رہیں۔

مسجد اقصی کے اہم اور دلچسپ کوائف

ربوہ کی اس عالیشان مرکزی مسجد کے بعض اہم کوائف کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یہ عظیم الشان مسجد ستر ہزار مربع فٹ میں تعمیر کی گئی۔ افتتاح تک اس کی تعمیر پر کم وبیش ۱۵ لاکھ روپے خرچ ہوا۔ اس مسجد کی تعمیر کا فیصلہ ۱۹۶۵ء کی مجلس مشاورت میں حضرت مصلح موعود کے عہد خلافت میں کیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر کے اکثر و بیشتر اخراجات سلسلہ کے نہایت مخلص، فدائی اور مخیر بزرگ شیخ

محمد صدیق صاحب آف کلکتہ نے برداشت کئے مگر اپنی زندگی میں انہوں نے اپنا نام ظاہر کرنا گوارا نہیں فرمایا (تعمیر کے اخراجات اندازے سے بڑھ گئے تھے اس لئے حد صدیق بانی صاحب کی وفات کے بعد باقی کے کچھ اخراجات شیخ عبدالمجید صاحب آف کراچی نے ادا کئے ۔ 37) مسجد کا مین ہال بغیر ستونوں کے کنکریٹ سے بنایا گیا جو ۲۲۰×۸۰ فٹ ہے سین کے ساتھ دونوں جانب ۱۵۵×۲۰ فٹ کے دو برآمدے ہیں اور مشن ۲۲۰×۱۸۰ فٹ پر مشتمل ہے ۔ مجموعی طور پر مسجد میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیک وقت قریباً ۱۵ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔ مرکزی ہال میں چونکہ کوئی ستون نہیں ہے اس لئے اس میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ امام کی زیارت سے مشرف ہو سکتے ہیں ۔ مسجد کے مسقّف حصے میں مستورات کے لئے ایک وسیع گیلری ہے جو ۴۰×۲۰ فٹ پر مشتمل ہے ۔ اس حصے میں سیمنٹ کی خوبصورت جالی کے پردوں کا نہایت معقول انتظام کیا گیا ہے۔ اس مسجد کو یہ شرف حاصل ہے کہ شروع سے لے کر آخر تک حضرت خلیفہ مسیح الثالث اس کی تعمیر میں ذاتی طور پر گہری دلچسپی لیتے رہے ۔ درجنوں بار خود تشریف لے جا کر اسے ملاحظہ فرمایا اور متعلقہ کارکنان کو نہایت اہم اور قیمتی ہدایات سے نوازا۔ اس امر کی حضور نے خاص طور پر بہت احتیاط کے ساتھ نگرانی فرمائی کہ عمارت کی تکمیل میں افادیت کا پہلو بہر حال مقدم رہے اور اخراجات میں کسی قسم کا بھی ضیاع نہ ہو بلکہ ہر ممکن کفایت سے کام لیا جائے ۔ آخری بار حضور نے افتتاح سے ایک روز قبل ۳۰ مارچ کو بعد نماز عصر مسجد اور اس کے افتتاح کے جملہ انتظامات کا معاینہ فرمایا مین کی جانب سے مسجد میں داخل ہونے کے گیارہ گیٹ ہیں جن میں سے درمیانی دروازے کی محراب بہت بڑی ہے ۔ چار بڑے مینارے اور دو چھوٹے مینارے ہیں ۔ ان کے گنبد سفید رنگ کے ہیں ۔ بڑے گیٹ کے ارد گرد نہایت خوبصورت رنگ دار ٹائلز لگائی گئیں جن کی وجہ سے مسجد کی خوبصورتی میں بہت اضافہ ہو گیا۔ مسجد کی پیشانی پر دروازوں کے اوپر نہایت جلی، روشن اور خوبصورت طور پر یہ الفاظ لکھے گئے ۔ الحکم اللہ لا غالب الا اللہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ القدرۃ اللہ العزۃ للہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

مسجد کی دیواروں کی اونچائی ۲۵ فٹ ہے تمام کھڑکیوں اور روشندانوں میں ایسا شیشہ استعمال کیا گیا جس کی چمک اندر بیٹھنے والوں کی آنکھوں کے لئے تکلیف دہ نہ ہو۔ محراب کی طرف جہاں پورچ بنایا گیا، دو راستے الگ طور پر جاتے ہیں ۔ مسجد کی تعمیر کے لئے حضور کی عمومی نگرانی میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کے صدر صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب تھے ۔ سیکرٹری کے فرائض اکتوبر 1971ء تک شیخ مبارک احمد صاحب سرانجام دیتے رہے۔ جس کے بعد بریگیڈیر اقبال احمد صاحب شمیم نے اس نازک اور اہم ذمہ داری کو ادا کیا۔ آپ کی عدم موجودگی میں چوہدری ظہور احمد صاحب قائمقام سیکرٹری رہے۔ ان کے علاوہ دیگر ارکان کمیٹی کے نام درج ذیل ہیں ۔ (حضرت) صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب، سید میر داؤد احمد صاحب،



غزل

(آدم چغتائی)

یوں میری دعاؤں میں صدا کانپ رہی ہے
جیسے کہ ہواؤں میں ردا کانپ رہی ہے
ہے تیرے کرم سے ہی خطا کار کی بخشش
ہر سانس مری ربِ اعلیٰ کانپ رہی ہے
دھوئی تھی زباں گرچہ مے لالہ سے میں نے
لیتے ہوئے کیوں نام ترا کانپ رہی ہے
کہنے کو تجھے دیکھ ہی لیتی ہیں نگاہیں
پھر طور پہ کیوں طبع صفا کانپ رہی ہے
گزری ہے نسیم سحری آج یہ کیسے
ہر شاخ تہ بادِ صبا کانپ رہی ہے
آدم کی دعا ہوگی یہ مقبول سنا تھا
پھر پیشِ خدا کس کی نوا کانپ رہی ہے

❁❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁

چوہدری ظہور احمد صاحب، مولانا عبدالمالک خان صاحب، چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ، میاں عبدالحق صاحب رامہ، شیخ محبوب عالم خالد صاحب، بشیر احمد خاں صاحب رفیق، مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری۔

مسجد کا نقشہ چودھری عبدالرشید صاحب احمدی چارٹرڈ آرکیٹیکٹ سابق پروفیسر انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور حال مقیم لنڈن نے تیار کیا۔ چوہدری نذیر احمد صاحب انجینئر شروع سے لے کر اکتوبر ۱۹۷۱ء تک کام کی نگرانی کرتے رہے۔ بہت سے دیگر احمدی انجینئر بھی تعمیر میں گہری دلچسپی لیتے رہے اور مشورہ دیتے رہے۔ ان کے علاوہ بعض دیگر قابل اور مشہور انجینئروں کو بھی وقتاً فوقتاً مشورہ کے لئے بلایا جاتا رہا۔ تاکہ اگر کسی جگہ بھی کوئی نقص نظر آئے تو اس کی نشاندہی اور اصلاح ہو سکے۔ اس خدا کے اس گھر میں سو ۱۰۰ برقی پنکھے لگائے گئے۔ پانی کی فراہمی کے لئے قریبی پہاڑی پر ۹۰ فٹ کی بلندی پر ایک ٹینکی نصب کی گئی جس میں پندرہ ہزار گیلن پانی کی وسعت تھی۔ اس ٹینکی میں پانی لانے کے لئے انچ بور کا ایک ٹیوب ویل ۲۷ سوفٹ کے فاصلہ پر ایسی جگہ لگایا گیا جہاں پر پانی میٹھا تھا۔ روشنی کا بھی بہت معقول اور اعلیٰ انتظام کیا گیا۔ لائٹ پوائنٹ کی تعداد دوصد ہے۔ ۲ فلڈ لائٹس صحن کے لئے ہیں۔ جہاں ۵۰۰ واٹ کے مرکزی بلب نصب کئے گئے۔ ایک فلڈ لائٹ سائیکل پارک اور ایک کار پارک کے لئے نصب کی گئی۔ اس پرشکوہ عمارت میں جانے کے لئے وسیع راستے اور سڑکیں بنائی گئیں جن کے درمیان مختلف قطعات میں گھاس اور پھولوں کے پودے لگائے گئے جس کی وجہ سے اس کا ماحول بہت سرسبز اور خوبصورت منظر پیش کرنے لگا۔ 38 مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے بعد جمعہ اور عیدین کی مبارک تقریبات جو قبل ازیں مسجد مبارک میں ہوتی تھیں مسجد اقصیٰ میں ہونے لگیں۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی ہجرت انگلستان کے بعد صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی طرف سے حفاظتی نقطہ نگاہ سے احاطہ مسجد کے اردگرد پختہ چاردیواری بنادی گئی۔ نظارت اصلاح وارشاد کے ریکارڈ کے مطابق اس کی تعمیر جولائی ۱۹۸۷ء میں شروع ہوئی اور فروری ۱۹۸۹ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی۔ اس چاردیواری پر ۳ لاکھ انیس ہزار آٹھ سو اکانوے روپے کی لاگت آئی۔

❋❋❋❋❋❋❋❋



سیالکوٹ: ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے؟

چانڈیوانور عزیز

ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے؟
ابھی تو ٹھہریں آپ!
سچ، ابھی آپ نی کچھ نہیں دیکھا۔
آپ کی دھرتی پر تو ہمیشہ
پانچ دریاؤں میں بہتے آب حیات
زمینوں کی زرخیزی
فصلوں کی فراوانی
پھلدار باغات اور نخلستان
جاہ و دولت کی روانی
جنگی مزدوروں کی بہتات
سپاہیوں کی منڈی
نمک اور کوئلے کی کانوں
تجارتی راہداریوں
تاجروں کی جنت
اور قیمتی چیزوں کی وجہ سے
دشمن امڈ آتے رہے۔
آپ تاریخ میں ہمیشہ
دشمن کی نظر یا سایہ نظر میں رہے
پہاڑوں کے اس طرف سے
پانی پت تک جانے والے لشکر
کبھی یہاں سے بھوکے نہیں گئے
آپ نے صدیوں سے ایک جیسے دشمن دیکھے
دولت، ملکیت کے حریص سپاہی، سب چٹ کرانے والے لشکر،

حرص اور جاہ جلال کے بھوکے سپاہ سالار اور حکمران
مگر یہ بڑے دشمن تھوڑی ہیں،
ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے؟
ابھی تو ٹھہریں آپ!
سچ، ابھی آپ نی کچھ نہیں دیکھا
ابھی تو آپ نے کچھ نہیں سمجھا۔
کیا آپ پر کبھی کسی نے مذہب کے نام حملہ کیا؟
خدا کے نام پر آپ کے معبد گرائے؟
مہاراجاؤں کے سر قلم کر کے
رانیوں کو زندہ جلایا
یا پھر شہزادیوں کو لونڈیاں بنایا ہو
نہیں نہ۔
یا پھر سلامتی کی نام پر جوان بچوں کو قتل کیا ہو
اور عورتوں کو ہانک کر
بغداد کی بازار میں بکریوں کی طرح بیچ دیا ہو۔
آپ خوش قسمت ہو
آپ کا، مال و زر لوٹنے والوں نے
کبھی آپ کے گھروں، زمینوں، زبان اور وطن پر مستقل قبضہ نہیں کیا
آپ کی تاریخ، تہذیب، ثقافت اور روایات
کو گہن لگانے کی کوشش نہیں کی
ہم سے پوچھو
ہاں ہم سے پوچھو،
ہم جو بھوک اور پیاس پر
مسلسل ظلم کی چکی میں پیستے
اپنے وطن میں دوسرے درجے کے شہری بن کر
اپنی دھرتی، شہروں، نہروں، سمندروں، راستوں، منزلوں تک ہاتھوں سے
جاتا دیکھ کر
اپنے بچوں کی گمنامیوں

بزرگوں کی بیماروں،
اسکولوں، ہسپتالوں، اوطاقوں، اور مسمار ہوتے پلازاؤں پر جو خاموش ہیں
تو کیا ہم انجان ہیں
پہاڑوں اور صحراؤں کی خاموشی بے معنیٰ تو نہیں۔
ہم اپنی دھرتی، بولی اور قومی شناخت پر یکجا ہیں
اپنی تہذیبی اور ثقافتی پہچان کو اولیت دیتے ہیں
سیاست، محبت اور عشق کا مرکز دھرتی ہے
ہم وہ جنگ لڑ رہے ہیں جس میں
قومی بقا ہی اولین نقطہ ہوتی ہے۔
مذہب، مسلک اور توہمات نہیں۔
کیا کچھ سمجھ آیا۔
ابھی تو آپ نے کچھ نہیں سمجھا
آپ اور سب سن لیں
ہوش کے ناخن لے کر سمجھ لیں
ایک آزاد اور خودمختار قوم و سلطنت کے لئے
یہ نظر آنے والی ترقی
مطلب انفراسٹرکچرل ڈیویلپمنٹ صرف ایک یا دو شاید دہائیوں کی مار ہے
پر اقدار اور قومی تہذیب کی ترقی
صدیاں مانگتی ہیں
اس کے لئے پیغمبر، قومی رہنما اور لیڈر کو آنا اور قربان ہونا پڑتا ہے
تیرے شہر میں قومی قربانی کون دے گا۔
سیالکوٹ میں جو کچھ ہوا ہے
جان لو یہ اچھا نہیں ہوا
آپ پر ایک ایسے نئے دشمن نے حملہ کیا ہے
جس سے آپ پہلے کبھی نبرد آزما نہیں رہے
ہم سے پوچھیں
ہم سے سیکھیں
ہماری سنیں

شاید ایسے دشمن سے ہم نبرد آزما رہے ہوں
آپ کے لئے مشورہ ہے کہ
اگر آپ نے خود کو،
اپنی تہذیب اور نسلوں کو بچانا ہے تو
اس ان لوگوں سے بچ کر رہنا
جو دھرتی، وطن اور قوم کے بجائے
مذہب، مسلک اور توہمات کو استعمال کریں
جو گفتار کے بجائے تلوار
بولی کے بجائے گولی کا استعمال جانتے ہوں
آپ نے بڑے مالی نقصان جھیلے ہوں گے
قومی نقصان کیا ہوتا ہے آپ کو شاید پتا نہیں
اب آپ جان لیں گے
کاش کہ اب آپ جان لیں
اور اگر آپ یہ جاں لیں
کہ مذہب کے نام پر
آپ کے ساتھ کیسے اور کتنا ہاتھ ہو گیا
تو یہ آپ کے حق میں بہتر ہو گا
اب بھی وقت ہے آپ کے پاس
مگر بہت تھوڑا وقت ہے آپ کے پاس
ایک دن یا شاید صرف دو دن
میرے بھائی، فیصلہ کر لیں
سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لیں
قوموں کو آخری پناہ پہاڑ، صحرا اور جنگل دیتے ہیں
بازار، شاہراہیں اور کارخانے نہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀❀



نعت رسولؐ

ثاقب زیروی صاحب



سلام اُن پر درُود اُن پر زباں پہ آئے ہے نام جن کا
مرے تخیل کی رفعتوں سے بلند تر ہے مقام جِن کا
انہی کے فیضِ کرم سے علم و ادب کے چشمے اُبل رہے ہیں
برنگ قرآں زبانِ عالم پہ آج تک ہے کلام جِن کا
بروزِ محشر خُدا کی رحمت اُنہی پہ سایہ کرے گی آ کر
جنُوں نے بڑھ کر لکھا دیا ہے ترے شہیدوں میں نام جن کا
اُنہی کے قانون زندگی سے نظام ہیں زندگی کے قائم
بلند رُتبہ ہے بادشاہوں سے ایک ادنیٰ غلام جن کا
ہمارے دل کا پوچھنا کیا اُنہی کا قائل۔ انہی پہ مائل
نہیں ہے گرچہ جدید پھر بھی جدید تر ہے نظام جن کا
اُنہی کی مستی ہے میکدوں میں اُنہی کا چرچا ہے میکشوں میں
بلا تامل رواں ہے اب تک تمام رندوں میں جام جن کا
وہ نُور دیکھو، ظہور دیکھو، جمال دیکھو، کمال دیکھو
وہی ہیں عقبیٰ میں میرِ محفل سنا تھا دنیا میں نام جن کا
اُنہی کے پیغامِ ضوفشاں سے جہاں کی تاریکیاں چھٹیں گی
عرب کے ظلمت کدوں میں پہلے کبھی تھا گُونجا پیام جن کا
نہیں یہ جرأت تو اور کیا ہے میں اُنکی توصیف کر رہا ہوں
خُدا نے ذوق طلب میں ثاقبؔ کیا ہے خود احترام جن کا

❀❀❀❀❀

❀❀❀❀



میرے لئے وہی کافی رہا ورنہ؟

شیخ لئیق احمد

رات سونے کے لئے لیٹا تو نیند تو کیا آتی ذہن میں سامنے آگ کے اونچے روشن الاؤ کے نیچے سے انسانی پاؤں اور ارد گرد دکھڑا انسانوں کے روپ میں وحشی بھیڑیوں کا گروہ رحمت للعالمین کے نام کے نعرے لگاتا انہی کی تعلیم کو سپرد آتش کرتے گندی گالیاں نکالتا گھوم رہا تھا۔ پھر آگ کے الاؤ میں بھسم ہوتے جسم کے سامنے فخر سے سیلفی بناتا مجاہد اول تھا۔ صبح بہیمانہ قتل اور میت کی "عزت" سنتے ہی منہ سے "بیچارہ کسی جونیئر سے پھڈا کر بیٹھا ہوگا" کے الفاظ نکلے تھے۔ اب یہ آگ میری مندی آنکھوں میں دھوئیں کی صورت اختیار کرتی سینتالیس سال پیچھے لے جا ان مرغولوں کی سکرین ایسی ہی گزری یادوں کے "ٹوٹے" لا رہی تھی۔ اور یاد دلا رہی تھی کہ خدا کا فضل شامل حال رہا ورنہ......

تیس مئی چوہتر کو اپنی ریل بازار پولیس چوکی فیصل آباد کے بالکل سامنے واقع دس گھنٹہ تک شعلے اگلتی دکان کے شعلے تو نہ دیکھ سکا تھا، کوئی چار کلومیٹر دور پیپلز کالونی میں اپنے گھر کی چھت سے دور دھویں کا بگولا ہی اٹھتا سامنے آ رہا تھا۔ اور دو تین روز بعد سامنے پولیس چوکی کا تھانیدار فخریہ بتا رہا تھا کہ جناب میں نے تو بلوائیوں کو بہت کہا کہ لوٹ مار کر لو، آگ نہ لگاؤ مگر وہ باز نہ آئے۔ جبکہ موقع پر موجود میرا ملازم اسی وقت مجھے بتا چکا تھا کہ چوکی کا اکثر عملہ سادہ کپڑوں میں سامنے ٹرک اڈہ پہ کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے جب کہ تین چار باوردی چوکی کی چار دیواری سے جھانک رہے تھے ورنہ چالیس پچاس شر پسندوں کو بھگانا مشکل نہ تھا۔

سین بدل چکا تھا۔ اب میری نظروں کے سامنے کسی بیرونی قصبہ سے آیا کپڑے کا دکاندار گھوم رہا تھا، جس کے کندھے پر رکھے تین چار تھان کپڑے کے ریل بازار سے پیچھے لگا بھاگتا آیا بندہ نیو کلاتھ مارکیٹ کے چند دکانداروں سے مل چھین رہے اور چند لمحے بعد سڑک کے درمیان کپڑے کے کھلے تھان آگ کے الاؤ میں تبدیل ہو چکے تھے اور ارد گرد لڈی ڈال ایک ٹانگ پہ ناچتے نعرے لگاتے دکانداروں میں چار خانہ دھوتی پہنے لمبی داڑھی والا میرے گھر سے دوسرے گھر والا ہمسایہ سب سے نمایاں تھا۔ وہ دکاندار شدید بائیکاٹ اور پکٹنگ کے باوجود مراد کلاتھ مارکیٹ کے ایک احمدی دکاندار سے کپڑا خریدنے کی سزا خریدشدہ مال جلائے جانے کے ساتھ محض چند لاتیں گھونسے کھانے کے بعد کہیں بھاگ چکا تھا اور آگ بجھانے پولیس کا عملہ پانی کی بالٹیاں لا رہا تھا۔

پھر ذہن گھوما تو محض ایک دو ہفتے کے بعد اپنے اسی ہمسائے کے سکوٹر سے پھسلنے سے گر کر اسی اٹھی ٹانگ ٹوٹنے کی عیادت کرنے کا منظر یاد آ گیا۔ باقی تمام ہمسایوں نے خطرہ کے وقت اہل خانہ کو پناہ دینے اور حفاظت اور سامان خود اپنے گھروں میں رکھنے انسانی فریضہ ایک سے بڑھ ایک ادا کیا تھا۔

اب پچھتر کا وہ دن تھا جب صوبہ کے وزیر اعلی حنیف رامے کی موجودگی میں سرگودھا میں لوٹ مار اور آگ کی ہولی کھیلتے سارا دن دھوئیں کے بادلوں کا تماشا لگایا گیا تھا اور فیصل آباد میں بھی مسجدوں کے لاؤڈ سپیکر کھلنے کے ساتھ پھر ہم آگ اور خون اور لوٹ مار کا نشانہ بننے کو تیار ہو چکے تھے۔ کہ کلاس فیلو چوہدری اکرم آ گئے۔ پریشانی سن کر فوراً اٹھ گئے کوئی آدھ گھنٹہ بعد فون پر مجھے بتا رہے ہے کہ میں اپنے یونیورسٹی کلاس فیلو ایس ایس پی اویس مظہر کے پاس ہوں ان کے الفاظ آپ کے لئے ہیں۔ "میرا اصول ہے، پہلا واقعہ مت ہونے دو، دوسرا نہیں ہوگا" آپ اطمینان رکھیں۔ اگلے ایک گھنٹے سے پہلے مسلح پولیس کے دستوں پر گاڑیاں شہر کی سڑکوں پر گشت کر رہی تھیں اور لاؤڈ سپیکر خاموش کرائے جا چکے تھے۔

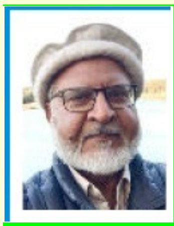
اور پھر چند ماہ بعد اسی اویس مظہر کا اے سی مس سروش سلطان کو تھپڑ جڑنے کی پاداش میں برخاست کیا جانا اخباروں کی سرخی تھا۔ اندر کی کہانی کون بتائے گا۔ فرض شناس ہونا بھی تو جرم ہوسکتا ہے۔

اسی کی دہائی ہے میری بیگم گھر کے مالی کو پورا معاوضہ ملنے کے باوجود پہلے کی طرح دیانتدارانہ اور لگن سے کام نہ کرنے سخت سست کہتی اور اپنا سامان اٹھا لے جانے کو کہتی ہے اور وہ صبح صبح آ کے دھمکیاں لگاتا ہے کہ پولیس کو رپورٹ کرنے چلا ہوں کہ انہوں نے قرآنی آیات لکھے اخبار جلائے ہیں۔ فوراً دو ہمسائے بلاتا ہوں جن کے ہاں بھی وہ کام کرتا ہے اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ کر جان چھڑواتا

ہوں۔

منظر بدلتا ہے۔ پولیس افسر بس سٹینڈ کے سامنے نئی بنی میری دس مرلہ دکان میں سامنے بیٹھا میرے دفتر میں لگے میری بیٹی کے سیکرڈ ہارٹ سکول کی عیسائی استانی کے زیرنگرانی سفید کیپسول سے سجائے قرآنی الفاظ والے انتہائی جاذب نظر 32 x فٹ فریم کے متعلق خلاف قانون اور توہین مذہب ہونے کی رپورٹ پر تفتیش کے لئے بیٹھا ہے۔ یہی خدا مجھے ہر مصیبت سے اب تک محفوظ رکھے ان الفاظ پر یقین کے پھل سے نوازتا مجھے پینتالیس مربع فٹ کی دکان کو ایک سو اسی فٹ کی کرائے کی دکان بناتے اور پھر اس کے شعلوں کی نذر ہونے کے بارہ سال بعد بس سٹینڈ کے سامنے دس مرلہ کی تین منزلہ اس دکان پہ لا بٹھا چکا ہے۔ استانی بیٹی کو ساتھ لئے بہ طغری فخر سے سٹاف روم پورے سٹاف کو دکھا کر تعریف سمیٹ چکی ہے۔ میرے ایک بزرگ کارکن سید اعجاز حسین شاہ صاحب اس افسر کو، شاید آپ کو امام بارگاہ میں دیکھا ہوا ہے، کہہ الگ لے جاتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد انہیں چائے پلا مجھ سے پانچ سو روپیہ لے جا ان کی جیب میں ڈالتے ہیں۔ اور وہ فریم کاغذ میں لپیٹ اگلے روز میرے گھر کی زینت ہو جاتا ہے۔ اور جب چند ماہ بعد محلہ مصطفےٰ آباد کا یہ شکایت کنندہ (ٹیڈی شاہ قسم کے نام سے معروف) آج کل کے مدرسہ و سیاست مشہور "تنظیم سازی" کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا جانے کی تصدیق ہوتی ہے تو سوچتا ہوں کہ کس طرح یہ خدا ہی میرے لئے اپنے کافی ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ ورنہ......

ذہن میں جاری فلم نیا سین سامنے لے آئی ہے۔ مستری طالب حسین جس نے میری دکان اور نئی کوٹھی 120 سی پیپلز کالونی کے لوہے کی جالیاں گیٹ شٹر وغیرہ بنائے تھے کا فون بتاتا ہے کہ پیپلز کالونی تھانہ میں محرر کے پاس بیٹھے تھے کہ کوئی شکایت لگا رہا ہے کہ لئیق صاحب کی کوٹھی کے گیٹ پر نام کی تختی کے اوپر وہی قرآنی آیت "کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں" اپنے عربی متن میں لکھی ہمارے مذہبی جذبات کو مجروح کر رہی ہے اور شاید کوئی چیک کرنے آجائے بہتر ہے اوپر کوئی تختی لگا دی جائے۔ لہٰذا درخواست کی کہ بھائی خود جاؤ چنانچہ چند منٹ بعد خدا تعالیٰ سے مجبوری کی معافی کی دعا مانگتے اس سطر کے اوپر ٹیپ لگا کر چھپایا جا چکا تھا۔



غزل

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔ لندن

ہوں تو انسان مگر ان سے سروکار نہیں
جو ہیں انسان پر انساں سے انہیں پیار نہیں

دین کے نام پہ کر گزریں نہ جانے کیا کیا
اُس کو پھر کہنے سے اسلام انہیں عار نہیں

ہم نے تعلیم جو پائی وہ محبّت کی تھی
ہم ہوئے اس پہ فدا اس سے تو انکار نہیں

ہم ہوئے خیرِ امم جس سے ہے وہ خیرِ رُسل
اس سے بڑھ کر کوئی رحمت مری سرکار نہیں

اُس کی آغوش میں آ کر تو سکوں ملتا ہے
اس کے دامن میں تو سب گل ہیں کوئی خار نہیں

اُس کی شفقت میں غلام آئے تو بس اس کے ہوئے
نرم تھی اُس کی نگہ ، دیدۂ خوں بار نہیں

اس کی ہر بات محبّت سے بھری ہوتی تھی
گفتگو اس کی کبھی دیکھی ، دل آزار نہیں

چند لوگوں نے ہی بدنام کیا انساں کو
سارے انسانوں سے طارق ہوئے بیزار نہیں

اب وہ صبح سامنے تھی جب ہم بائیس افراد کچہری میں عدالت کے سامنے مجرم بنے بیٹھے باری کا انتظار کر رہے تھے۔ ہم سب پر 1988 کی نماز عیدالفطر اور جمعۃ الوداع مسجد کے باہر سڑک پر ادا کرنے کا الزام تھا اور بروقت اطلاع ملنے پر اکثر ضمانت قبل از گرفتاری کرانے میں کامیاب رہے تھے اور تین چار جیل یاترا کر چکے تھے۔ سامنے سے سیف اللہ احرار آتے نظر پڑے۔ موصوف اور ان کے والد محترم مولانا عبید اللہ احرار (سربراہ جماعت احرار) جس زمانے میں ان کے بی ایم سی ٹرک تھے میرے اچھے گاہک واقف کار ساتھ چائے پیتے گپ کرتے ادھار مال بھی خریدتے، وقت پر ادائیگی کرنے والے شریف النفس انسان تھے۔

علیک سلیک پر بتایا کہ جماعت احرار کی سربراہی کرتے مدعی مقدمہ وہ ہیں۔خود بتایا کہ یار میں تو کئی ہفتے امین پور بازار گیا ہی نہیں تھا، مولانا حضرات نے پھنسا دیا۔ ہر پندرہ روز بعد تاریخ بھگتتے کوئی پونے چار سال صبح سے سہ پہر چادر بچھا کر بیٹھے کاروباری نقصان کرتے۔ جج حضرات کبھی کبھار جھلک دکھاتے، مدعی اور گواہ تسلیم کر چکے تھے کہ نماز قناتوں کے اندر ہوئی تھی اور وہ ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کے بھی اندر نمازیوں کو نہ دیکھ سکتے تھے۔سوائے دو چار بہت نزدیک سے پرانے جاننے والوں کے کسی کا نام بھی صحیح نہ بتایا تھا۔کئی ماہ سیف اللہ نظر نہ آنے کے بعد ایک دن ملے تھے تو بہت مغموم تھے بتایا کہ ان کا جوان (شاید اکلوتا) بیٹا ٹریفک حادثہ میں وفات پا چکا تھا اور اب ان کی کسی مقدمہ میں دلچسپی نہ تھی۔ کارروائی دیر ہوئی ختم تھی مگر فیصلہ نہیں سنایا جا رہا تھا۔ آخر پیغام ملا کہ فیصلہ ہو چکا مگر مولانا حضرات کے ڈر سے سنایا نہیں جا رہا۔ موجودہ جج صاحب کی ہمشیرہ کی شادی ہے۔ چنانچہ دلہن کو سلامی بھجوائی گئی اور چپ چاپ بریت کا فیصلہ ہمارے ہاتھوں تھما دیا گیا۔

اب نوے کی دہائی ہے میری دونوں بیٹیاں ایم ایس سی اور بی ایس سی کر گھر سے چند گھر چھوڑ بیکن ہاؤس سکول میں استاد ہیں۔ پرنسپل مس مرزا دفتر بلا کر بتا رہی تھیں کہ عالمی تحریک ختم نبوت کے رہنما مولانا فقیر محمد کا فون یہ دھمکی دیتے آیا کہ ان دونوں ٹیچرز کو فوراً نوکری سے نکالا جائے ورنہ سکول کے سامنے مظاہرہ اور ٹیچرز کو نقصان ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ مولانا کو تو وہ ٹھنڈا کر چکی تھیں۔ آخر جمیل الدین عالی کی بیٹی ہیں مگر آپ لوگ آتے جاتے دھیان رکھیں۔ یہی مولانا فقیر محمد میری اسی کوٹھی کی تعمیر کے آخری مرحلے میں سوئی گیس کنکشن کا ڈیمانڈ نوٹ جاری ہونے پہ میرے ملازم سید اعجاز حسین شاہ کو اپنی دکان کے سامنے گزرتے پائپ فٹنگ کا تخمینہ اور کام دینے کی درخواست کر چکے تھے۔

اور اب دھوئیں کے مرغولوں کی بنی سکرین پر دو کردار اور ابھر آئے تھے۔ سول جج صبح صادق (کاش شب دیجور نام ہوتا) جن کے فراڈ پراپرٹی ڈیلرز، اور فراڈ وکیلوں کے گروہ نے کئی جائیدادیں جعلی ڈگریوں کے ذریعہ منتقل کر ڈالی تھیں اور یکم مارچ ستانوے کو شہزاد ٹاؤن میں اپنے ایک کنال کے پلاٹ پر مکان بناتا دیکھ کر میں "نو موران پاکستان" کا نعرہ لگا آیا تھا اور دوسرے لاہور کے وہ "نیک نام" ہول سیل آٹو پارٹس ڈیلر جو ایڈوانس رقم لینے کے باوجود محض دس بارہ ہزار مزید منافع کے لالچ میں مال بھیجنے سے انکاری ہو چکے تھے اور میری خاصی تلخ کلامی پر مجھے سٹور میں بٹھا ایمرجنسی پولیس کو مجھ پر توہین رسالت کے الزام میں دھر کر سواد چکھانے کی دھمکی دے چکے تھے مگر اپنے ملازمین کے سمجھانے پر وہ مجھے چھوڑ اور میں وہ سودا چھوڑ ملک ہی چھوڑنے کے ارادے کو حتمی کر چکا تھا۔

اور تب اواخر اکتوبر سینتالیس میں واہگہ بارڈر کراس کر پاکستان کی حدود میں داخل ہوتے ایک آنے کے چھ ہرے کھٹے سنگترے خرید کر کھاتے اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگانے والا چھ سالہ لئیق احمد انیس دسمبر 2001 کی شام سب کچھ اونے پونے بیچ باچ، چھوڑ چھاڑ ایک مرتبہ پھر بیوی بچوں کے ہمراہ مہاجر بنا ٹورونٹو ائرپورٹ پر اترتے خدائے ذوالجلال کے حضور شکرانہ ادا کر رہا تھا۔

بیس برس گزر چکے اور آج آگ کے الاؤ کے کونے سے دکھائی دیتا غریب الوطن پاؤں اور ڈنڈے پڑتے ٹوٹتی بھیجا اگلتی کھوپڑی دیکھ کر مجھے قیام پاکستان کے قبل کے انتہائی بچپن میں سنے نعرے۔ پاکستان نہیں پلیدستان، پاکی استھان۔ پ بھی نہیں بننے دیں گے، کافر اعظم، قسم کے نعرے دھاڑتے پاکستان مخالف لیڈروں اسی پاکستان کی گردن پر پنجہ گاڑ چکی نظر آتی ہیں وہیں ایک مرد خدا کے فقرہ "دو تین فیصد (اب تو تناسب شاید دس گنا ہو چکا) شر پسندوں کے ہاتھوں ستانوے فیصد شرفا یرغمال ہو جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اویس مظہر کا فقرہ" پہلا واقعہ مت ہونے دو، دوسرا نہیں ہوگا" کی آواز گونجتی ہے۔تب خیال آتا ہے اگر تر یپن کے فرقہ وارانہ فساد کے مجرموں اور سیاسی اغراض کے لئے ان پاکستان دشمن گروہوں کو ہلا شیری کرنے سرکاری فنڈ دینے والے (جسٹس منیر انکوائری رپورٹ) کو قرار واقعی عبرتناک سزا دے دی جاتی تو آج یہ عفریت نفرت کی آگ اگلتے ملک نہ اجاڑ رہا ہوتا۔ اگر تین چار برس قبل ڈیڑھ پونے دو سو سال پرانی یادگار مسجد شیخ حسام الدین سیالکوٹ (میں سکول دور میں یہاں نمازیں ادا کرتا رہا ہوں) کو شہید کرتے ہاتھ روکے جاتے اور نشانہ عبرت بنا دیے جاتے تو آج مجھے آگ کے الاؤ کے آگے فخریہ سیلفی لیتا درندہ اور الاؤ کے نیچے سے باہر نکلا پاؤں نظر نہ آتا۔ اور بیرون ملک پاکستانی آنکھیں چراتے گردن جھکا چلنے پہ مجبور نہ ہوتے۔

❀❀❀❀



حاصلِ مطالعہ

مرسلہ: طارق مرزا

ڈاکٹرعبدالسلام کو پاکستانی قوم سے بچھڑے ربع صدی بھی گزر گئی

عالمی شہرت یافتہ پاکستانی سائینسدان ڈاکٹرمحمد عبدالسلام کو دنیا سے گزرے ربع صدی بھی ہونے کو آ گئی۔

21 نومبر 1996 ان کا یوم وفات تھا۔اس حوالہ سے اخبارات ورسائل میں شائع ہونے والی چند منتخب تحریرات قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں۔غنیمت ہے کہ 22 کروڑ کی آبادی پر مشتمل پاکستانی قوم میں چند مخلص ایسے تو ہیں جنہوں نے جرآت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی یاد کو قرطاس پر منتقل ہی نہیں کیا،شائع بھی کروایا۔

عقیل عباس جعفری صاحب کی مندرجہ ذیل تحریرآن لائن جریدہ" آوازہ" میں 21 نومبر 2021 کو شائع ہوئی:

"اکیس نومبر: آج نوبیل انعام یافتہ سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کا یوم وفات ہے"

"نوبیل انعام یافتہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹرعبدالسلام 29 جنوری 1926 کو موضع سنتوک داس ضلع ساہیوال میں پیدا ہوئے تھے۔جھنگ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم ایس سی کیا۔

ایم ایس سی میں اول آنے پر انہیں کیمبرج یونیورسٹی نے اعلیٰ تعلیم نے اسکالرشپ مل گیا چنانچہ 1946ء میں وہ کیمبرج چلے گئے جہاں سے انہوں نے نظری طبعیات میں پی ایچ ڈی کیا۔1951ء میں وہ وطن واپس آئے اور پہلے گورنمنٹ کالج لاہور اور پھر پنجاب یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔1954ء میں وہ دوبارہ انگلستان چلے گئے وہاں بھی وہ تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے۔1964ء میں ڈاکٹر صاحب نے اٹلی کے شہر ٹریسٹ میں انٹرنیشنل سینٹر برائے نظری طبعیات کی بنیاد ڈالی۔1979ء میں انہیں طبعیات کا نوبیل انعام عطا کیا گیا۔وہ یہ اعزاز حاصل کرنے والے پہلے پاکستانی تھے۔حکومت پاکستان نے انہیں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی، ستارہ امتیاز اور نشان امتیاز کے اعزازات عطا کئے تھے۔انہیں دنیا کی 36 یونیورسٹیوں نے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں عطا کی تھیں اس کے علاوہ انہیں 22 ممالک نے اپنے اعلیٰ اعزازات سے نوازا تھا،جن میں اردن کا نشان استقلال، وینزویلا کا نشان اندرے بیلو، اٹلی کا نشان میرٹ، ہاپکنز پرائز، ایڈمز پرائز، میکسویل میڈل، ایٹم پرائز برائے امن، گتھیری میڈل، آئن اسٹائن میڈل اور لومن سوف میڈل سرفہرست ہیں۔

ڈاکٹرعبدالسلام نے نظری طبعیات اور تیسری دنیا کی تعلیمی اور سائنسی مسائل کے حوالے سے 300 سے زیادہ مقالات تحریر کئے جن میں سے چند کتابی مجموعوں کی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔21 نومبر 1996ء کو ڈاکٹر عبدالسلام لندن میں انتقال کر گئے۔وہ ربوہ میں آسودہ خاک ہیں۔

https://www.aawaza.com/aqeel-abass-jafree/17650/2021/

"اکیس نومبر، یوم وفات ڈاکٹر عبدالسلام"

جنیدش،عباس صاحب کی یہ تحریر آن لائن جریدہ" ہم سب" کی اشاعت مؤرخہ 21 نومبر 2021 میں ویب کی زینت بنی۔آپ لکھتے ہیں:

" اول پاکیرجین العابدین عبدالکلام (ابوالفقیر زین العابدین عبدالکلام) بھارت کے انتہائی جنوب میں تکونی سرے پر واقع رامیشورم میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے پانچ بہن بھائیوں مین سب سے چھوٹے تھے۔ان کے والد ایک معمولی ملاح،سمندر پہ پل بن جانے کی وجہ سے جن کا کاروبار تیزی سے ڈوب رہا تھا،اور امام مسجد تھے۔خاندانی رئیس الکلام کی آبائی شان وشوکت کے محض آثار ہی باقی رہ گئے تھے اور ان کو گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹانے کے لیے انتہائی نوعمری میں اخبارات بیچنے پڑے۔نوجوان عبدالکلام نے ہمت نہیں

ہاری اور بدقت تمام اپنی تعلیم مکمل کرتے رہے۔

جنگی پائلٹ بننے کے جنون کی حد تک شوقین عبدالکلام، معمولی فرق کی وجہ سے پائلٹ نہیں بن سکے کیونکہ میرٹ لسٹ میں ان کا نواں نمبر تھا جب کے آسامیاں صرف آٹھ تھیں۔ کچھ ہی وقت کے بعد انہوں نے بھارت کے چوٹی کے خفیہ دفاعی ادارے ڈی آر ڈی ایس میں شمولیت کے لیے انٹرویو میں بتایا کہ اس واقعے کے بعد وہ ٹوٹ پھوٹ کہ رہ گئے تھے۔

یہی عبدالکلام آگے چل کہ جمہوریہ بھارت کے صدر بننے والے تھے۔ امام مسجد کے اس اخبار فروش بیٹے نے بھارت کی دفاعی صلاحیت کو ناقابل تسخیر بنانا تھا۔ وہ بھارت کی بیلسٹک میزائل ٹیکنالوجی، خلائی ٹیکنالوجی اور ایٹمی ہتھیاروں کی ٹیکنالوجی جیسے حساس ترین اداروں کے سربراہ بھی رہے۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں بھارت کے اعلیٰ ترین اعزاز بھارت رتن سے نوازا گیا۔

وہ ایک انتہائی مذہبی مسلمان تھے جو عبادات کی سختی سے پابندی کیا کرتے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان میں یہ مذہبی روح ان کے امام مسجد والد نے پھونکی تھی جو اپنی اولاد کو مذہب پر عمل پیرا دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن آج کا ہمارا موضوع بحث عبدالکلام نہیں بلکہ ان کے نام کے ہم صوت عبدالسلام ہیں۔ عبدالکلام اور عبدالسلام میں نام کی مماثلت محض اتفاقی ہے۔ اہم بات ان کی زندگیوں کا تضاد ہے۔ اور خاص طور پر ان کا انجام۔

اکیس نومبر نوبل انعام یافتہ واحد پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کا یوم وفات بھی ہے۔ ان کی زندگیوں پہ نظر دوڑائی جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ مذہب نے ان کی زندگیوں میں کتنا اہم کردار ادا کیا تھا۔ دونوں اپنے اپنے ممالک میں اقلیتی مذاہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن یہ قابل غور ہے کہ دونوں ممالک نے ان مشاہیر کے کیا سلوک کیا۔

ہیر رانجھا کے شہر، جھنگ کے سرکاری سکول استاد، چوہدری 'محمد حسین' کے گھر پیدا ہونے والے عبدالسلام ماہر طبیعات تھے۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج (یونیورسٹی) لاہور سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہیں پہ طبیعات اور ریاضی پڑھانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ طبیعات اور ریاضی کے طلباء میں تحقیق اور ایجاد کا مادہ پیدا کرنا چاہتے تھے چنانچہ انہیں کالج کی فٹ بال ٹیم کا کوچ بنا دیا گیا کیونکہ سربراہ ادارہ کی تحریر کردہ رپورٹ کے مطابق وہ ایک اچھے استاد نہیں تھے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے البرٹ آئن سٹائن کے ڈاکٹریٹ کی بنیاد پہ نوکری کی درخواست کو یونیورسٹی آف برن نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ ان کی تھیوری آف ریلیٹوٹی حقیقی سائنس سے زیادہ 'فنکاری' لگتی ہے۔

اس سے دلبرداشتہ ہو کر عبدالسلام یورپ چلے گئے جس سے آگے کی ساری کہانی دنیا جانتی ہے۔ آج کی اس تحریر کا مقصد عبدالسلام کی کامیابیوں پہ روشنی ڈالنا بھی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اس رویے کی نشاندہی کرنا ہے جس کا شکار عبدالسلام ہوئے۔

"میں پاکستانی تھا اور ہمیشہ پاکستانی رہوں گا۔ میں سوچتا ہوں کہ کیا کبھی میرے (پاکستانی) لوگ بھی مجھے اپنائیں گے؟ پوری دنیا کے لوگ میری تکریم کرتے ہیں مگر کیا کبھی گورنمنٹ کالج کے طالب علم بھی میرے نوبل انعام کی نقل لینے آئیں گے؟" میں دیکھ سکتا تھا کہ یہ فقرے بولتے ہوئے اپنی عمر کے کل سالوں سے بھی زیادہ بین الاقوامی اعزازات حاصل کرنے والے 60 سالہ عبدالسلام کی شرارتی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ ان کی تقریباً سفید ہو چکی داڑھی اور دبیز شیشوں والی عینک بھی اسے چھپا نہیں پائی۔

ایک طرف جہاں عبدالکلام کی ترقی میں اقلیتی مذہب کبھی بھی رکاوٹ نہیں بنا وہیں دوسری طرف ہم نے بیک جنبش قلم عبدالسلام کے فرقے کو مذہب سے خارج قرار دے کر ان پر قومیت کے دروازے بند کر دیے۔ ایسا اس لیے ہوا کیونکہ ریاست نے لوگوں کے مذہب کا خود اختیاری بیڑا اٹھا لیا۔ ایسا کرتے ہوئے ہم بھول گئے کہ اس فرقے کے لوگوں کا ریاست کے لیے کیا کردار رہا تھا۔

چونکہ ریاست نے مذہب اور قومیت کو دوقومی نظریے کے زیر سایہ گڈ مڈ کر دیا اس لیے، بدقسمتی سے، ہمیں مطالعہ پاکستان کی کسی کتاب نے نہیں بتایا کہ سر ظفر اللہ خان کا تعلق بھی اسی فرقے سے تھا جو عالمی عدالت انصاف میں پاکستان کی نمائندگی کرنے والے پہلے جج تھے۔ ان کے فرقے کے خلاف نعرے بازی کرنے والی اکثریت کو شاید ہی یہ پتا بھی ہو گا کہ عالمی عدالت انصاف میں کسی ملک کی نمائندگی کرنے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

ہم شاید میجر جنرل اختر حسین ملک، جو میجر جنرل عبدالعلیٰ ملک کے بھائی تھے کے بارے میں بھی نہیں جانتے جو کشمیر کی آزادی کے لیے کیے جانے والے خفیہ آپریشن 'جبرالٹر' کے سربراہ تھے۔

عبدالسلام کا انتقال 1995 میں آکسفورڈ میں ہوا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی باقیات کو ان کی سرزمین، پاکستان میں دفن کیا جائے لیکن بھلا ہو ہمارے محافظ دین ہونے کا، ہم نے ان کی باقیات کو پاکستان آنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ شاید اس سے بھی ہمارے اکثریتی دین کو خطرہ تھا۔ دوسری طرف عبدالکلام کی موت پر فوج کے تینوں شعبوں کے سربراہان، وزیراعظم، صدر اور نائب صدر نے ان کے تابوت کا استقبال کیا اور انہیں مکمل سرکاری اعزازت کے ساتھ دفن کیا گیا۔

میں آج تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ریاست کو مذہبی اجارہ داری کس نے دی؟ مذہب ایک انتہائی ذاتی معاملہ ہے اور کسی بھی دوسری طاقت کو اس بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوسکتا۔ مصیبت کی ابتداء تب ہوئی جب ریاست، مذہب کی محافظ بھی بن گئی اور مذہب ریاست کو نظریاتی تحفظ فراہم کرنے لگا تو ریاستی قوانین نے لوگوں کے عقائد کا فیصلہ بھی کرنا شروع کر دیا۔ ایسا اس لیے ہوا کیونکہ ریاستی اداروں کے مفادات اور ریاست کی اپنی جڑیں مذہب میں پیوست تھیں چنانچہ ریاست اور مذہبی ذہنیت نے باہم گھ جوڑ سے قوم کے اجتماعی شعور کو یرغمال بنالیا۔

سنجیدگی برطرف، بازار میں سے گزرتے ہوئے میں دیکھتا ہوں کہ کئی دکانوں کے باہر ایک اشتہار چسپاں ہوتا ہے، "قادیانی پہلے اسلام میں داخل ہوں پھر اس دکان میں داخل ہوں۔" میں سٹپٹا کر رہ جاتا ہوں کہ گاہک کے مذہب کا بھلا خریداری سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ چند دن پہلے ایک بھلا آدمی اپنے کاغذات کی تصدیق کے لیے ایک اعلیٰ افسر کے پاس آیا، تو اسے بتایا گیا کہ قادیانی ہونے کی وجہ سے اس کے کاغذات کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

میں قومی یادگاروں اور عمارتوں کو مذہب کی بنیاد پر اپنی صدیوں پرانی شناخت بدلتے دیکھ کر ڈر جاتا ہوں کہ یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا؟ سرگنگا رام ہسپتال لاہور کے پاس سے گزرتے ہوئے میں سوچتا ہوں کہ جانے کس دن ان سے موسوم ہسپتال بھی اپنی شناخت بدل لے۔ مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ اگر ان عمارتوں نے ریاست کا پسندیدہ مذہب نہ قبول کیا تو شاید اگلی آئینی ترمیم ان عمارتوں کو بھی پاکستان سے خارج کر دے اور عبدالسلام کی طرح ان کی باقیات کو بھی پاکستان کی مٹی نصیب نہ ہو۔ کون جانے کس دن؟"۔

https://www.humsub.com.pk/430722/junaid-s-abbas/

"اب ہم کہیں کے نہیں رہے"

مؤرخہ 22 نمبر 2021 کو آن لائن آن لائن جریدہ "ہم سب" میں ہی شاہد وفا صاحب کی ایک دردانگیز تحریر بھی شائع ہوئی جو ہدیہ قارئین ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

"نوبل پرائز کا نام پہلی بار سکول میں سنا۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ ایوارڈ صرف اس کو ملتا ہے جو بہت لائق ہو اور بڑے بڑے کام کرتا ہو۔ ساتھ ہی دنیا میں اس ایوارڈ کو حاصل کرنے والے نمایاں افراد اور ان کے ممالک کے نام لیے گئے۔ بہت سے ملکوں کا ذکر ہوا سوائے اپنے وطن پاکستان کے۔ سوچنے کی بیماری بچپن سے ہے سو اسی وقت سوچا کہ کسی پاکستانی کا نام کیوں نہیں لیا گیا۔ کلاس میں سوالات کرنے کا رواج ہی نہیں تھا لہذا چھٹی کے بعد میں یہ سوال ذہن میں لیے گھر آ گیا۔

آ کر بڑے اشتیاق سے پوچھا، کیا پاکستان سے کبھی کسی نے نوبل پرائز جیتا ہے؟ جواب ملا ہاں۔ میں خوشی سے اچھل پڑا اور پوچھا کس نے؟ جواب ملا ڈاکٹر عبدالسلام نے۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ اور پوچھتا "لیکن" کہہ کر فوراً ایک جملے کا اضافہ کیا گیا۔ "وہ قادیانی تھا"۔

پوچھا قادیانی کیا ہوتا ہے؟ جواب ملا۔ بس ہوتا ہے۔ "چلو اب بھاگو یہاں سے۔ سوال بہت پوچھتے ہو تم"۔ اس ادھوری گفتگو سے مجھ پر دو باتیں کھلیں۔ ایک تو یہ کہ ایک پاکستانی بھی نوبل انعام جیت چکا ہے اور دوسری یہ کہ وہ ضرور کوئی ایسا کام بھی کرتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے۔

اس کے بعد زندگی میں کئی مرتبہ گھر سکول کالج یونیورسٹی اور پھر پیشہ وارانہ زندگی میں ڈاکٹر عبدالسلام کے نوبل پرائز کا ذکر ہوا اور جب بھی ہوا ساتھ ہی کہا گیا "لیکن وہ قادیانی تھا"۔ شعور کی منزلیں طے کرتے کرتے مجھے اپنے بچپن

کے سوال "قادیانی کیا ہوتا ہے" کا جواب بھی مل گیا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فزکس کے شعبے میں نوبل انعام یافتہ ہونے کے باوجود ڈاکٹر عبدالسلام کو ان کی قوم نے وہ مقام جس کے وہ مستحق تھے صرف اس لیے نہیں دیا کہ وہ ایک قادیانی تھے۔

یہ جاننے کے بعد ذہن میں اس حوالے سے ہمیشہ ایک آخری خیال ضرور آیا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل انعام فزکس میں تحقیق کرنے پر ملا تھا یا قادیانی ہونے پر؟ اس سوال کا جواب آج تک نہیں مل سکا۔

اگر تو ڈاکٹر عبدالسلام نے قادیانیت کے پرچار پر قادیانیت کا نوبل انعام پایا ہوتا تو مجھ سمیت قادیانیت کو تسلیم نہ کرنے والے ہر فرد کو ان سے لاتعلقی کے اظہار کا پورا حق تھا۔ لیکن انعام ملے ان کو طبعیات میں ایک عظیم کارنامے پر اور لوگ حتیٰ کہ فزکس کے طلبہ بھی ان کی تھیوریز پر غور کرنے کی بجائے توجہ فرمائیں ان کے قادیانی ہونے پر۔ کیا کمال لوگ ہیں ہم۔

اب آتے ہیں پاکستان کے دوسرے نوبل انعام ونر کی جانب۔ اس کا نام ملالہ ہے۔ اب اس کے بارے میں ہونے والی عمومی گفتگو پڑھیے۔

"یار ملالہ نے کمال کر دیا۔ صرف سترہ برس کی عمر میں امن کا نوبل انعام جیت لیا ہے۔ پاکستان کے لیے کتنے اعزاز کی بات ہے" جواب۔ "وہ تو مغرب کی ایجنٹ ہے بھائی۔ دنیا بھر میں پاکستان کو بدنام کرتی پھر رہی ہے اور تم اعزاز کی بات کر رہے ہو"۔

سوچیں یہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ سوال بنتا ہے کہ دھماکے تو طالبان کرتے تھے اور ملک کو بدنام کیا ملالہ نے؟ یہ کیسی غیر ملکی ایجنٹ ہے جو صرف اپنی ہم عمر بچیوں کی تعلیم کی بات کرتی تھی۔ اور یہ کیسے غیر ملکی پشت پناہ تھے جو شرح خواندگی کے لحاظ سے ابھی تک پسماندہ ملک میں تعلیم کے فروغ کے لیے ایک لڑکی کا ساتھ دے رہے تھے؟

جواب ملتا ہے کہ "ملالہ نے ملک کو بدنام اس طرح کیا کہ وہ جو تقریریں کرتی یا لکھتی تھی اس سے ساری دنیا کو پتہ لگ گیا کہ ہمارے ملک میں کیسے کیسے مسائل اور برائیاں ہیں"۔

یعنی طالبان کے دھماکوں کی گونج، ان میں جان سے جانے والوں کی آخری چیخیں، بچ جانے والوں کی سسکیاں اور بچیوں کے سکولوں سے اٹھنے والے شعلے اتنے مدھم تھے کہ اگر ملالہ آواز نہ اٹھاتی تو دنیا کو معلوم ہی نہ ہو پاتا کہ ہمارا ملک کس طرح دہشت گردوں کے شکنجے میں جکڑا جا چکا تھا۔

سوال یہ بھی ہے کہ بعد میں جب ہمارے سیکیورٹی اداروں نے جانوں کے ان گنت نذرانے پیش کر کے ان دہشت گردوں کا خاتمہ کیا تو پھر انہی دہشت گردوں کے خلاف پہلے آواز اٹھانے والی ملالہ غیر ملکی ایجنٹ کیسے ہو گئی۔ اس سوال کا جواب کوئی نہیں دیتا۔

دنیا کا ہر ملک اپنی قابل شخصیات، اپنے ہیروز کی قدر کرتا ہے۔ سوائے ہمارے۔

یہ صورتحال صرف ڈاکٹر عبدالسلام یا ملالہ تک محدود نہیں ہے۔ ہمارے احمقانہ رویوں نے جانے کتنے ہی روشن دماغوں کو در بدر ہونے پر مجبور کیا اور کتنے ہی بیدار ذہنوں کی روشنی کو پھیلنے سے پہلے ہی بجھا دیا۔ دراصل ہمارے ملک میں ایک ان دیکھا ان مٹ دائرہ کھنچا ہے۔ جو فرد تمام منظور شدہ آداب پر عمل پیرا رہتے ہوئے اس دائرے کے اندر رہتے رہتے کوئی کارنامہ سرانجام دے جائے صرف وہی ہمارا ہیرو ہے۔ جو اس دائرے کے بھدے پن کو اجاگر کر کے اسے ختم کرنے کی کوشش کرے، یا آزاد اور جدید دنیا کے خیالات کو اس دائرے کے اندر متعارف کرانے کی سعی کرنے لگے یا پھر اپنی زندگی کو صرف اپنے انداز میں جینے کا عادی ہو وہ اپنے شعبے میں جتنا بھی عظیم ہو جائے ہمارے لیے وہ راندہ درگاہ ہی رہتا ہے۔

قوم کے سر پر جو فولادی خود ابتدا میں ہی پہنا دیا گیا تھا اس نے لوگوں کے ذہن کی نشوونما کو روک کر اس سطح تک محدود کر دیا ہے جہاں انہیں ہر نیا خیال ہر اختلافی رائے اور ہر بیدار مغز انسان جھوٹ اور سازش کی پیداوار نظر آتا ہے۔

اس ملک میں حقیقی انٹلیکچول اب چند ایک ہی رہ گئے ہیں اور وہ بھی کسی فیصلہ یا ذہن ساز پوزیشن پر نہیں ہیں۔ ہر نئے آنے والے دن کسی نا کسی بڑی جگہ پر چھوٹے سے چھوٹا شخص فائز ہوتا ہے اور نوجوانوں کے لیے رول ماڈل کی سطح مزید نیچے چلی جاتی ہے۔ اس سارے پراسس کا حتمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم فکری طور پر بانجھ اور عملی طور پر ناکارہ ہونے کے بعد اب کہیں کے نہیں

رہے۔‘‘

https://www.humsub.com.pk/430813/shahid-wafa-25/

’’ان کی خدمات یاد کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی قومی دن ضرور ہونا چاہئے‘‘

گزشتہ برس پاکستان کے قابلِ فخر سپوت ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے یوم وفات کے حوالہ سے "ایم ایم نیوز" ٹی وی چینل نے اپنی ویب سائٹ پر لکھا:

"مذہبی بنیادوں پر ڈاکٹر عبدالسلام کو پاکستان میں وہ اہمیت کبھی نہیں دی گئی جو دیگر سائنسدانوں کو دی جاتی ہے جس کی وجہ بعض میڈیا رپورٹس کے مطابق مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی بھی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آج ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں نئی نسل اتنا بھی نہیں جانتی جتنا کہ ڈاکٹر پرویز ہود بھائی یا ڈاکٹر عبدالقدیر کے بارے میں جانتی ہے، حالانکہ سائنس و ٹیکنالوجی کے ماہرین کے مطابق ڈاکٹر عبدالسلام کی اہمیت دیگر سائنسدانوں سے زیادہ ہے۔

عالمی سینٹر کیلئے جدوجہد اور عزم و ہمت جب ڈاکٹر عبدالسلام عالمی سینٹر برائے نظریاتی فزکس بنانے کیلئے نکلے تو مغربی ممالک نے تعاون سے انکار کر دیا۔ پھر بھی ان کا عزم و حوصلہ کم نہ ہو سکا۔

سینٹر بنانے کا مقصد یہ تھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی طرح دیگر سائنسدانوں اور محققین کو طبیعیات پر کام کیلئے ملک نہ چھوڑنا پڑے۔ 3 ماہ کیلئے یہاں محققین اور سائنسدان آتے ہیں، اپنا کام کرتے ہیں اور وطن واپس چلے جاتے ہیں۔ آج بھی یہ سینٹر ڈاکٹر عبدالسلام کے نام سے قائم ہے۔

جو نہیں ہوا اور جو ہو سکتا تھا

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کے نام پر پاکستان میں کوئی قومی دن، کوئی سڑک یا کوئی شہر منسوب نہیں ہے جبکہ ان کی ملک کیلئے خدمات دیگر سائنسدانوں سے کہیں بڑی اور اہم ہیں۔

مثال کے طور پر ڈاکٹر عبدالسلام سن 1960ء میں پاکستان میں مشیرِ سائنس رہے اور ملک میں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کیلئے اہم کردار ادا کیا۔ سن 1974ء میں وہ اس عہدے سے الگ ہو گئے۔

زراعتی و نظریاتی طبیعیات پر مہارت رکھنے والے ڈاکٹر عبدالسلام پاکستانی خلائی ادارے (اسپارکو) کے اولین بانیوں میں سے ایک ہیں جو آج کل وفاقی وزیرِ سائنس و ٹیکنالوجی فواد چوہدری کے مطابق پاکستانیوں کو چاند پر بھیج سکتا ہے۔

انسٹیٹیوٹ آف نیوکلیئر سائنس و ٹیکنالوجی جو پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں قائم ہوا، اس کی بنیاد ڈاکٹر عبدالسلام نے رکھی تھی۔ سن 1998ء میں جب پاکستان ایٹمی قوت بنا اور ایٹمی بم دھماکوں کا کامیاب تجربہ ہوا تو ڈاکٹر عبدالسلام کی خدمات کی تعریف کیلئے ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ بھی جاری کیا گیا تھا۔

پھر بھی ان کی خدمات یاد کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی قومی دن ضرور ہونا چاہئے

https://mmnews.tv/urdu/dr-abdul-salam-24th-death-anniversary

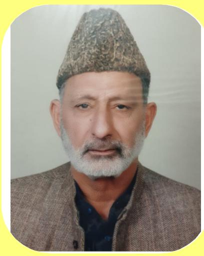
❁❁❁❁

لمبی عمر پانے کا نسخہ

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’دوسروں کے لیے دعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ (ترجمہ) اور جو چیز لوگوں کو نفع دینے والی ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے (الرعد:۱۸) اور دوسری قسم کی ہمدردیاں چونکہ محدود ہیں اس لیے خصوصیت کے ساتھ جو خیر جاری قرار دی جا سکتی ہے وہ یہی دعا کی خیر جاری ہے۔ جب کہ خیر کا نفع کثرت سے ہے تو اس آیت کا فائدہ ہم سب سے زیادہ دعا کے ساتھ اُٹھا سکتے ہیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ جو دنیا میں خیر کا موجب ہوتا ہے اس کی عمر دراز ہوتی ہے اور جو شر کا موجب ہوتا ہے وہ جلدی اُٹھا لیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں شیر سنگھ چڑیوں کو زندہ پکڑ کر آگ پر رکھا کرتا تھا۔ وہ دو برس کے اندر ہی مارا گیا۔ پس انسان کو لازم ہے کہ وہ خَیۡرُ النَّاسِ مَنۡ یَّنۡفَعُ النَّاسَ بننے کے واسطے سوچتا رہے اور مطالعہ کرتا رہے۔ جیسے طبابت میں حیلہ کام آتا ہے۔ اس طرح نفع رسانی اور خیر میں بھی حیلہ ہی کام دیتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اس تاک اور فکر میں لگا رہے کہ کس راہ سے دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 353)



محترم انجینئر منیر احمد فرخ صاحب سابق امیر ضلع اسلام آباد

(انجینئر محمود مجیب اصغر)



کل نفس ذائقة الموت ثم الینا ترجعون

(29العنکبوت آیت 58)

ہر نفس موت کا مزا چکھے گا اور پھر ہماری طرف واپس کئے جاؤ گے

حضرت خلیفة المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 19 مارچ 2021ء میں محترم انجینئر منیر احمد فرخ صاحب سابق امیر ضلع اسلام کا خاندانی تعارف اور خدمات کا اجمالی جائزہ پیش فرما کر نماز جنازہ غائب پڑھائی

انجینئر منیر احمد فرخ صاحب کی عملی زندگی کا بیشتر حصہ اسلام آباد (پاکستان) میں گزرا وہ سنٹرل گورنمنٹ کے محکمہ ٹیلیفون اور ٹیلیگراف (TT ڈیپارٹمنٹ) میں افسر تھے۔جو اب PTCL کہلاتا ہے۔

اپنی پروفیشنل ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ کو مقدور بھر خدمت دین کی توفیق ملی اور آپ خلیفہ وقت کی خوشنودی حاصل کرتے رہے آپ احمدیت کی صداقت کا ایک نشان تھے تمام تر اعلیٰ سطح کی مخالفتوں کے باوجود خدمت دین اور خلافت احمدیہ کی برکت اور دعاؤں سے آپ ترقی پر ترقی کرتے چلے گئے اپنے محکمہ میں ڈائریکٹر جنرل تک پہنچ کر باعزت ریٹائر ہوئے اور جماعت میں ذیلی تنظیموں کی قیادت سے پاکستان کے فیڈرل کیپیٹل اسلام آباد کے امیر ضلع کے عہدے تک پہنچے اور انتخاب خلافت خامسہ کمیٹی میں شامل ہوئے۔

اس عاجز کا تعارف اور تعلق آپ سے 1979ء میں ہوا جب NESPAK نے اس عاجز کو منسٹری آف واٹر اینڈ پاور اسلام آباد میں deputation پر بھیج دیا جہاں ایڈیشنل سیکریٹری واٹر کے ماتحت اس عاجز کو اوورسیز پراجیکٹس کوآرڈینیشن سیل کا انچارج بنا دیا گیا۔

اتفاق سے اس عاجز کی رہائش سیکٹر F-6/1 میں تھی جہاں محترم فرخ صاحب رہ رہے تھے آپ کا گھر نماز سنٹر بھی تھا جہاں ہم مغرب کی نماز با جماعت ادا کرتے تھے۔

1979ء سے لے کر آپ کی وفات تک اس عاجز کا آپ سے قریبی رابطہ رہا حتی کہ ان کے کینیڈا اشفٹ ہونے کے بعد بھی ان سے رابطہ رہا اور ان سے آخری ملاقات ستمبر 2019ء میں Abode of Peace Building ٹورانٹو کینیڈا میں ہوئی جب آپ کافی بیمار تھے۔

اس مضمون میں یہ عاجز آپ کی زندگی کے چند پہلو بیان کرنا چاہتا ہے وما توفیقی الا باللہ

آپ کا تعلق جماعت احمدیہ کے ابتدائی خاندانوں سے تھا آپ کے والد مرحوم فضل عمر ریسرچ کے ڈائریکٹر رہ چکے تھے اور خلافت سے آپ کا گہرا تعلق تھا چنانچہ 1980ء میں جب ترجمانی کے نظام کی ٹیم کے poineer members انجینئر ملک لال خان صاحب، انجینئر منیر احمد فرخ صاحب اور انجینئر ایوب ظہیر صاحب کی اسلام اباد میں حضرت خلیفة المسیح الثالث سے ملاقات ہوئی تو حضور نے آپ کے ایک ایک بھائی اور بہن کا نام لے کر ان سے پوچھا۔آپ دعاؤں کے بہت قائل تھے بتایا کرتے تھے کہ انجینئر نگ کی تعلیم کے دوران جب کہ exemption rules نہیں تھے آپ کا ایک پیپر بہت خراب ہوا کئی out of course سوال تھے اور انہوں نے اتنے نمبر کا پیپر attempt ہی نہیں کیا تھا کہ پاس ہو سکتے آپ کی والدہ صاحبہ ان کو لاہور سے ربوہ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی (صحابی مسیح موعود) کے پاس دعا کروانے لے گئیں راجیکی صاحب نے ماں بیٹے کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور فرمایا پاس ہو جائے گا فرخ صاحب حیران تھے یہ کیسے ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دکھایا کہ ساری کلاس کو 15 گریس مارکس مل گئے اور فرخ صاحب پاس ہو گئے جب آپ سے اس عاجز کا تعلق ہوا آپ کے والد صاحب فوت ہو چکے تھے اور آپ کی والدہ صاحبہ آپ کے پاس تھیں آپ کو ان کی خدمت کی بہت توفیق ملی۔

آپ کے اندر لیڈر شپ کوالٹی بہت تھی خود کام کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے لیکن دوسروں کو ساتھ لے کر چلنا اصل خوبی ہے جو آپ کے اندر بے انتہا تھی جب ترجمانی کا نظام ڈیزائن ہو رہا تھا تو تین افراد پر یہ ٹیم شامل تھی لیکن آپ کی قائدانہ صلاحیت نے لا تعداد خدام کو کھینچا اور اسلام آباد سے لاہور اور کراچی تک کئی انجینئر اور ٹیکنیشن اور معاونین آپ کی ٹیم میں شامل ہو گئے ہیں آپ کی شخصیت ایک مقناطیسی وجود کی حامل تھی

ترجمانی کا نظام simultaneous interpretation system حضرت مرزا طاہر احمد صاحب کی سرپرستی میں تیار ہوا اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی منظوری سے 1980ء کے جلسہ سالانہ ربوہ پر install ہوا اور آپ نے مردانہ اور زنانہ جلسہ گاہوں میں علی الترتیب خدام و انصار اور لجنہ کی ٹیموں کے ذریعے نہایت خوش اسلوبی اور کامیابی سے کارنامہ سرانجام کیا۔

پندرھویں صدی ہجری کا پہلا جلسہ سالانہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اپنے 27 دسمبر 1980ء کے خطاب کے دوران فرمایا فضل عمر فاؤنڈیشن:.....انہوں نے اس سال جو نمایاں کام کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو بیرونی ممالک سے آئے ہوئے ہیں ان کے لئے دو زبانوں میں انگریزی اور انڈونیشین میں ترجمہ کا انتظام کیا ہے۔

یہ دو کھوکھے ادھر بنے ہوئے ہیں یہاں چاٹ نہیں بکتی یہاں وہ ترجمہ کرنے والے بیٹھے ہوئے ہیں جو ترجمہ ساتھ ساتھ کرتے ہیں وہ بالکل بند ہیں آواز ان کی باہر نہیں جاتی انہوں نے کانوں کے ساتھ یہ لگائے ہوئے ہیں (غیر ملکیوں نے) جو انگریزی جانتے ہیں یا انڈونیشین اور یہ مترجم کو اسی وقت ترجمہ کر کے بتاتے جاتے ہیں اس کی ابتدا ہوگئی ہے اور اس کا اندازہ جن باہر سے مختلف ایجنسیز سے لگایا گیا تو ان کا خیال تھا کہ ہم شاید ڈیڑھ سوا سے بیس پچیس لاکھ میں تیار کر کے دیں گے تو اللہ بھلا کرے احمدی انجینئرز کا انہوں نے کہا ہم بہت سستا بنا سکتے ہیں پیسے نہ ضائع کریں چنانچہ میرا خیال ہے یہ دو سوا اٹھائیس ہیں اور اسی ہزار روپے میں انہوں نے تیار کر دیئے ہیں ان کے لئے بھی دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزا دے اور ان شاء اللہ یہ بھی بڑھ جائے گا پھر اور بھی ہو جائیں گے ہمیں تو ڈرایا گیا تھا کئی سال سے تجویز تھی لیکن باہر کی ایجنسیز اتنا روپیہ مانگتی تھیں کہ جرأت نہیں ہوئی۔

(خطابات ناصر جلد دوم صفحہ 479)

ایک تاریخی خدمت (جلسہ سالانہ برطانیہ 1985ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی برطانیہ ہجرت کے بعد 1985ء کا جلسہ سالانہ عالمی سطح پر ٹلفورڈ (اسلام آباد) میں منعقد ہوا حضرت خلیفۃ المسیح نے خواہش فرمائی کہ پاکستان والی انجینئرز کی simultaneous interpretation والی ٹیم وہاں جا کر جلسہ سالانہ برطانیہ 1985ء پر خدمت کرے

حضور کا یہ پیغام وکیل اعلیٰ چوہدری حمید اللہ صاحب کے ذریعے ٹیم لیڈر انجینئر منیر احمد فرخ صاحب کو convey کیا گیا فرخ صاحب ٹیم کے تمام ممبرز کو persuade کر کے وہاں پہنچ گئے۔اس عاجز کو بھی فرخ صاحب نے سلطنت عمان میں خط لکھ کر بلوایا اور اپنے ساتھ خدمت کا موقع دیا۔نہایت کامیابی سے فرخ صاحب کی قیادت میں ٹیم نے کام کیا اور خلیفہ وقت کی نہ صرف خود بلکہ ساری ٹیم کو دعائیں لے کر دیں۔

جلسے کے اختتام پر حضور نے خوشنودی کا جو خط فرخ صاحب کو لکھا اس کی فوٹو کاپیاں آپ نے ساری ٹیم کو بھیجیں اور اس عاجز کو بھی سلطنت عمان میں بھیجی یہ ایک تاریخی دستاویز ہے جو درج ذیل ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم

PB 5365/85.5.2

پیارے عزیزم منیر احمد فرخ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ اور آپ کی ٹیم نے جس خلوص، محبت اور لگن سے کام کیا ہے وہ تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اجر عظیم عطا کرے اور اپنے انعامات اور افضال کی بارش کا وارث بنائے اور بیش از پیش خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

سب کو میرا محبت بھرا اسلام کہدیں

والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

ان دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ 2008ء تک یہی ٹیم برطانیہ جا کر خدمت کی توفیق پاتی رہی اور دو زبانوں سے شروع ہونے والا نظام وسعت اختیار کر کے دس بارہ زبانوں کے لئے extend ہوتا چلا گیا

دیگر علمی اور عملی خدمات

آپ IAAAE کے بنیادی ممبرز میں سے تھے آپ نے costitution ڈرافٹ کرنے اور لوکل اور بیرون ملک ریجنل چیپٹر قائم کرنے میں major role ادا کیا اسلام آباد کے صدر رہے اور 1980ء سے 2013ء میں کینیڈا علاج کے لئے shift ہونے تک سنٹرل عاملہ کے فعال ممبر رہے

سالانہ کنونشن پر آپ نے کئی مضمون پڑھے اور ٹیکنیکل میگزین کے لئے کئی مضامین لکھے

آپ کی ایک تصنیف ''جلسہ سالانہ کے موقع پر تقاریر کے رواں ترجمہ کا انتظام (ایک تاریخی جائزہ)'' آپ کی یاد دلاتا رہے گا آپ کی ان خدمات میں انجینئر ایوب احمد ظہیر صاحب ہمیشہ اور ہر وقت آپ کے ساتھ رہے۔

آپ کی IAAAE professional profile نے ٹیکنیکل میگزین 2011 2012 میں شائع کی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی عزت دی ہوئی تھی۔

آپ بڑے ہر دلعزیز واقف زندگی امیر ضلع تھے آپ گورنمنٹ سروس سے ریٹائر ہو کر "وقف بعد از ریٹائرمنٹ سکیم" میں شامل ہوئے گو آپ امیر ضلع اسلام آباد کے طور پر خدمت کی توفیق پا رہے تھے لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے آپ کا وقف منظور کر کے اسی خدمت پر برقرار رکھا۔

مسجد اسلام آباد کا ڈھانچہ جنرل عبد العلی صاحب نے اپنی امارت کے دوران نہایت نامساعد حالات میں بڑی جرآت سے کھڑا کروایا تھا اس کے بعد stay order ہو گیا جب فرخ صاحب امیر بنے تو آپ نے مسجد کی phenominal extension کروائی مربی ہاؤس گیسٹ ہاؤس لجنہ ہال لائبریری وغیرہ بے شمار کام ہوئے اور یہ ایک عالیشان کمپلکس بن گیا۔

شوریٰ میں آپ کو صدر مجلس کی معاونت کا اعزاز ملتا رہا آپ نے شوریٰ پر بھی simultaneous interpretation system متعارف کروا دیئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس کے انتخاب میں بھی آپ کو لندن جا کر انتخاب خلافت کمیٹی کا ممبر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ خلیفہ وقت نے بعض اہم اور نازک معاملات طے کرنے والی کمیٹیوں کا بھی آپ کو ممبر یا صدر بنایا آپ نے نہایت ذمہ داری سے سارے کام سرانجام دیئے آپ فضل عمر فاؤنڈیشن کے بھی ڈائریکٹر رہے۔

بیماری اور کینیڈا ہجرت اور وفات

آٹھ نو سال پہلے آپ کو دل کا عارضہ ہوا بعض دوستوں کے مشورے سے علاج کے لئے آپ کینیڈا شفٹ ہو گئے جہاں آپ کے چھ ہارٹ بائی پاس کر دیئے گئے اور صحت تدریجاً گرتی گئی۔

2019ء میں جب اس عاجز نے کینیڈا آپ سے ملاقات کی تو آپ نے اگلے سال پاکستان جانے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا جیسا کہ فرمایا

وما تدری نفس بای ارض تموت (31 لقمان آیت 35)

یعنی کوئی ذی روح نہیں جانتا کہ کس زمین میں وہ مرے گا

اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی اور لمبی بیماری کے بعد آپ 8 مارچ 2021ء کو ٹورانٹو کینیڈا میں وفات پا گئے 10 مارچ کو انجینئر ملک لال خان صاحب نیشنل امیر کینیڈا نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور Brampton Memorial Garden قبرستان میں آپ سپرد خاک کئے گئے آپ 1/9 کے موصی تھے اور بہت نافع الناس وجود تھے

اے خدا بر تربت او ابر رحمت ہا ببار

داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

❁❁❁❁

عہد حاضر کا فرعون

(ادارہ)

گورنر پنجاب جنرل جیلانی نے بدحواس ہو کر امور عامہ ربوہ میں فون کیا اور مطالبہ کیا کہ فوری طور پر اسکی مرزا طاہر احمد سے بات کروائی جائے۔ اسے جواباً کہا گیا کہ یہ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کا کام ہے آپ ان سے رابطہ کریں۔ چنانچہ گورنر جیلانی نے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو فون کیا اور اپنا مطالبہ دہرایا۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے کہا کہ گورنر صاحب مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کا یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکتا کیونکہ حضرت مرزا طاہر احمد اس وقت بخریت لندن پہنچ چکے ہیں۔ حضرت مرزا طاہر احمد رحمۃ اللہ علیہ اگر آپ پھر بھی ان سے بات کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو پرائیویٹ سیکرٹری صاحب لندن کا نمبر دے دیتے ہیں آپ وہاں کال کر سکتے ہیں۔ اور پھر زور سے فون کو میز پر دے مارنے کی آواز آئی اور رابطہ ختم۔ کچھ اسی طرح کا منظر ڈپٹی کمشنر جھنگ کے دفتر کا تھا۔ ڈی سی لرزتی ہوئی آواز میں اپنی صفائیاں دینے کی کوشش کر رہا تھا" سر مجھے نہیں پتہ مرزا طاہر احمد اس وقت کہاں ہیں"۔" باسٹرڈ بکواس بند کرو بندہ تمہاری ناک کے نیچے سے نکل گیا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں کچھ پتہ نہیں" ۔ یہ ملک کا مطلق العنان بادشاہ وقت کا فرعون جنرل ضیاء تھا اور پھر دھمکیوں اور گالیوں کا سلسلہ شروع ۔۔۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے ایل ایم کی پرواز سے ایمسٹرڈم ایئرپورٹ پہنچے تو جنرل ضیاء کے ایک دوست ریٹائرڈ جنرل نے ایئرپورٹ سے ہی فون کر کے جنرل ضیاء کو حضور کے پاکستان سے ہجرت کر جانے کی اطلاع دے دی تھی جس سے ضیاء اپنی شکست اور شکار ہاتھ سے نکل جانے کی خفت میں تلملا اُٹھا تھا۔ یہ 30 اپریل کے واقعات ہیں اس سے چار روز قبل 26 اپریل 1984 کو اس بدبخت ظالم حکمران نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ ملک کی وفادار اور پُرامن جماعت احمدیہ کے تمام حقوق غصب کر لئے تھے اور ایک انتہائی خوفناک منصوبے کے زریعہ حضرت مرزا طاہر احمد امام جماعت احمدیہ کو گرفتار کر کے قتل کرنے کی سازش تیار کر لی گئ تھی۔ اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا آرڈر ملک کے تمام بری بحری اور فضائی راستوں پر پہنچا دیا گیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ امام جماعت احمدیہ کا نام ECL میں ڈال کر انہیں باہر جانے سے روک دیا جائے۔ لیکن الٰہی تقدیر نے اس سے عجیب غلطی کروائی کہ بجائے نام مرزا طاہر احمد لکھنے کے اس نے مرزا ناصر احمد لکھ دیا جس سے ایئرپورٹ حکام پریشان ہو گئے اور کوئی فیصلہ نہ کر پائے کہ کیا کیا جائے۔ کراچی ائرپورٹ پر رات کے دو بج چکے تھے۔ آرڈر کی تصدیق کے لئے کوئی افسر مہیا نہ ہو سکا اور بالآخر جہاز کو پرواز کرنے کی اجازت دے دی گئ ملٹری ڈکٹیٹر ظالم و جابر حکمران کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی شکست اور ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کا ناپاک منصوبہ اپنی موت آپ مر چکا تھا۔ اپنی اس ذلت کا بدلہ لینے کے لئے اس نے معصوم احمدیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے۔ یہ بڑا ہی نازک اور صبر آزما دور تھا جب بے گناہ احمدی اپنے ایمان کے جرم میں وقت کے فرعون کے جبر و ستم کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہ سلسلہ قریباً ساڑھے چار سال پر محیط ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی بار بار تنبیہ کے باوجود جب فرعون اپنے ظلم سے باز نہ آیا تو آپ نے چالیس راتوں کے تخلیے اور خدا تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کے بعد 10 مئی 1988 کو دنیا بھر کے مکفرین اور مکذبین کو مباہلے کا چیلنج دیا جس کا اول مخاطب جنرل ضیاء الحق تھا۔ قوم کے ظلم سے تنگ آ کے مرے پیارے آج شور محشر تیرے کوچے میں مچایا ہم نے 12 اگست کے خطبہ جمعہ میں حضور نے فرمایا کہ ضیاء کا انجام بہت قریب آ پہنچا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اب اسے اپنے بدانجام سے نہیں بچا سکتی۔ پانچ روز بعد 17 اگست 1988 کو وقت کا فرعون اپنے جرنیلوں سمیت ایک فضائی حادثے میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور ان سب کی لاشیں جہاز کو لگنے والی اگ میں جل کر راکھ ہو گئیں۔ جنرل ضیاء الحق

تُم دعائیں کرو یہ دعا ہی تو تھی جس نے توڑا تھا سر کبر نمرود کا
ہے ازل سے یہ تقدیر نمرودیت آپ ہی آگ میں اپنی جل جائے گی

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع اس سے قبل ضیاء کو ان الفاظ میں وارننگ دے چکے تھے

" جماعت احمدیہ تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک والی رکھتی ہے۔ ایک ولی رکھتی ہے۔ جماعت احمدیہ کا ایک مولا ہے۔ اور زمین و آسمان کا خدا ہمارا مولا ہے۔ لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارا کوئی مولا نہیں۔ خدا کی قسم جب ہمارا مولا ہماری مدد کو آئے گا تو کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔ خدا کی تقدیر جب تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کرے گی تو تمہارے نام و نشان مٹا دیئے جائیں گے۔ اور ہمیشہ دنیا تمہیں ذلت اور رسوائی کے ساتھ یاد کرے گی

(خطبہ جمعہ 14 دسمبر 1984)"



بارود بھرے لوگ

جمیل احمد بٹ

۳ دسمبر کو سیالکوٹ میں ایک انسانی جان کا جس ظلم و بربریت سے زیاں کیا گیا ہے۔اس سے مذہب کے نام پر خون بہانے کی ملکی تاریخ میں ایک اور سیاہ باب کا افسوسناک اضافہ ہؤا ہے۔

جیسے بارودی سرنگیں:

مشتعل ہو کر کئی سو افراد کا ایک نہتے فرد پر یوں حملہ آور ہونا اور کسی کا اسے روکنے کی کوشش نہ کرنا اس غیض وغضب کا مظہر ہے جس نے عوام الناس کے دلوں کو کئی دہائیوں سے دی جانے والی نفرت، عدم رواداری، عدم برداشت کی مسلسل تعلیم، رویوں اور حمایت نے بھر رکھا ہے۔بارود بھرے ان لوگوں کو پھٹنے کے لئے کوئی بھی بہانہ کافی ہوتا ہے۔جیسے وہ بارودی سرنگیں جو دشمن کو نقصان پہنچانے کی غرض سے بچھائی جاتی ہیں اور نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود، وجود رکھتی ہیں اور کسی ٹھوکر پر پھٹ کر نقصان کر گزرتی ہیں۔

تحت الثریٰ کی طرف:

اس دین سے تعلق کے دعوے کے ساتھ جس نے ایک انسان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا اور جس نے حوصلہ، برداشت اور رواداری کی بے مثل تعلیم دی، اور اس عظیم ترین وجود صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے اور جنہوں نے خود مذہبی رواداری اور برداشت کا حیرت انگیز اسوہ دکھایا حتیٰ کہ غیر مذاہب کے جنازوں کا احترام بھی عملاً کر کے دکھایا۔آج گرتے گرتے گویا تحت الثریٰ کو پہنچ جانا ایک عبرت ناک تاریخ ہے۔

آگ کا عذاب:

قرآن کریم میں ۱۴۵ مقامات پر نار کا ذکر ہے جن میں سے بیشتر جہنم کے حوالے سے ہیں۔یہ معاملہ تو خیر بعد کا ہے۔لیکن اپنے وجودوں میں بارود بھرے جو لوگ یہاں بھی ہر دم اپنے آپ کو غیض وغضب کی آگ میں جلاتے رہتے ہیں۔کیا وہ اسی دنیا میں عذابِ جہنم سے حصہ تو نہیں پا رہے؟ یہ مقامِ خوف ہے اور اسی لئے مقامِ فکر۔

ذمہ داراں:

اس انجام تک پہنچانے میں دین سکھانے والے، حکومت کرنے والے، قانون بنانے والے، فیصلے کرنے والے، میڈیا والے، خاموش رہ کر تماشا دیکھنے والے اور خود عقل و خرد کو تج کر ان مفاد پرست ٹولوں کے ہاتھوں کھلونا بننے والے سب یکساں ذمہ دار ہیں۔ان سب نے اپنے طور پر بھی اور ایک دوسرے کی مدد کر کے بھی اس زوال میں حصہ ڈالا ہے۔

پہلے ذمہ دار۔مولوی:

جیسا کہ پہلے ہی باخبر کر دیا گیا تھا کہ بعض دین سکھانے والے انسانی سطح سے پست ہو جائیں گے۔ایسا ہی ظہور میں آیا۔اور اس گروہ نے اپنی اپنی جتھہ بندی اور اس کے تحت دنیا کمانے کے لئے دوسرے عقیدے والوں کے خلاف نفرت اور عدم برداشت کی تعلیم دی اور دے رہے ہیں۔اکٹھے عبادت نہ کرنے اور سماجی تعلقات نہ رکھنے کی ابتدا نے واجب القتل کے فتووں تک پہنچایا اور اب 'سر تن سے جدا' کا نعرہ دیا۔مستشرقین کے طریق پر چلتے ہوئے غیر مستند روایات کے سہارے، محض اپنی اذیت پسندی کی تسکین کے لئے، خون ریزی کا یہ درس دین کی امن وسلامتی کی ضامن تعلیم کے صریحاً برعکس ہے۔

دوسرے ذمہ دار۔حکومتیں:

وہ سب حکومتیں جن کا حصول اقتدار یا اس کے جاری رکھنے کے لئے مذہب کا استعمال وتیرہ رہا ہے۔وہ جنہوں نے اس غرض سے مقننہ کو استعمال کر کے آئین میں دوسری ترمیم کی۔اور وہ جنہوں نے اس کے تابع بعد میں مزید ایسے قوانین بنائے جنہوں نے نفرت انگیزی اور تعصب کے ان شعلوں کو اور بھی ہوا دی۔جنہوں نے اسی غرض سے مذہب کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال

کرنے والے علماء کی سرپرستی کی۔ بلکہ از خود بھی مفید مطلب مذہبی گروہ بنائے، ان کی معاونت کی، ان کی غیر قانونی سرگرمیوں سے صرفِ نظر کئے رکھا اور حسب ضرورت انہیں استعمال کیا۔ جس کے ایک بد نتیجہ میں ملک لمبے عرصہ تک ایک بھیانک دہشت گردی کا شکار رہا ہے۔ یہ سرپرستانہ رویہ مجموعی طور پر نفرت انگیزی کی مہم کے پھیلاؤ کا سبب اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومتی ارادوں اور موثر کاروائی میں سب سے بڑی روک ہے۔

تیسرے ذمہ دار۔ مقننہ:

وہ سب اسمبلیاں جن کے ارکان گو بعد میں وائٹ پیپرز اور احتسابی عمل کے کردار رہے لیکن جنہوں نے اپنے دنیوی مفاد کی خاطر وقت کے حکام کے اشاروں پر اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ایسی قانون سازی کی۔ جو ایک طرف دینی تعلیم کے سراسر برعکس اور مروجہ بین الاقوامی اصولوں سے متصادم تھی وہیں اس نے مذہبی منافرت کو قانون کا درجہ دے دیا۔ اور جنہوں نے ایسے قوانین بنائے جانے کو نہ روکا جن کے تحت پورے ملک میں سے صرف ایک جماعت کی علیحدہ ووٹر لسٹ بنائی جاتی ہے اور بیشتر سرکاری دستاویزات جیسے شناختی کارڈ فارم، پاسپورٹ فارم، پاسپورٹ، تعلیمی اداروں کے داخلہ فارم، اعلیٰ ملازمتوں کے لئے درخواست فارم، ووٹر لسٹ اور اب نکاح ناموں میں بلا ضرورت مذہب کا خانہ شامل کیا گیا ہے۔ جبکہ ان سب کا مقصد کھلے طور پر صرف تفریق اور نفرت کا کاروبار کرنے والوں کے ہاتھ مضبوط کرنا اور آبادی کے ایک حصہ کا استحصال ہے۔

چوتھے ذمہ دار۔ عدلیہ:

وہ سب جو انصاف کی کرسی پر بیٹھے تھے لیکن جنہوں نے انصاف اور قانون کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے ان تفریقی قوانین کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ حسب استطاعت ان میں ویسی ہی آزادیاں بھی تجویز کیں۔ پھر وہ جنہوں نے نفرت انگیز جرائم کرنے والوں کی نہ صرف گرفت نہیں کی بلکہ انہیں آزاد بھی کیا۔ اور وہ بھی جنہوں نے ناکردہ جرائم کی پاداش میں گرفتاروں کی دادرسی نہ کی اور بسا اوقات ضمانت تک نہ لی۔ اور وہ بھی جنہوں نے ان قوانین کے بے جا استعمال سے کی جانے والی حق تلفیوں کو روا رکھا یا ایسے مقدمات کی ارادتاً شنوائی نہ کی۔ اور یوں ان سب نفرت کا پرچار کرنے والے قانون شکنوں کی حوصلہ افزائی کی۔ کیا تعجب ہے کہ پاکستان کی عدلیہ دنیا بھر کے عدالتی نظاموں میں درجہ آخر پر شمار ہوتی ہے۔

پانچویں ذمہ دار۔ میڈیا:

چند مستثنیات کو چھوڑ کر وہ سب پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا جس نے نفرت انگیزی کی مہم میں جھوٹ بول کر یا معمولی واقعات کو بڑھا چڑھا کر غلط رنگ دیا اور دوسری طرف اس مہم کے شکار چھوٹی جماعتوں کے خلاف ظلم و زیادتی کے واقعات سے عمداً آنکھیں بند کئے رکھیں اور ان خبروں کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ حتیٰ کی ان کی جاری کردہ پریس ریلیز ز کو بھی شائع نہ کیا اور یوں عملاً اس مہم کے موئید و مددگار بنے رہے۔ نیز وہ سب میڈیا جس نے اس نفرت انگیزی کی مہم کے توڑ کے لئے اپنے پیشہ ورانہ فرض کی ادائیگی میں عوام کو باہم محبت اور بھائی چارہ کا درس نہ دیا اور تنگ نظری سے عقیدہ کی بنیاد پر تفریق کرنے اور نفرت پھیلانے کی مذمت نہ کی۔

چھٹے ذمہ دار۔ خاموش تماشائی:

ملک کے شرفاء کی وہ بھاری اکثریت جس نے بزدلی سے منافقت کی راہ اپنائے رکھی۔ جنہوں نے نجی محفلوں اور ڈرائنگ روم مجالس میں انسانی حقوق اور بھائی چارے کی خوب وکالت کی لیکن باہر زبان بند رکھی۔ وہ ان غلط کاریوں میں براہ راست عملاً شریک تو نہ ہوئے لیکن ان کے خلاف آواز اٹھائی نہ مخالف ردعمل ظاہر کیا اور یوں ان کی خاموش حمایت کی۔ اور اس غلط تاثر کو ہوا دی کہ گویا سارا ملک ہی نفرت انگیزی کی اس مہم میں شریک ہے۔

ساتویں ذمہ دار۔ عوام الناس:

وہ سب عام لوگ جو کالانعام بنے رہے۔ جنہوں نے مخالف پروپاگنڈے کو صرف سن کر سچ مان لیا۔ ان کے عقیدے کے صحیح یا غلط ہونے کو جانچا نہ ان کے خلاف سنی سنائی باتوں کو پرکھا۔ اور نہ اس مشاہدہ کو مقدم کیا جو دوسرے عقیدے والے لوگوں کے پڑوس میں رہ کر، ساتھ کھیل کر، بچپن سے ساتھ بڑے ہو کر، اسکول اور کالج میں اکھٹے تعلیم پا کر، ملازمتوں اور کاروبار میں اکھٹے وقت گزار کر، رشتہ داریاں رکھ کر وہ حاصل کر چکے

تھے۔غرض اپنی عقل کو استعمال نہیں کیا۔اور آنکھیں بند کر روحانی نابیناؤں کے پیچھے چلتے رہے۔اور جب مولوی نے جو کہا اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔سلام دعا ترک کر دیا۔میل ملاقات چھوڑ دیا۔لین دین اور کاروبار میں الگ کر دیا۔اور اس بات کو بھول گئے کہ اس حوالے سے پیارے آقا ﷺ کا کیا اسوہ تھا۔

پستی سے نکلنے کی راہ:

اس پستی سے نجات کی راہ صرف غلطیوں کی درستگی ہے۔اس میں کلیدی کردار حکومت کا ہے۔اسے جہاں خود کو مذہب سے علیحدہ کرکے اپنے ان بنیادی فرائض کو ادا کرنا ہوگا کہ بلا کسی تفریق کے اس کی رٹ قائم ہو۔بلا استثنا سب فسادی کیفر کردار تک پہنچیں۔حکومتی مناصب صرف صلاحیت کی بنیاد پر تفویض ہوں۔ہر شہری کو بلا لحاظ مذہب وعقیدہ اس کے جملہ حقوق حاصل ہوں۔وہیں اسے یہ بھی یقینی بنانا ہوگا کہ اسمبلیاں ان سب قوانین کو قلم زد کریں جو مسلمہ بنیادی انسانی حقوق کی نفی کرتے ہیں۔یا جو ملک کے شہریوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔عدالتیں بلا لحاظ عقیدہ سب کو جلد انصاف مہیا کریں اور میڈیا صحافتی اصولوں کے تابع بلا لگی لپٹی اور بلا تفریق آگہی دے۔

حکومتی سطح پر مثبت پیش رفت شہریوں کے لئے بھی درست راہ متعین کرے گی اور رفتہ رفتہ ان میں اختلاف عقیدہ کی برداشت کا حوصلہ اور گفتگو سے معاملات کے حل کا رجحان پیدا ہوگا۔اور نفرتیں دور ہوں گی۔یہ کام جتنی جلد ہوگا موجود اندھیرا اتنی جلد دور ہوگا۔

وزیر اعظم پاکستان عمران خاں اور انکی کیبنٹ کے نام

جناب عمران!

مجھے از حد افسوس ہے کہ نہایت ادب گو ہونے کے باوجود آپ کو مزید اچھے القابات سے مخاطب کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔اگر چہ آپ تو لفظ "آپ" کی تکریم کے بھی حقدار نہیں رہے لیکن یہ میری مجبوری ہے کہ اس سے کم تعظیم کے الفاظ کا استعمال میرے بس کی بات نہیں ہے۔

جب انچاس سال قبل مشرقی محاذ پر ہتھیار پھینکنے کی کاروائی ہوئی تو میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ دفاعی ڈیوٹی پر تھا۔ہم نے عہد کیا تھا کہ اگر مغرب کی طرف بھی یہی صورتحال پیدا ہوئی تو ہم مرجائیں گے لیکن ہتھیار نہیں پھینکیں گے۔وہ دن اور راتیں ہمارے لئے انتہائی کرب کے تھے۔آج پھر اتنی ہی درد پیدا کرنے والی صورتحال کا مشاہدہ کرنا پڑا ہے۔پاگلوں کے ہجوم نے مغربی محاذ پر سرحدوں کے اندر سے ہی ملک بھر میں اُدھم مچا رکھا ہے۔حتیٰ کہ "ڈیوٹی پر مامور پولیس مین" شہید کر دیئے جاتے ہیں۔اور اس پر آپ کو یا آپ کی کابینہ کے کسی وزیر کو یہ توفیق نہیں ملتی کہ ان کی شہادت پر افسوس کا اظہار تک کر سکتے۔یہی واقعہ اگر کسی مہذب ملک میں ہوتا تو صاحب اقتدار بیرون ملک سے چھٹیاں ختم کر کے واپس آجاتے اور حالات کو نظم وضبط میں لانے کی کوشش کرتے یا مستعفی ہوجاتے۔نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم کا رویّہ آپ کے سامنے ہے۔حضرت عمرؓ جو ریاست مدینہ کے نگران اعلیٰ تھے انہیں تو فکر لاحق رہتی تھی کہ فرات یا دجلہ کے کنارے اگر کتا بھی بھوکا مرگیا تو محشر کے دن عمرؓ بن الخطاب کو اس کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔آپ سمیت پوری حکومت انتہائی بے حس ہو چکی ہے۔یہ بے حسی آپ نے کہاں سے سیکھی ہے؟ آپ کو اس ماں نے یہی تربیت دی تھی جس کے نام پر ہسپتال کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے؟۔مجھے آپ یا آپ کے مخالفین کی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔مجھے صرف آپ کے اندر مر گئی انسانیت پر ماتم کرنا ہے۔ان مرحومین سے انسانیت کے علاوہ کسی قسم کا رشتہ نہیں لیکن ان کے ساتھ جو ظلم ہوا ہے اور جو ایذاء کفار پاکستان نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو پہنچائی ہے اس پر آپ کے خاموش لب آپ کے شریکِ جرم ہونے کا ثبوت ٹھہرتے ہیں۔اگر آپ میں "وہ" ذرا سی بھی ہے جسے غیرت کہتے ہیں تو لات ماریں اس اقتدار کو اور چھوڑ دیں اس کرسی کو جو سراسر ذلت کا باعث ہے۔ورنہ آپ کے شریک جرم ہونے کے لئے اور کسی ثبوت کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

چوہدری کولمبس خاں

ایڈووکیٹ۔جرمنی

کس جنت میں جاؤ گے تم؟

ناصر عابدی، کینیڈا

آج ایک سیلفی نے آنکھیں نم کر دی۔ ایک شخص سری لنکن باشندے کی آگ میں جلتی ہوئی لاش کے ساتھ اپنی تصویر بنا رہا ہے جس کو انہوں نے کچھ دیر پہلے توہین مذہب کے نام پر تشدد کر کے ہلاک کیا اور پھر لاش کو سڑک پر لا کر جلا دیا۔ یہ واقعہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے شہر سیالکوٹ کا ہے۔

یہ سری لنکن باشندہ، پریانتھا کمارا، نجی فیکٹری میں مینیجر تھا۔ صبح سے فیکٹری میں یہ خبر گردش کرنے لگی کہ اس شخص نے توہین مذہب کی ہے۔ آگے جو ہوا، وہ میں لکھ کر آپ جنتی مسلمانوں کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔

میں اس سوچ میں غرق ہوں کہ اب اس سری لنکن شخص کی ماں کو کیا بتایا جائے گا۔ وہ ماں کیسے سمجھ پائے گی کہ کسی مذہب کا کوئی ایسا قانون بھی ہو سکتا ہے۔ اب صاحب دین حضرات، بادشاہوں کے دربار سے اور خوبرو اداکاروں کے جھرمٹ سے نکل کر سری لنکا جائیں اور پریانتھا کمارا کی ضعیف ماں کو اسلام کی تعلیم دیں اور اسے بتائیں کہ مسلمان ہو جاؤ کیوں کہ صرف مسلمان ہی جنت میں داخل ہوں گے۔

مگر سری لنکن ماں ہی کیوں، کیا ہم مشال خان کو بھول گئے ہیں؟ اگر اس وقت مشال خان کے قاتلوں کو کڑی سزا مل جاتی اور ہم اپنے قوانین تبدیل کر دیتے اور اپنے منبر سے محبت اور برداشت کا سبق دیتے تو شاید آج ایک ماں کا بیٹا ان نام نہاد عاشقان رسول کے ہاتھوں اس طرح نہ مارا جاتا۔

یہ لوگ اس نبی ﷺ کے عاشق ہیں جن کو تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ جب یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ صحابہ نے فرمایا کہ یہ یہودی کا جنازہ ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا یہ انسان نہیں تھا۔

جس ملک کی تقریباً ساری آبادی ہی مسلمان ہو، اس ملک میں ان قوانین کے کیا معنی؟ اور کتنا اسلام چاہیے ہمیں؟ جن راہوں پر ہم چل رہے ہیں، یقین مانئے وہ صراط مستقیم کا راستہ نہیں ہے جس کی ہم ہر نماز میں دعا مانگتے ہیں۔

جالب نے کئی سالوں پہلے ہمارے مستقبل کی پیشگوئی کر دی تھی۔

محبت گولیوں سے بو رہے ہو
وطن کا چہرہ خون سے دھو رہے ہو
گماں تم کو کہ رستہ کٹ رہا ہے
یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو

اب سب خاموش ہیں۔ سب سہمے ہوئے ہیں۔ فضا میں ایک خوف طاری ہے۔ کوئی حق اور سچ کا ساتھ نہیں دینا چاہتا۔ عالم دین طبقہ ایک مذمت کر کے خاموش ہو گیا۔ آرمی اس جماعت سے مذاکرات کر رہی ہے اور وزیراعظم ان لوگوں سے انتخابات میں سیٹ ایڈجسٹمنٹ۔ آنے والے کل کی تصویر اور حکمرانوں کی ترجیحات اب آپ کے سامنے واضح ہو گئی ہوں گی کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔

تعلیم کی کمی، اخلاقی پستی اور غلط عقیدوں کی تقلید نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اور اس پر زعم یہ کہ جنت تو ہماری ہے لیکن کیسے؟

"باپ کو اس کے بیٹے کا، کٹا ہوا سر دیتے ہو
ماں کو اس کی بیٹی کا جلا ہوا تن دیتے ہو
صحنوں کو دالانوں کو، لاشوں سے بھر دیتے ہو
تم کس جنت میں جاؤ گے، کس جنت میں جاؤ گے تم؟
تم وحشی ہو درندے ہو، تم ظالم کے کارندے ہو
تم کالی رات کا سایہ ہو، شیطان کا تم سرمایہ ہو
تم نفرت کا پرچار کرو اور معصوموں پر وار کرو
تم کس جنت میں جاؤ گے، کس جنت میں جاؤ گے تم؟
جنت تو معصومان کی ہے، علم کے طالبان کی ہے
تم قاتل ان شہزادوں کے، تم قاتل ہو استادوں کے
تم قاتل پوری قوم کے ہو، تم قاتل ہی کہلاؤ گے
تم کس جنت میں جاؤ گے، کس جنت میں جاؤ گے تم

(عدنان جعفری)

اگر پریانتھا کمارا کے چھوٹے بیٹے نے روز محشر میں نبی ﷺ کا دامن پکڑ لیا کہ آپ کے عاشقوں نے میرے باپ کو بے گناہ مارا تو ان عاشقوں کا کیا ہوگا؟



حضرت چودھری عبدالرحیم خاں صاحب ؓ رئیس کاٹھگڑھ
جماعت احمدیہ کاٹھگڑھ ہوشیار پور انڈیا



(رانا عبدالرزاق خاں ۔لندن)

حضرت چوہدری غلام احمد صاحب ؓ کی بیعت کے بعد اللہ تعالیٰ نے 1903ء کے آخری عمر میں ایک نرینہ اولاد سے نواز۔اس بچہ کا نام سیدنا حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے عبدالرحیم تجویز کیا تھا۔ہمارے خاندان میں یہ روایت بزرگان سے چلی آرہی ہے۔عبدالرحیم صاحب کو بچپن کی عمر میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔اورحضور نے ازراہ شفقت بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

آپ کی پیدائش پر مکرم عبدالحکیم ہوشیار پوری صاحب نے ایک تہنیت نامہ لکھا تھا۔اورحضرت چوہدری غلام احمد خان صاحب ؓ کو مبارک باد پیش کی تھی۔یہ نظم اخبار بدر قادیان میں شائع ہوئی ہے۔جو قارئین کے لئے پیش خدمت ہے۔

حضرت چوہدری غلام احمد خان صاحب ؓ احمدی رئیس کاٹھ گڑھ کے یہاں بیٹے عبدالرحیم کی پیدائش

اخبار بدر قادیان اس حوالہ سے تحریر کرتا ہے۔

’’ہمارے مکرم دوست اور قدیم مہربان چوہدری غلام احمد خان صاحب احمد رئیس کاٹھ گڑھ کو بھی جو ابھی آج کل شرف بیعت سے مشرف ہوئے ہیں گویا مراد مل گئی یعنی اللہ تعالی نے اولاد نرینہ عطا فرمایا اور حضرت اقدس مسیح آخر الزمان مہدی دوران علیہ الصلوۃ والسلام نے اس مولود مسعود کا نام عبدالرحیم رکھا۔‘‘

میں نے اس تقریب پر چند اشعار لکھے ہیں جو البدر کے ذریعہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

نقش اول

میرے مکرم و محسن غلام احمد خان
تلاش حق کے لئے تھے بہت سرگردان
دکھا دیا ہے خدا نے رہِ ہُدیٰ ان کو
ملا دیا ہے کرم سے انہیں مسیح زمان
ابھی سے لطف خدا کا اثر ہوا ظاہر
ہوا ہے حق کا بہت ان پہ فضل اور احسان
کہ بار لایا ہے اب نخل زندگی ان کا
پڑا ہے شجر توقع پہ سایۂ یزدان
خدا نے بیٹا دیا ہے انہیں بڑھاپے میں
بروزی رنگ میں آیا ہے یوسفِ کنعان
پسر خدا نے دیا ان کو اور دنیا پر
ہوئی ہے آیت **لا تقنطو** کی شرح عیان
کرے کہ وہ پھولے پھلے بڑھے شب روز
زمیں پہ مہروقمر جب تک رہیں تابان
حکیم کی طرح صادقِ غلام احمد ہوں
یہی خواہش بسمل ہے یہی ہے وردزبان

نقش ثانی

(جس میں صدق وفا کا رنگ ہے)

میرے مکرم محسن غلام احمدخان
تلاش حق کے لئے جو بہت تھےسرگردان
خدائے پاک نے ان کی دستگیری کی
کی مل گیا شرف بیعت مسیح زمان
ہوئے مسیح کے خدام میں جو وہ داخل

تو مہربان ہوا ان کے پر یزدان
ملی مراد کے آرزو ہو پوری
غرض خدا کا ہوا ان پہ فضل و احسان
نسیم لطف سے دل کی کلی کھلی ایسی
کہ باغ دہر میں آیا نظر گل خندان
عطا کیا ہے خدا وند نے انہیں فرزند
حسین صورت ماہ کنعان
فیوض مہدی دین ہادی زماں سے
ہوئی یہ آیت لاتقنطو کی شرح عیان
یہ نوار چشم سعادت نشان و راحتِ دل
مبارک آپ کو ہووے غلام احمد خان
مری دعائے دلی ہے کہ یہ خجستہ نہاد
بڑھے جوان ہو پھولے پھلے رہے شادان
بلند قدر جوان بخت نیک سیرۃ ہو
رہے ہمیشہ ضیا بخش عالم امکان
حکیم کی طرح صادق غلام احمد ہو
امام وقت پر مال و جان سے قربان
الٰہی دونوں سلامت رہیں قیامت تک
یہی خواہش بسمل یہی ہے ورد زبان

عبدالحکیم ہوشیار پوری

(البدر قادیان 8 جنوری 1904ء صفحہ 18)

مکرم چوہدری عبد الرحیم صاحب کا بچپن کاٹھ گڑھ میں گزرا۔آپ نے ابتدائی تعلیم آریہ ہائی سکول کاٹھگڑھ میں ہی حاصل کی۔آپ کے اپنے والد کی خوبیوں کے سچے جانشین ہوئے۔ہونہار کے چکنے چکنے پات ۔چوہدری عبدالرحیم خاں بھی اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چلے۔معاشرتی رکھ رکھاؤ، مہمان نوازی تو آپ کی گھٹی میں شامل تھی۔آپ بھی برادری کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔آپ ہمیشہ اپنے والد کے دوستوں کی بات مانتے۔بلکہ اپنے والد کی تمام روایات کو زندہ رکھا۔جماعت احمدیہ کی روایات کو بھی زندہ رکھا۔آپ بھی اپنے والد مرحوم کی طرح بہت ہی معاملہ فہم اور ذہین تھے۔سب فیصلے برادری سے مشورے کے بعد کرتے۔اور برادری کے اتحاد کو مقدم رکھتے۔اور والدین کی اچھی تربیت کے نتیجے میں خلافت سے ہمیشہ وابستہ رہے۔

مہمان نوازی

سب آنے والوں کے آرام اور آسائش کو مقدم رکھتے۔آپ کے دور میں قادیان سے بہت سے وفود تشریف لاتے رہے۔آپ ان کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔بعض اوقات جو علاقائی یا مقامی طور پر سکھوں اور مسلمانوں کے جھگڑے ہوتے اور مذہبی رنگ اختیار کر جاتے تو چوہدری عبدالرحیم خاں اپنی خداداد فراست سے ان مسائل کو حل کرتے اور اپنی برادری کا خاص خیال رکھتے۔اس طرح برادری کا رُعب اور دبدبہ قائم اور دائم رہا۔ چوہدری عبدالرحیم خاں خوبصورت جوان تھے۔دلیر اور نڈر نمبردار تھے۔اردگرد کے سب اہل دیہات کی شادی غمی میں برابر کے شریک ہوتے تھے۔اور سب راجپوتوں اور دیگر برادریوں کے دُکھ سُکھ میں کام آتے تھے۔غرباء اور مساکین کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیتے اور سب برادری کو برابر سمجھتے اور سب سے یکساں سلوک کرتے۔بلکہ حفظِ مراتب کا خیال بھی رکھتے ۔

افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کاٹھگڑھ میں آمد

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کے بھی بہت اچھے تعلقات تھے۔حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد مصلح موعودؓ نے بھی وسط دسمبر 1908 میں کاٹھگڑھ کا دورہ کیا تھا۔اس سفر میں حضرت میر محمد اسحق صاحب آپ کے ساتھ تھے۔(تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ 73) آپ نے بٹالہ سے پھگواڑہ تک بذریعہ ریل سفر کیا۔

کاٹھگڑھ پہاڑیوں کے دامن میں تھا۔یہ کوہستانی سلسلہ شملہ تک چلا جاتا تھا۔اور یہ علاقہ شکار کے لئے بہت موزوں تھا۔اس لئے شکار کے لئے صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب ،نواب مسعود احمد خان بھی کاٹھگڑھ تشریف لاتے رہے اور چوہدری عبدالرحیم خاں کے مہمان

ٹھہرتے۔

بہترین نشانہ باز

چوہدری عبدالرحیم خاں صاحب ایک بہترین نشانہ باز اور ماہر شکاری تھے۔ ایک بار پتہ چلا کہ نزدیکی گاؤں میں روزانہ رات کو شیر آتا ہے اور کوئی نہ کوئی جانور کھا جاتا ہے۔اس گاؤں میں آپ نے مچان بنا کر رات کو شیر کو مار گرایا تھا۔ اس پر حکومت نے آپ کو بلجیم کی بندوق مع سارے ہندوستان کا لائیسنس دیا تھا

احمدیہ مڈل اسکول کے جاری رکھنے کے لئے مساعی

کاٹھگڑھ میں مولوی عبدالسلام صاحب کی وفات کے بعد احمدیہ مڈل سکول کچھ عرصہ کے لئے بند ہو گیا تو وہ دوبارہ چوہدری عبدالرحیم خاں کے تعاون سے کھلا۔ آپ نے ایک دن ساری برادری کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ بھائیو! میں آپ سے دو باتیں منوانا چاہتا ہوں۔

(1) کل سے ہمارے سب بچے آریہ سکول نہ جائیں۔

(2) یہ کہ مجھے فوری طور پر اس سکول کو چلانے کے لئے چار ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔

فوری طور پر دوسرے ہی دن سکول کے لئے اپنی کوٹھی فراہم کر دی۔ سب برادری نے تعاون کیا۔ اپنے پڑھے لکھے دوستوں کو سکول میں مدرس رکھا۔ عرصہ دراز تک ان کے قیام وطعام اور مشاہرہ جات کا خرچ خود برداشت کرتے رہے۔ بعد ازاں مرکز سے سکول کو امداد ملنے لگ گئی۔ اور یہ احمدیہ ہائی سکول قیام پاکستان تک خوش اسلوبی سے چلتا رہا۔

تقسیم ہند کے وقت بہترین معاملہ فہمی

آپ عرصہ تک امیر جماعت کاٹھگڑھ بھی رہے۔ چوہدری صاحب انتہائی فراخ دل اور مہمان نواز تھے۔ مرکز سے آمدہ مہمانوں کی میزبانی ہمیشہ ان کا شعار رہی۔ آپ کی وجاہت اور رعب۔ غیروں سے اخلاقی تعلقات اور تعاون کا قیام پاکستان کے وقت چوہدری صاحب کو اور عوام الناس کو اس قدر فائدہ ہوا کہ آپ کے سکھ دوست تمام اہل کاٹھ گڑھ کو (تمام فسادیوں، جتھہ داروں کی مخالفت مول لے کر) موضع راہوں ضلع جالندھر (واقع کیمپ) تک چھوڑ گئے۔ تمام سکھ دوست قافلہ کے چاروں طرف گھوڑوں پر سوار کر پانوں سمیت سب قافلے محافظ رہے اور جب وہ الوداع ہوئے تو ان سکھ حضرات کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس طرح تمام اہل کاٹھگڑھ کا کوئی بھی مالی اور جانی نقصان نہ ہوا۔ یہ کارنامہ چوہدری صاحب کی خدمات میں سے ایک سنہری اور تاریخی احسان ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے۔

پاکستان روانگی۔

تقسیم ہند کے بعد مکرم چوہدری عبدالرحیم خاں اپنی برادری کے ساتھ چک نمبر 68 ج ب فیصل آباد پنجاب میں رہائش پذیر ہو گئے۔ اور آپ کو نمبرداری بھی مل گئی۔ اس کے علاوہ آپ نے کئی مربہ زمین واں بھچراں ضلع میانوالی میں خریدی کچھ الاٹ کروائی۔ وہاں جدید کاشت کاری کو رائج کیا۔ وہاں مرغی خانہ اور لائیو سٹاک فارم بھی بنایا۔ نہر کے اوپر ڈیزل انجن لگا کر بالائی حصے کو آبپاش کیا۔ اور 1951 میں آپ نے میسی فرگوسن ٹریکٹر بھی خریدا۔ جسے اکثر خود بھی چلایا کرتے تھے۔

بڑے بڑے زراعت محکمے کے لوگ آپ کی کاشتکاری دیکھنے آیا کرتے تھے۔ کپاس، گنا، مکئی، گندم سوسوا ایکڑ کاشت کیا کرتے تھے۔ کینو اور مالٹے مسمی کا باغ بھی لگایا ہوا تھا۔ اپنی برادری کے نوجوانوں کو آبادکاری اسکیم کے تحت ایک گاؤں چک نمبر 2 ٹی ڈی اے خوشاب میں ملکیت ایک ہزار ایکڑ کا الاٹ کروا دیا۔ جہاں چوہدری عبدالرحیم خاں کے چچازاد بھائی اور بھانجے بھتیجے آباد ہوئے۔ ہر کسی کے نام پندرہ ایکڑ زمین الاٹ ہوئی۔ چوہدری صاحب اکثر خوشی اور غمی کے مواقع پر چک 2 ٹی ڈی اے تشریف لایا کرتے تھے۔

مکرم چوہدری عبدالرحیم صاحب کی خاندان حضرت مسیح موعود سے محبتؑ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے دوستانہ تعلقات

قیام پاکستان کے بعد چوہدری عبدالرحیم خاں صاحب چک نمبر 68 ج ب تحصیل و ضلع فیصل آباد میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ چونکہ خود حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ چوہدری عبد الرحیم خاں صاحب کے بہت گہرے مراسم تھے۔ اس لئے قیام پاکستان سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ شکار کیلئے اکثر کاٹھ گڑھ جایا کرتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی جب حضور کالج کے پرنسپل تھے اور بعد میں

جماعت کے خلیفہ مقرر ہوئے تو یہ دوستانہ تعلقات قائم رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضور کالج کے پرنسپل تھے تو چوہدری عبدالرحیم خاں صاحب کے ڈیرے پر واں بھچراں ضلع میانوالی بغیر اطلاع دیئے تشریف لے گئے اور بلا تکلف چولہے کے سامنے بیٹھ کر سادہ کھانا کھایا۔ پورا واقعہ تشحیذ الاذہان اپریل مئی 1983ء میں اس طرح درج ہے۔ چوہدری عبدالرحیم خاں صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اچانک ان کے ڈیرے پر تشریف لے آئے۔ ہمیں اس رنگ میں حضور کی اچانک آمد کی بے انتہا خوشی ہوئی اور آپ کے مناسبِ حال کھانے کا انتظام کرنے لگے۔ تو آپ نے فرمایا کہ بالکل تکلف نہیں کرنا اور میں وہی کھاؤں گا جو اس وقت گھر میں موجود ہوگا چنانچہ آپ نے کھانا چولہے کے سامنے بیٹھ کر ہمارے ساتھ تناول فرمایا اس حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی طبیعت کے عجز اور سادگی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

محترم صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب سے بھی آپ کے نہایت دوستانہ تعلقات تھے۔ اسی طرح نواب محمد احمد خان صاحب اور نواب مسعود احمد خان صاحب سے بھی نہایت ہی ذاتی تعلقات تھے کیونکہ نواب صاحبان کی کافی زمین اس طرف تھی۔ صاحب ثروت ہونے کے باوجود آپ ہمیشہ سادہ لباس پہنتے تھے۔ کبھی بھی غرور اور کبر کو پسند نہ کیا۔ کئی مشکل اور صبر آزما مواقع پر نہایت ہی اعلیٰ صبر کا مظاہرہ کیا۔ بلند ہمت اور عالی حوصلہ تھے۔ سب کا درد بانٹتے اور ہر کسی کی مشکل کے وقت ڈھارس بندھاتے۔ اور اس کی حسب توفیق مدد کیا کرتے۔ اقرباء۔ یتیموں۔ مسکینوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ خاندان میں ایک مرکز تھے۔ ہر کوئی اپنا مسئلہ آپ سے بیان کرتا۔ اور بہتر حل اور مشورہ لے کر جاتا۔

ایک دلچسپ واقعہ!

مکرم جناب محمد خاں صاحب (والد محترم محمد صادق ناصر انچارج خلافت لائبریری ربوہ) آفیسر حفاظتِ خاص بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ چوہدری عبدالرحیم خاں صاحب رئیس کاٹھ گڑھ ضلع ہوشیار پور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں پیش ہوئے چونکہ آپ دونوں بچپن کے دوست تھے اس لئے بے تکلف تھے۔ کسی بات پر چوہدری صاحب نے حضور سے کہا کہ میں راجپوت ہوں اس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ اب تمہارا راج نہیں رہا صرف پوت رہ گئے ہو۔ اس پر سارے ہنسنے لگے۔

آپ کی زمینوں میں مالٹا، کینو، مٹھے فروٹ وغیرہ کے باغات تھے۔ جب بھی موسم آتا تو برکت اور دعا کی خاطر خلیفۃ وقت کی خدمت میں ضرور پیش کرتے، اور افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھروں میں ضرور ارسال کیا کرتے تھے۔ زیادہ تر کام بہادر شیر کے ذمہ ہوتا تھا۔ کیونکہ حضور کے خاندان کے اس خاندان سے تعلقات ایک صدی پر پھیلے ہوئے ہیں۔ 1968ء میں جب کرنل منور احمد کی شادی ہوئی تو آپ کے سسر مکرم غلام اللہ خاں صاحب ڈائرکٹر ایگری کلچر انسٹیٹیوٹ پشاور تمغہ (قائد اعظم) کی بیٹی کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اپنے گھر قصر خلافت سے بڑی شفقت سے روانہ کیا تھا۔ اور اسی طرح پھر دعوت ولیمہ میں بہت سے افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چک 68ج۔ب فیصل آباد تشریف لا کر شرکت کی تھی۔

جلسہ ہائے سالانہ ربوہ پر آمد

چوہدری صاحب ہر جلسہ سالانہ پر ضرور آتے۔ ہمیشہ ہی آپ کا قیام مرزا منور احمد صاحب کے دولت خانہ پر ہوتا۔ جلسہ گاہ میں فراغت کے وقت سب عزیز رشتہ داروں سے ملتے اور سب کا حال احوال دریافت کرتے۔ برادری کے سب لوگ آپ کو مل کر خوشی محسوس کرتے۔ کیونکہ آپ ہر کسی کے کام آتے تھے اور ہر کسی کی اشک شوئی کرنا آپ کا شیوہ تھا۔

انتہائی صابر

1971ء جنگ میں جب آپ کے بیٹے کرنل منور احمد سقوط ڈھاکہ کے بعد انڈیا میں محصور ہوئے تو اس وقت آپ نے بہت صبر دکھایا (اس وقت کاٹھ گڑھ کے سکھ جو چوہدری صاحب کے دوست تھے) کرنل صاحب کی خبر گیری کے لئے رانچی کیمپ جایا کرتے تھے۔ جب کرنل صاحب قید سے رہا ہوئے تو آپ سیدھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو ملنے آئے۔ حضور نے آپ کی ساری فیملی کو بہت وقت دیا۔ مہمان نوازی کی اور بہت شفقت سے پیش آئے۔ اور آپ سب کی بہت حوصلہ افزائی کی۔

مسجد بشارت سپین کی سنگ بنیاد پر حاضری

آپ 1980 میں مسجد بشارت سپین کی سنگ بنیاد کے موقع پر سپین تشریف

لے گئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ چونکہ آپ کے جوانی کے دور کے دوست تھے۔ان کی ترغیب پر آپ شامل ہوئے تھے۔بہادر شیر بھی اس موقع پر وہاں موجود تھے۔اور ہمیں بتایا کرتے تھے کہ چوہدری صاحب اس موقع پر بہت پرمسرت تھے۔

واں بھچراں کی زمین کی فروخت

1984 میں آپ نے ساری زراعتی زمین فروخت کردی۔اور خود عملی زندگی سے ریٹائرڈ ہوگئے۔

چوہدری عبدالرحیم خاں کی دوستوں سے ہمدردی اور شفقت

مکرم نواب منصور احمد خاں صاحب اس حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ

محترم چوہدری عبد الرحیم صاحب عزیز و اقارب کے ساتھ ساتھ اپنے دوستوں کی بھی بھرپور مدد کیا کرتے تھے اور ہر ایک کی خبر رکھتے تھے۔آپ کے دوست محترم نواب مسعود احمد صاحب جو کہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ کے پوتے تھے آپ کے ساتھ ان کی دیرینہ دوستی تھی ۔جب اُنہیں مٹھہ ٹوانہ خوشاب کوٹھی نواب بجار میں زرعی رقبہ الاٹ ہوا تھا۔تو نواب صاحب کے مزارعین نے فصل کا حصہ نصف دینے سے انکار کردیا۔چوہدری صاحب کو خبر ملی تو آپ نے نواب صاحب سے رابطہ کیا اور تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے ۔اور علاقے کے حالات اور لوگوں کی ذہنیت کو بھانپتے ہوئے ایک منصوبہ بنایا۔68 ج ب میں آپ نے نیامت خاں جو کہ آپ کے ماموں زاد بھائی تھے کے بیٹے محمد حسین کو جو کہ اُس وقت گھبرو جوان شروع کردیں کہ نواب صاحب نے لائلپور سے گونگے بدمعاش کو بلایا ہے جو کہ بڑا خونی قاتل ہے۔جو بھی حصہ دینے سے انکار کرے گا اس کی خیر نہیں ۔غرض جب علاقے میں یہ افواہ پوری طرح زور پکڑ گئی تو آپ نے محمد حسین کو اپنی بندوق اور پستول پہنایا اور حکم دیا کہ پورے علاقے میں گھوڑے پر بیٹھ کر چکر لگاؤ بولنا نہیں ،مگر ہر بندے کو گھور کر دیکھنا ہے۔اور ملازمین کو ساتھ بجھوا دیا کہ ہر مزارعہ سے اس کا سامنا کرواؤ اور ان کو بتاؤ یہ گونگا بدمعاش ہے۔اگر کل تک فصل کوٹھی پر نہ پہنچی تو یہ ان لوگوں کو چھوڑے گا نہیں ۔اس طرح آپ کی حکمت اور تدبر سے اگلے دن ہی تمام مزارعین اپنا اپنا حصہ فصل لے کر پہنچ گئے اور نواب صاحب سے معافی بھی مانگی۔

محترم والد صاحب کے خاندان مسیح موعود علیہ السلام سے بہت قریبی تعلقات تھے۔حضرت مرزا ناصر احمد صاحب،ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور نواب مسعود احمد صاحب سے دوستانہ تعلقات تھے۔تینوں بزرگ اکثر و بیشتر شکار کے لئے کاٹھ گڑھ آیا کرتے تھے۔ہفتہ ہفتہ کاٹھ گڑھ میں رہتے اور شکار سے محظوظ ہوتے۔حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد بھی تعلقات میں وہی گرم جوشی قائم رہی۔اور حضور کا حکم تھا کہ آپ جب بھی واں بھچراں سے فیصل آباد آئیں گے یا واپس جائیں گے تو مجھے مل کر جائیں گے۔محترم بھائی ناصر احمد بہادر شیر سے روایت ہے کہ میں کسی وجہ سے قصرِ خلافت میں موجود نہیں تھا محترم چچا جان چوہدری عبدالرحیم خانصاحب دوپہر کے وقت قصرِ خلافت پہنچے اور ڈیوٹی پر موجود عملہ نے بتایا کہ حضور آرام فرما رہے ہیں میں ان کو نہیں جگا سکتا۔چوہدری صاحب نے اصرار کیا مگر اس نے اطلاع دینے سے معذرت کرلی۔جس پر چوہدری صاحب نے چٹ پر لکھ دیا کہ میں آپ سے ملنے کے لئے آیا تھا مگر آپ کے عملہ نے مجھے انکار کردیا اب میں واں بھچراں جا رہا ہوں تھوڑی دیر کے بعد حضور نمازِ عصر کے لئے جانے لگے تو میں بھی ڈیوٹی پر پہنچ گیا۔

حضور نے جب رقعہ پڑھا تو سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اس کارکن کی سزا یہ ہے کہ فوراً واں بھچراں جائے اور چوہدری صاحب سے معذرت کرے۔اور کل ان کو واپس لے کر ربوہ آئے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اگلے دن چوہدری صاحب واپس ربوہ آئے اور حضور سے ملاقات کی۔

جلسہ سالانہ پر آپ کی رہائش نواب مسعود صاحب کے گھر ہوتی تھی۔جلسہ سالانہ پر روانگی سے قبل ہماری والدہ بہت سا،ساگ اور مکئی کی روٹیاں اور مکھن تیار کرتی تھیں۔اور اپنے باغ کے کینوں بطور تحفہ نواب مسعود صاحب کے گھر اور صاحبزادہ مرزا منور احمد کے گھر بجھواتے تھے۔

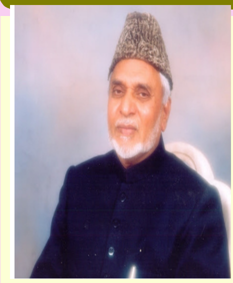
نواب صاحب کے گھر رہائش پذیر تمام مہمان اور گھر والے بھی اس انتظار میں ہوتے تھے کہ چوہدری صاحب کے گھر سے آئے ہوئے ساگ اور مکئی کی روٹیوں سے کب لطف اندوز ہوں۔اور اس بات کا برملا اظہار کرتے کہ ساگ

اور مکئی کی روٹی سے جلسہ کا مزا دوبالا ہوجاتا تھا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ ایک اچھے گھڑسوار اور گھوڑوں کی پہچان بھی رکھتے تھے۔لیکن اس کے باوجود حضور جب بھی کوئی گھوڑا یا بھینس خریدتے تو والد محترم کو پیغام بھیجتے تو آپ آکر جانور کو چیک کرتے اور رائے دیتے اور آپ کی رائے صائب ہوتی۔

جلسہ سالانہ پر اجتماعی ملاقات کا احوال کچھ اس طرح ہے کہ چونکہ آپ کا خاندان 4 اضلاع میں پھیل چکا تھا تمام احباب محترم بھائی ناصر احمد بہادر شیر کے گھر اکٹھے ہوئے اور والد محترم کی سربراہی میں تمام خاندان ایک ہی وقت پر ملاقات کے لئے آجاتا۔اور اگر فیصل آباد کی باری ہوتی تو تمام خاندان فیصل آباد کی لائن میں لگ جاتا۔اور اگر جھنگ اور میانوالی یا خوشاب کی باری ہوتی تو تب بھی لائن میں کھڑے ہوجاتے والد صاحب حضور سے ملاقات کرنے کے بعد حضور کے پاس کھڑے ہوجاتے اور تمام افراد کے خاندان کا فرداً فرداً تعارف کرواتے اور آخری فرد تک کا تعارف کروانے کے بعد جب حضور سے اجازت چاہتے تو حضور تحفہ کے طور پر ایک شہد کی بوتل آپ کو دیتے تھے۔غرض عجیب پر کیف نظارہ ہوتا تھا جس کا تصور آج تک دماغ میں نقش ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی وفات پر آپ جنازہ میں شریک ہوئے تو تدفین کے وقت قطعہ خاص سے بار بار اعلان ہوا کہ چوہدری عبدالرحیم آگے آکر قبر پر مٹی ڈالنے کی سعادت حاصل کریں۔لیکن بے پناہ رش کی وجہ سے آپ قبر تک نہ پہنچ سکے اور مایوس ہوکر واپس آگئے۔

وفات و تدفین

آپ موصی تھے۔آپ 1986 میں اپنے بیٹے کرنل منور احمد کے پاس کوئٹہ میں مقیم تھے۔جون میں اسی سال آپ کی وفات ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔جنازہ ربوہ لایا گیا۔ممبران جماعت اور برادری کے سب سوگواروں نے نماز جنازہ پڑھی۔موصی ہونے کی وجہ سے بہشتی مقبرہ میں تدفین ہوئی۔خلق خدا کے لئے شفیق اور نفع رساں وجود تھے۔آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔اور خلق خدا کے لئے ایک شجر سایہ دار سے کم نہ تھے۔خدا تعالیٰ غریق رحمت کرے۔آمین۔



چوھدری حمیداللہ صاحب مرحوم

قاعدوں کا تھا محافظ ضابطوں کا پاسباں
تھا لبِ خاموش لیکن ایک بحرِ بیکراں
دین کی خدمت میں اپنی زندگی کرکے بسر
اِک درینہ خادمِ دِیں چل دیا اگلے جہاں
سِلسلہ کا تھا وہ اک جرنیلِ بندۂ حمید
یاد رکھی جائے گی خدمت کی اس کی داستاں
تھا خلافت کے وفاداروں میں اک ایسی نظیر
آئے گا تاریخ کے اوراق میں جس کا بیاں
اُس کے اوصافِ حمیدہ اور بھی تو ہیں بہت
ذات میں اسکی چمکتے ہیں وہ جیسے کہکشاں
جنت الفردوس میں اسکے مراتب ھوں بلند
مہرباں اُس پر رہے ہر آں خدائے مہرباں
ڈھانپ لینا مغفرت کی اپنی چادر میں اُسے
ہے دعا گو یہ ظفر تجھ سے خدائے کل جہاں

لاحَول شیطان کے حملوں سے بچاؤ کا ذریعہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

”یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ شیطان لاحَول سے بھاگتا ہے۔مگر وہ ایسا سادہ لوح نہیں کہ صرف زبانی طور پر لاحَول کہنے سے بھاگ جائے۔اس طرح تو خواہ سو دفعہ لاحَول پڑھا جاوے وہ نہیں بھاگے گا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس کے ذرہ ذرہ میں لاحَول سرایت کر جاتا ہے اور جو ہر وقت خدا تعالیٰ سے ہی مدد اور استعانت طلب کرتے رہتے ہیں اور اس سے ہی فیض حاصل کرتے رہتے ہیں، وہ شیطان سے بچائے جاتے ہیں اور وہی لوگ ہوتے ہیں جو فلاح پانے والے ہوتے ہیں۔(ملفوظات جلد 10 صفحہ 61)



گیارہ اگست کی تقریر کا آسیب اور مظلوم اوریا مقبول جان صاحب

از ابو نائل

اگر قائداعظم محمد علی جناح 11 اگست 1947 کو پاکستان کی قانون ساز اسمبلی میں اپنی تاریخی تقریر نہ کرتے تو کیا ہوتا؟ کم از کم مکرم اوریا مقبول جان صاحب کی صحت پر وہ منفی اثرات نہ مرتب ہوتے جواب ہو رہے ہیں۔ ہر کچھ عرصہ بعد وہ کالم لکھنے کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں جن میں ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ قائداعظم ہرگز کوئی سیکولر شخص نہیں تھے اور نہ ہی وہ پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کا کوئی ارادہ رکھتے تھے۔ یہ سب پاکستان کے سیکولر طبقہ کی سازش ہے اور یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے قائداعظم کی جعلی تقریر گھڑنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

اوریا صاحب ان کالموں میں دو نکات پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قائداعظم نے 11 اگست 1947 کو کوئی ایسی تقریر کی ہی نہیں تھی جس میں تمام مذاہب کے لوگوں کے لئے برابر کے حقوق کا ذکر ہو۔ اور دوسرا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ جسٹس منیر نے 1953 کے فسادات پنجاب پر بننے والی تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں قائداعظم کے الفاظ کو بدل کر انہیں سیکولر لیڈر بنا دیا۔ ورنہ قائداعظم دل و جان سے پاکستان کو ایک مذہبی ریاست بنانا چاہتے تھے۔

پہلے اس سلسلہ میں انہوں نے 30 دسمبر 2013 کو روزنامہ دنیا میں ایک کالم تحریر کیا اور انہیں دو نکات کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت 11 اگست 1947 کی تقریر والے پہلو پر بہت سے محققین نے جواب دیا تھا۔ حیرت ہے کہ مکرم اوریا مقبول جان صاحب نے یہ دلیل تو پیش کی کہ سول اینڈ ملٹری گزٹ میں یہ تقریر شائع نہیں ہوئی تھی اور اس بنیاد پر وہ اس تقریر کے وجود کا ہی انکار کرتے ہیں۔ لیکن اس تقریر کو ڈھونڈنے کے لئے اخبارات کی پرانی فائلوں کی چھان پھٹک کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ دوسرے ممالک کی طرح پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا ریکارڈ بھی شروع سے لے کر اب تک باقاعدہ شائع ہوتا آیا ہے۔ اور اب یہ ریکارڈ قومی اسمبلی کی سائٹ پر میسر ہے۔

میری مکرم اوریا مقبول جان صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات سے گزارش ہے کہ قومی اسمبلی کی سائٹ پر جائیں۔ اس کی اوپر والی پٹی پر legislative Business پر کلک کر کے NA Debates پر کلک کریں اور 11 اگست 1947 کی تاریخ کا انتخاب فرمائیں۔ اس روز کی ساری کارروائی قائداعظم کی تقریر سمیت آپ کے سامنے آجائے گی۔ اس تقریر کو تلاش کرنے کے لئے کسی شرلاک ہومز کی کوئی ضرورت نہیں، اس طریقہ پر آپ دو تین منٹوں میں سچ تک پہنچ سکتے ہیں۔

بہر حال یہ تو 11 اگست کی تقریر کا قصہ تھا۔ قائداعظم ایک معروف شخصیت تھے۔ بالفرض آپ نے 11 اگست والی تقریر کبھی نہ کی ہوتی۔ اور نہ ہی جسٹس منیر یا ان کی لکھی ہوئی رپورٹ کا کوئی وجود ہوتا تو بھی قائداعظم کے نظریات اتنے گمنام نظریات نہیں تھے کہ وہ دنیا کی نظر سے پوشیدہ رہتے۔

حال ہی میں اوریا مقبول جان صاحب نے اس قسم کا ایک اور کالم تحریر فرمایا ہے۔ اس کا عنوان ہے "ایک سیکولر سابقہ چیف جسٹس آف پاکستان"۔ اس تحریر میں انہوں نے ایک بار پھر یہ الزام لگایا ہے کہ جسٹس منیر نے اپنی رپورٹ میں قائداعظم کے ایک انٹرویو کے الفاظ کو تبدیل کر کے شامل کیا ہے تاکہ قائداعظم کو سیکولر ثابت کیا جا سکے۔ اس کالم میں وہ لکھتے ہیں:

"یہ انکوائری کمیشن تحریک ختم نبوت کے دوران ہونے والے ہنگاموں کی تحقیق کے لئے بنایا گیا تھا، لیکن جسٹس منیر نے شرارتاً، اسلام اور نظریہ پاکستان کے تصورات کو بھی زیر بحث لانا شروع کر دیا۔ وہ اس بحث سے

اپنے مذموم مقاصد کا حصول چاہتا تھا۔نظریہ پاکستان اور تخلیق پاکستان کو اسلام سے علیحدہ ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا کہ جھوٹ اور دھوکے بازی سے بانی پاکستان قائداعظمؒ کو بھی سیکولر ثابت کیا جائے۔ایسا مواد قائداعظمؒ کے افکار وخیالات اور تقاریر میں تو کہیں ملتا نہیں تھا۔

اس لئے جسٹس محمد منیر اور اس کے ساتھی جسٹس رستم کیانی نے قائداعظمؒ کے "رائٹرز" کو دیے گئے انٹرویو میں ردوبدل کر کے اپنا مقصد پورا کیا۔اس جھوٹ پر آج تک پردہ ہی پڑا رہتا،اگر مشہور ناول نگار سید فضل احمد کریم فضلی کی صاحبزادی سلینہ کریم اس پر تحقیق نہ کرتی۔نوٹنگھم، برطانیہ کی رہنے والی اس عظیم خاتون نے رائٹرز کے دفاتر میں جا کر اصل ریکارڈ کو تلاش کیا اور اس بددیانتی کا پول کھولا۔وہ کہتی ہے کہ" جسٹس منیر نے جب قائداعظمؒ کا فقرہ تبدیل کیا تو جیسے کوئی چور،اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے ویسے ہی اس سے انگریزی کی ایک ایسی غلطی ہوگئی جس سے مجھے شک گزرا کہ یہاں ضرور بددیانتی ہوئی ہے۔

سلینہ کریم نے جب اصل فقروں اور جسٹس منیر کے بددیانتی والے فقروں کا موازنہ کیا تو جھوٹ سامنے آ گیا۔قائداعظمؒ نے کہا تھا:

"The Government of Pakistan can only be a Popular Representative Democratic form of Government"

" پاکستان کی حکومت ایک مقبول، نمائندہ جمہوری حکومت ہوگی"۔اب جسٹس منیر کا بدلا ہوا بددیانت فقرہ ملاحظہ کریں۔

"The new State would be a Modern Democratic state with Sovereignty Resting in People"

"نئی ریاست ایک جدید، جمہوری ریاست ہوگی جس کا اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہوگا"۔قائداعظمؒ کے منہ میں ان الفاظ کو ڈالنا "اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہوگا" دراصل قائداعظمؒ کی زبان سے قرارداد مقاصد کے اس تصور کی تکذیب مقصود تھی،جس میں لکھا گیا تھا کہ"اقتدار اعلیٰ اللہ سبحان وتعالیٰ کے پاس ہے اور حکومت اس کی امین ہے۔"

انصاف کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے اوریا مقبول جان صاحب کے اصل الفاظ درج کر دیئے ہیں۔اب اس بارے میں حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔اوریا مقبول جان صاحب نے 2013 کے آخر میں جو کالم تحریر فرمایا تھا اس میں بھی یہی الزام لگایا تھا کہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں جسٹس کیانی اور جسٹس منیر نے قائداعظم کے الفاظ میں تحریف کر کے غلط تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔بلکہ انہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ جسٹس منیر نے قائداعظم کے انٹرویو کے پیرے کے پیرے تبدیل کر دیئے تھے۔

عرض ہے کہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں اس انٹرویو کا ذکر انگریزی کی رپورٹ کے صفحہ 300 پر اور اردو کی رپورٹ کے صفحہ 215 پر ہے۔یہاں پر اس انٹرویو کا ذکر صرف پانچ سطروں تک محدود ہے۔یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس انٹرویو کے پہرے کے پہرے تبدیل کر دیے گئے ہوں۔اوریا صاحب مبالغہ کے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے بہت دور نکل گئے۔یہ تحریر کا اصول ہے کہ اگر کسی کا بیان قوسین میں درج کیا جائے تو اس کے معین الفاظ درج کرنے ضروری ہوتے ہیں لیکن اگر کسی کا بیان قوسین یا Inverted Commas کے بغیر درج کیا جائے تو اس کا خلاصہ بیان کرنا یا اسے معنوی طور پر درج کرنا کافی ہوتا ہے۔اس رپورٹ میں اس انٹرویو میں قائداعظم کے الفاظ قوسین میں درج نہیں کیے گئے۔اس لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ جج صاحبان معین الفاظ درج کرتے۔

اوریا صاحب نے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ قائداعظم نے یہ نہیں کہا تھا کہ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہوگا اور جج صاحبان نے یہ الفاظ قائد اعظم کے منہ میں ڈالے ہیں تاکہ اسلامی نظریات اور قرارداد مقاصد کی تکذیب کی جاسکے۔اس بارے میں گزارش ہے کہ قائداعظم کا یہ انٹرویو نیٹ پر موجود ہے۔اوریا صاحب نے اپنے کالم میں قائداعظم کا مکمل بیان درج نہیں کیا۔آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔پہلی قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس انٹرویو

میں قائداعظم نے یہ ہر گز نہیں کہا تھا کہ پاکستان ایک مذہبی ریاست ہو گی۔

قائداعظم کے اصل الفاظ یہ تھے:

"Government of Pakistan can only be a popular representative and democratic form of Government. Its Parliament and Cabinet responsible to the Parliament will both be finally responsible to the electorate and the people in general without any distinction of caste, creed or sect, which will the final deciding factor with regard to the policy and programme of the Government that may be adopted from time to time."

ترجمہ: پاکستان کی حکومت ایک مقبول، نمائندہ اور جمہوری حکومت ہی ہو سکتی ہے۔اس کی پارلیمنٹ اور کابینہ جو پارلیمنٹ کو جواب دہ ہو گی، اور دونوں آخر کار نسل، عقیدہ اور فرقے کی تفریق کے بغیر عوام کو جوابدہ ہوں گے۔اور یہی آخری فیصلہ کن عنصر ہو گا جو فیصلہ کرے گا کہ مختلف اوقات میں گورنمنٹ کی پالیسیاں اور پروگرام کیا ہوں گے؟

میری انگریزی کمزور ہے۔ فاضل پڑھنے والے خود ہی پڑھ کر فیصلہ کر لیں کہ کیا اس انٹرویو میں یہ نہیں لکھا ہوا کہ پاکستان میں ہر پالیسی کا آخری فیصلہ عوام کی رائے کرے گی؟ اور کیا ان الفاظ یہ مطلب نہیں نکلتا کہ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہو گا؟ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس انٹرویو کا کون سا حصہ اور یا مقبول جان صاحب کے نظریات کی تائید کر رہا ہے۔ اس انٹرویو میں تو ہو بہو وہی نظریات بیان کیے گئے ہیں جو 11 اگست کی تقریر میں بیان کیے گئے تھے۔

(مورخہ 10 نومبر 2021 "بشکریہ ہم سب")

❁❁❁❁



کفار کا طرزِ عمل۔اسے مار دو یا جلا دو

(انصر رضا۔کینیڈا)

مملکت خداداد پاکستان میں ابھی حال ہی میں ایک نہایت خونچکاں اور انسانیت سوز واقعہ پیش آیا جس میں سیالکوٹ میں ایک فیکٹری کے سری لنکن غیر مسلم مینیجر کو نہایت بے رحمانہ تشدد کا نشانہ بنا کر نہ صرف ہلاک کیا بلکہ اس کی لاش کو نذر آتش بھی کیا گیا۔اگرچہ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ نہیں ہے لیکن اب تک پاکستانی احمدی مسلمانوں، چند غیر احمدیوں، مسیحیوں اور ہندوؤں کو ہی اس قسم کے تشدد اور بے رحمانہ سلوک کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے مگر اب پاکستان میں مقیم ایک غیر ملکی غیر مسلم کو توہین مذہب کی آڑ میں ہلاک اور جلایا گیا ہے۔قابل اجمیری کا مشہور شعر ہے:

"وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا"

اگر روزِ اوّل سے ان واقعات کا سدِّ باب کر دیا جاتا اور مرتکبین کو قابل عبرت سزا دی جاتی تو ایسے مزید واقعات نہ ہوتے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ واقعات کیوں ہوئے۔ان کا پس منظر کیا ہے۔جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ اور طرزِ عمل نیا نہیں ہے۔اگرچہ چہرے نئے ہیں لیکن کردار وہی پُرانے ہیں۔قابیل سے قتلِ بے گناہ کی جو رسم چلی وہ آج تک جاری ہے۔ذاتی عناد اور مفادات کے ٹکراؤ کو مذہبی رنگ دے کر مخالف سے درندوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔اس واقعہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔ چند صحافیوں کی تحقیق کے مطابق مزدور طبقہ اس مینیجر سے خوش نہیں تھا لہٰذا توہین مذہب کا الزام لگا کر اسے مار دیا گیا

ہر دور کے منکرین کا یکساں ردِّ عمل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منکرین و مخالفین انبیاء ہر دور میں ایک جیسا ہی ردِّعمل دکھاتے ہیں۔

مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدۡ قِیۡلَ لِلرُّسُلِ مِنۡ قَبۡلِکَ ط....

حٰم السجدۃ۔44)

تجھے کچھ نہیں کہا جاتا مگر وہی جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا۔

تمہارا کام تبلیغ۔میرا کام حساب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کا کام صرف تبلیغ ہے۔حساب کتاب اللہ کا کام ہے۔

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ......(الرعد۔41)

تیرا کام صرف کھول کھول کر پہنچا دینا ہے اور حساب ہمارے ذمہ ہے۔

لیکن غیر احمدی علماء تبلیغ اور وعظ و نصیحت کی بجائے عوام کو بھڑکا کر اللہ کا کام یعنی حساب کتاب کرتے ہوئے لوگوں کو سزائیں دے رہے ہیں۔

کفّار کو مہلت دو اور ان کی سزا کا کام اللہ پر چھوڑ دو

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منکرین و مخالفینِ اسلام کو مجھ پر چھوڑ دو۔

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ...(القلم۔45)

پس تُو مجھے اور اُسے جو اُس بیان کو جھٹلاتا ہے چھوڑ دے۔

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا

(المزمّل۔12)

اور مجھے اور ناز و نعم میں پلنے والے مکذبین کو (الگ) چھوڑ دے اور اُنہیں تھوڑی سی مہلت دے۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا(المدثّر۔12)

مجھے اور اس کو جسے میں نے پیدا کیا اکیلا چھوڑ دے۔

لیکن غیر احمدی علماء کہتے ہیں کہ ہم یہ کام اللہ پر نہیں چھوڑیں گے اور توہین رسالت کرنے والوں کو کوئی مہلت نہیں دیں گے اور انہیں خود سزا دیں گے۔

طائف کے غنڈوں کی روش

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ طائف کے سرداروں نے ایسا ہی سلوک کیا تھا کہ خود تو پیچھے رہے لیکن لڑکوں کے ہاتھوں میں پتھر تھما کر انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اس قدر تشدد کروایا جس کی مثال نہیں ملتی۔

اِسے مار دو یا جلا دو

جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں بتایا گیا کہ مخالفین کو قتل کرنے یا جلا دینے کا طرزِ عمل نیا نہیں ہے۔حضرت ابراہیمؑ کے متعلق آپ کی قوم نے کہا

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ

الانبیاء۔69

انہوں نے کہا اس کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کچھ کرنے والے ہو۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ

(العنکبوت۔25)

پس اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا اسے قتل کر دو یا جلا دو۔

زمانۂ حال کے مخالفین کا نیا کام

زمانۂ حال کے مخالفین کا نیا کام اب یہ ہے کہ یہ نام نہاد مسلمان اب مارنے یا جلانے کی بات نہیں کرتے بلکہ پہلے مارتے ہیں پھر جلاتے بھی ہیں۔یہ درندگی اب پھیلتی ہی جارہی ہے جس کا اعتراف باشعور دانشور طبقہ دبے لفظوں میں کر رہا ہے لیکن ہجوم کے خوف سے برملا بات نہیں کرتا۔یہ لوگ ان حالات سے پریشان تو بہت ہیں لیکن ”نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن“ کے مصداق اس کا کوئی حل تلاش نہیں کر پاتے اور حیران ہے کہ جائیں تو جائیں کہاں۔

حصارِ احمدیت

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان درندوں سے بچنے اور امن میں آنے کا حل بتلا دیا ہے۔کاش یہ قوم سمجھ جائے۔حضورؑ فرماتے ہیں:

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

(بحوالہ الفضل آن لائن 4 دسمبر 2021ء)

سیالکوٹ میں قتل: یہ ایک جرم نہیں، قومی مزاج کا پرتو ہے



سید مجاہد علی

سیالکوٹ میں لاقانونیت کے ایک واقعہ پر وزیر اعظم اور آرمی چیف کی مذمت اور قصورواروں کو عبرت ناک سزائیں دینے کے بیانات سے کیا یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ پاکستانی حکومت اور ریاست ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھنے پر آمادہ ہے اور مذہب کی آڑ میں انسانی جانوں کو ضائع کرنے کا طریقہ قومی سطح پر نا قابل قبول عمل کہلائے گا؟ بادی النظر میں یہ قیاس کر لینا ممکن نہیں ہے۔

پاکستان میں توہین مذہب کے شبہ میں ایک فیکٹری منیجر کو زدوکوب کر کے ہلاک کرنے کے بعد اس کی لاش کو جلا کر بھسم کرنے کا واقعہ عقیدہ کی وجہ سے قانون کو ہاتھ میں لینے کا نہ تو پہلا واقعہ ہے اور نہ ہی یہ امکان ہے کہ یہ آخری واقعہ ثابت ہوگا۔ حالیہ تاریخ میں لاقانونیت کے ملتے جلتے ایک واقعہ میں گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے قاتل ممتاز قادری کو موت کی سزا ہوئی تھی جس پر عمل بھی کیا گیا تھا۔ تاہم اسلام آباد کے نواح میں اس قانون شکن اور قاتل کا عالیشان مقبرہ اور وہاں 'حاضری' دینے والوں کی کثیر تعداد، اب بھی یہ چغلی کھاتی ہے کہ توہین مذہب و رسالت کے معاملہ کو عوامی جذبات کی نفسیات کا یوں حصہ بنا دیا گیا ہے کہ ایسے واقعات میں دلیل یا عقل کا استعمال ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ ملکی نصاب سے لے کر سیاسی مزاج اور ضرورتوں تک نے اس شدت پسندانہ مذہبی رویہ کی آبیاری کی ہے اور اب یہ اتنا تناور درخت بن چکا ہے کہ وزیر اعظم اور آرمی چیف کے ایک بیان سے اسے شاخوں سمیت گرا دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

سیالکوٹ کی ایک فیکٹری میں منیجر کے عہدے پر کام کرنے والے سری لنکا کے ایک شخص کے بارے میں یہ افواہیں پھیلائی گئیں کہ اس نے توہین رسالت کی ہے۔ کسی بھی ذریعہ سے ابھی تک یہ تصدیق نہیں ہوسکی کہ متوفی پریانتھا کمارا سے کیا قصور سرزد ہوا تھا۔ کوئی کہتا ہے اس نے کوئی ایسے کاغذ نذر آتش کر دیے تھے جن پر قرآنی آیات درج تھیں۔ کسی کا کہنا ہے کہ دیوار پر لگا ہوا کوئی پوسٹر اتار پھینکا تھا جس پر مقدس ہستیوں کے اسمائے گرامی درج تھے یا ایک بیان یہ کہ کسی پرنٹر پر رسول پاک ﷺ کے اسٹیکر لگے ہوئے تھے جنہیں منیجر نے اتار دیا تھا۔

تاہم فیکٹری میں کام کا آغاز ہوتے ہی یہ افواہ زور پکڑ گئی کہ توہین رسالت کی گئی ہے پھر حالات کسی کے کنٹرول میں نہ رہے۔ بعینہ جیسا کہ ملک میں ایسے جذبات، مزاج اور طریقہ کار کو کنٹرول کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے کیوں کہ انہیں پروان چڑھانے کے لئے ہر حکومت اور ریاست نے گزشتہ کئی دہائیوں سے مسلسل کوشش کی ہے۔ وزیر اعظم عمران خان کی سیاست کی بنیاد تو مدینہ ریاست کے بیانیہ سے شروع ہو کر رحمت اللعالمین اتھارٹی کے قیام تک پہنچ چکی ہے۔

وہ دنیا میں اسلاموفوبیا کے خلاف خود کو 'مجاہد اعظم' کا درجہ دیتے ہیں اور ان کا سیاسی پیغام کرپشن ختم کرنے کے وعدوں کی ناکامی کے بعد اب قوم کا اخلاق سدھارنے اور انہیں دین کے راستے پر لگانے کے عظیم مشن کی تکمیل میں تبدیل ہو چکا ہے۔ ایسی حکومت اور اس کا سربراہ کس منہ سے سیالکوٹ میں اپنا 'دینی فریضہ' ادا کرنے والوں کو سزا دلوانے کا اہتمام کر سکے گا؟

حکومت نے حال ہی میں ممتاز قادری کی پھانسی کے واقعہ سے جنم لینے والی تحریک لبیک پاکستان کے ساتھ معاہدہ کیا ہے اور اسے محب وطن مذہبی اور سیاسی پارٹی تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے لیڈروں کے خلاف ہمہ قسم الزامات واپس لے لئے گئے ہیں، پارٹی کے فنڈز بحال کر دیے گئے ہیں اور اس کے لیڈر کو باعزت طریقے سے جیل سے گھر بھیجنے کے بعد حکمران جماعت کا ایک مقامی لیڈر، سعد رضوی کو پھولوں کے ہار پیش کر کے مستقبل کے سیاسی عزائم کے لئے اس انتہا پسند گروہ کی ضرورت کا اعتراف کر چکا ہے۔

تحریک لبیک تو پھر چند پولیس والوں کو ہلاک کرنے، چند ارب روپے کی

املاک کی تباہی اور عوام کو چند روز پریشان کرنے کا موجب بنی تھی لیکن حکومت تو تحریک طالبان پاکستان کے ساتھ بھی معاہدہ کر کے اس کے خون خوار لیڈروں کو عام معافی دینے کے عزم کا اظہار کر رہی ہے جس نے گزشتہ بیس سال کے دوران 80 ہزار پاکستانیوں کو ناحق قتل کیا ہے۔

ان میں سب سے ہولناک واقعہ 16 دسمبر 2014 کو پشاور کے آرمی پبلک اسکول میں پیش آیا تھا جہاں دہشت گردوں نے حملہ کر کے اسکول کے ڈیڑھ سو کے لگ بھگ نوجوان طالب علموں کو گولیوں سے بھون دیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ واقعہ پاکستانی ریاست اور فوج کے لئے ویک اپ کال کی حیثیت رکھتا تھا اور دہشت گردی اور مذہب کے نام پر قانون ہاتھوں میں لینے والوں سے ہمہ قسم تعلق اور رشتہ توڑ لیا جائے گا۔ تاہم ہمارا سفر حقانی نیٹ ورک کی دوستی سے لے کر تحریک لبیک کی سرپرستی اور سیاسی مقاصد کے لئے ان کے استعمال تک جاری رہا۔

اب بھی ہم دنیا کو افغان طالبان کی انسان دوستی کا یقین دلاتے ہوئے ان کی سرپرستی پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور انہی افغان طالبان کے مشورہ و ہدایت پر ٹی ایل پی کے ساتھ 'مذاکرات' کیے جا رہے ہیں۔ یوں آپریشن ضرب عضب کے بعد آپریشن ردالفساد بھی ان عوامل کا خاتمہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا جن کا اعتراف اے پی ایس کے سانحہ کے بعد 'قومی ایکشن پلان' کے تحت کیا گیا تھا۔ وزیر اعظم عمران خان ایک سے زائد باران دونوں فوجی آپریشنز کو مسترد کرتے ہوئے اسے ماضی کی غلطی قرار دے چکے ہیں۔ تاہم انہوں نے ابھی تک واضح نہیں کیا ہے کہ مستقبل میں درست راستہ کا تعین کیوں کر ہوگا؟

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سیالکوٹ میں جس بے رحمی سے ایک غیر ملکی منیجر کو ہلاک کیا گیا ہے، اس کے بعد محض بیانات جاری کرنے اور کسی صورت معاف نہ کرنے کے مبہم اور ناقابل عمل دعوؤں کی بجائے بطور قوم اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی کہ قوم کو اس دلدل سے کیسے نکالا جا سکتا ہے۔ کسی سانحہ کی تکلیف کو پرزور بیانوں کے جوش سے رفع کرنے والے لیڈر البتہ ایسا کوئی قدم اٹھانے کی تاب نہیں رکھتے۔ اس موقع پر سرکاری عہدوں پر متمکن یا سرکار کی خوشنودی کے لئے دین کی لاٹھی فراہم کرنے والے ملاؤں کے ان بیانات سے کیا فرق پڑے گا کہ 'یہ واقعہ انسانی عمل نہیں ہے۔ جب پاکستان میں توہین مذہب کے قوانین موجود ہیں۔ تو ان کے ہوتے ہوئے اس طرح کی حرکت کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ یہ جہالت اور وحشت ہے جس کا اسلام اور انسانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے'۔

وزیر اعظم کے معاون خصوصی علامہ طاہر اشرفی یہ بیان دیتے ہوئے اس سچ سے دامن بچانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ درحقیقت ملک کے بلاسفمی قوانین جو فوجی آمر ضیا الحق کی ملک و قوم کو دین ہیں، ملک میں دہشت، لاقانونیت، جھوٹی دینی حمیت اور عقیدے کو ذاتی عناد نکالنے کا ذریعہ بنانے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ توہین مذہب کے نام پر بے گناہوں کو ہلاک کرنے والے لوگوں کو انہی قوانین کے ذریعے طاقت فراہم کی گئی ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ سپریم کورٹ کی طرف سے انسان کے بنائے ہوئے ایک قانون پر تنقید کو درست و جائز قرار دینے کے باوجود اور توہین مذہب کے عذر پر گورنر پنجاب کو ہلاک کرنے والے ممتاز قادری کو موت کی سزا دینے کے باوصف، ملک میں اس نام کو حرمت رسول ﷺ کی علامت بنا دیا گیا ہے۔ کسی حکومت میں حوصلہ نہیں کی وہ توہین مذہب کے مروجہ قوانین کی ہلاکت خیزی کو سمجھتے ہوئے ان میں ترمیم کا لفظ بھی زبان پر لا سکے اور کوئی یہ اعلان نہیں کر سکتا کہ ان کمزور، ناجائز اور متعصّبانہ قوانین کے تحت درجنوں افراد کو کسی مقدمہ کے بغیر جیلوں میں قید رکھنا خلاف انسانیت فعل ہے۔

مسئلہ کسی شخص کو سزا دینے کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ کسی معاملہ کو کیوں کر دین کی ضرورت سے منسلک کرتے ہوئے عام شہریوں کو یہ باور کروا دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص 'توہین مذہب' کا مرتکب ہوا ہے تو اسے بہر طور سزا دینا اہم ہے۔ اگر ایسے قوانین بنا کر انہیں قبول کرنے کا مزاج بنایا جائے گا تو پھر عام لوگوں کو کیسے یہ یقین دلایا جائے گا کہ مذہب کے احترام میں اگر وہ کسی دنیاوی قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں تو یہ کوئی 'جرم' نہیں ہے؟

چند روز پہلے چارسدہ میں ایک شخص کو ایسے ہی الزام میں پکڑا گیا۔ مشتعل ہجوم کا دعویٰ تھا کہ اسے اس کے حوالے کر دیا جائے تا کہ وہ اپنی دینی حمیت و جذبہ کے مطابق 'انصاف' کر سکیں۔ پولیس نے جب یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا تو ناراض ہجوم نے پولیس اسٹیشن کو آگ لگا دی۔ تا کہ نہ بانس رہے گا اور نہ بانسری بجے گی۔

سیالکوٹ میں ایک انسان کی بے حرمتی اور المناک قتل کی واردات اگر کسی طور سے بھی اس قوم کے ضمیر کو بیدار کرنے کا سبب بن سکتی ہے تو اس کا اظہار بیانات اور گرفتاریوں کے دعووں کی بجائے سیاسی اقدامات سے ہونا چاہیے۔ اس سے مرنے والے یا اسے مارنے کی تڑپ رکھنے والوں کو کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ ملک کا وزیر اعظم اور آرمی چیف ایک معاملہ پر متفق ہیں اور اپوزیشن لیڈر بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ یہ مزاج اسی وقت ختم ہوگا اگر اس ملک میں دین کے دعوے دار یہ جواب دینے کی زحمت کریں گے کہ عقیدے کے نام پر انسانوں کو ہلاک کرنے کا جو کام دنیا کے کسی دوسرے اسلامی ملک میں نہیں ہوتا اور نہ ہی وہاں کے قوانین اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، وہ پاکستان میں کیوں مروج ہو چکا ہے۔ جب تک یہ جاننے کی کوشش نہیں کی جائے گی کہ اسلامی شعائر کے بارے میں ضیاالحق کی 'تحقیق' سے پہلے کیوں اس ملک میں 'توہین مذہب و رسالت' کا کوئی واقعہ دیکھنے سننے میں نہیں آتا تھا یا اس کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی۔

وقت آ گیا ہے کہ عقیدہ کے نام پر ہلاکت کا اصول اسکولوں و کالجوں میں از بر کروانے کی بجائے یہ پیغام عام کیا جائے کہ ہر عقیدہ محبت کا داعی ہوتا ہے۔ مذہب کے نام پر خوں ریزی کا سبق سکھانے والے خود بھی مذہب سے دور ہیں اور ملک کو بھی خود ساختہ تباہی کے گڑھے میں دھکیل رہے ہیں۔ یہ رویہ ملک میں شدت پسندی کو پروان چڑھاتا رہے گا اور دنیا دن بدن پاکستان کو مسائل کا حل سمجھنے کی بجائے مسئلہ کی وجہ قرار دینے لگے گی۔

❀❀❀❀

❀❀❀

انسانی حقوق کا عالمی دن اور امتناع قادیانیت آرڈیننس

(منور علی شاہد۔ جرمنی)

73 سال پہلے دس دسمبر 1948 کو اقوام متحدہ نے انسانی حقوق کے یونیورسل ڈیکلریشن کو ایک قرارداد نمبر 217A کے تحت منظور کیا تھا جس کے تحت ایک آفاقی منشور تیار اور منظور ہوا تھا جس میں بنیادی مذہبی، انسانی، سیاسی، سماجی اظہار رائے، بحث و مباحثہ سمیت دیگر حقوق کو تسلیم کیا گیا تھا۔ اسی لئے اب ہر سال دس دسمبر کو انسانی حقوق کا عالمی دن منایا جاتا ہے اور دنیا بھر میں ہونے والی انسانی حقوق کی پامالیوں کی بھرپور مذمت کی جاتی ہے اور انسانی حقوق کے تحفظ و اس کی اہمیت پر سیمینارز منعقد کئے جاتے ہیں۔ یہ ڈیکلریشن تیس آرٹیکلز پر مشتمل ہے یہ اس وقت دنیا کی سب سے غیر معمولی اور اہم ترین دستاویزات ہیں۔ تادم تحریر انسانی حقوق کے عالمی منشور کا 508 زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس بارے مزید تفصیلات ویب سائٹ www.ohchr.org سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ اقوام متحدہ کے ہر رکن ملک کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس عالمی منشور کا احترام کرے اور اس کی روشنی میں اپنے ملک کے شہریوں کو حقوق کی فراہمی کو یقینی بنائے۔ ان حقوق میں جینے کا حق، امتیاز سے پاک مساوات اور برابری کا حق، اظہار رائے کی آزادی، معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق شامل ہیں۔ اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ہر اس ملک کے لئے لازمی ہے جو اقوام متحدہ کا ممبر بن چکا ہو۔ پاکستان بھی ایسی عالمی دستاویزات پر دستخط کر چکا ہے۔ سیاسی، مذہبی سماجی تمام آزادیوں کی ضمانت اور ان کی پاسداری کی بات اس میں کی گئی ہے لیکن تمام ممالک اس قانون کی پاسداری نہیں کر رہے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں بھارت سمیت کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیوں کا سلسلہ دہائیوں سے جاری ہے۔ پاکستان کے اندر انسانی حقوق کے عالمی قوانین پر سب سے بڑا خودکش حملہ ضیاء الحق دور میں کیا گیا تھا، اس کی بنیاد ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں رکھی گئی تھی جب قومی اسمبلی نے

سات ستمبر 1974 کو سیاہ فیصلہ کیا گیا۔ضیاء الحق نے 26 اپریل 1984ء کو صدارتی آرڈیننس کے ذریعے جو سیاہ قانون نافذ کیا تھا وہ ''امتناع قادیانیت آڈینینس 20 مجریہ 1984ء'' کہلاتا ہے۔اس قانون کے فوری نفاذ نے جہاں انسانی حقوق کے عالمی منشور اور دیگر شہری آزادیوں کے عالمی قوانین پر ضرب لگائی تھی، وہیں پاکستان میں بسنے والے لاکھوں احمدیوں کو ان کے مذہبی حقوق سے یکسر محروم کر دیا تھا اور ان کے عقائد کی ادائیگی ایک جرم قرار دے دی گئی تھی، اور احمدیوں کی تمام مذہبی آزادیاں سلب کر لی گئیں تھیں یہ سیاہ آرڈیننس احمدیوں کے مخالفین کو جماعت احمدیہ کو ہر سطح پر نقصان پہنچانے کی غرض سے من مانی کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔

چونکہ کسی بھی قانون کا نفاذ انفرادی طور پر ہوتا ہے لہذا اس سیاہ قانون کے نفاذ کے ساتھ ہی ہر ایک احمدی خواہ وہ پاکستان کے کسی بھی صوبہ کے شہر، محلہ گلی میں رہتا ہو، وہ اس کی زد میں آ گیا تھا۔انسانی حقوق کے عالمی قانون کی تمام شقوں کو اس ضیائی قانون نے پارہ پارہ کیا۔

یہ قانون کیا ہے؟ اور اس نے احمدیوں کے حقوق پر کیا قدغن لگائی ہے، اس بارے ہر امن پسند شہری کا جاننا ضروری ہے۔اس نئے قانون کے تحت مجموعہ تعزیرات پاکستان ایکٹ 45 کے باب نمبر دس میں ترامیم کر کے 298 A کے بعد 298B اور 298C کا اضافہ کر دیا گیا جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ،

قادیانیت کی تبلیغ و تشہیر جرم قرار دیدی گئی

احمدیوں کا خود کو مسلمان کی طرح ظاہر کرنا بھی جرم اور ممنوع قرار دیا گیا

اسلامی شعائیر کا استعمال بھی جرم اور ممنوع قرار دے دیا گیا

اس قانون کی رو سے پاکستان بھر میں کہیں بھی رہنے والا احمدی، خواہ وہ مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، جوان ہو، وہ کلمہ طیبہ نہیں پڑھ سکے گا، اپنی مسجد کو مسجد نہیں کہہ سکے گا، مساجد میں اذان نہیں دے سکے گا اور خود کو کسی بھی پہلو سے مسلمان ظاہر نہیں کر سکے گا اور دیگر اسلامی شعائیر کا استعمال نہیں کر سکے گا، خلاف ورزی پر تین سال قید اور جرمانہ کی سزاء دی جائے گی۔اس قانون کے نفاذ سے ہر احمدی کے سر پر ایک ایسی ننگی تلوار لٹک گئی جو کسی بھی وقت، کہیں بھی کسی احمدی کا سر قلم کر سکتی تھی، اور گزشتہ تین دہائیوں سے زائد عرصہ کے حالات و واقعات نے اس کو سچ بھی ثابت کر دکھایا ہے اور آج پاکستانی احمدی کے پاس نہ مذہبی حقوق ہیں نہ سیاسی حقوق ہیں اور نہ ہی شہری حقوق ہیں بلکہ ان کی احمدی شناخت ہی ان کی جان کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن چکی ہے۔ایک احمدی فیملی کا ہر فرد اس قانون کی زد میں آ کر ''انسانی حقوق'' کی پامالی کا شکار ہے، خواہ وہ ایک عورت ہو، مرد ہو، طالب علم ہو، کاروباری فرد یا ملازم ہو، ہر ایک اسی قانون کے باعث تعصب، نفرت اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔پاکستان کے اندر سے عدم تحفظ کے باعث اس وقت ہزاروں کی تعداد میں احمدی مختلف ممالک میں پناہ گزینوں کی شکل میں ایک انتہائی کٹھن زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ان ممالک میں ملائشیا، سری لنکا اور تھائی لینڈ قابل ذکر ہیں۔اسی طرح یورپین ممالک میں بھی ہزاروں احمدی اسائلم سیکرز کی حیثیت سے مشکل زندگی بسر کر رہے ہیں، سال ہا سال سے فیملی ممبرز سے دور اکیلا زندگی کیسے بسر ہوتی ہے، بس وہی جانتے ہیں اس کا دکھ اور غم۔

رزق حلال کے حصول کی دعا

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ (جامع ترمذی، حدیث:3563)

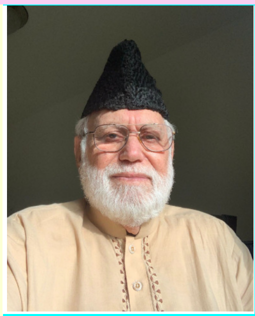
ترجمہ: اے اللہ! ہمارے لئے حلال رزق کافی کر دے بجائے حرام رزق کے۔اور ہمیں اپنے فضل سے اپنے سوا ہر ایک سے بے نیاز کر دے۔

سید و مولی، مقدس الانبیاء، خیر الوریٰ، پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کی رزق حلال کے حصول کی دعا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مکاتب غلام نے ان کے پاس آ کر کہا کہ میں اپنی مکاتبت کی رقم ادا نہیں کر پا رہا ہوں، آپ ہماری کچھ مدد فرما دیجئے تو انہوں نے کہا: کیا میں تم کو کچھ ایسے کلمے نہ سکھا دوں جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھائے تھے؟ اگر تیرے پاس پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو تیری جانب سے اللہ اسے ادا فرما دے گا، انہوں نے کہا کہ کہو:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

(جامع ترمذی، حدیث:3563)



ایک نشانِ صداقت جلسہ سالانہ قادیان

روح پرور واقعات کا ذکر

از خواجہ محمد افضل بٹ۔ یو ایس اے



پنجاب کے ضلع گورداس پور کے ایک گاؤں سے ایک آواز اٹھی' ایک نعرہ حق بلند ہوا۔ وہ آواز یہ تھی کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہو گیا ہے۔ وہ نعرہ حق یہ تھا کہ اسلام کے آخری غلبہ کے لیے جہادِ عظیم کا بگل بج چکا ہے، آسمانی تقدیر ہے کہ اسلام تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا۔

خدائے قادر مطلق اپنی قدرت نمائی کیلئے یہ کام حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ و السلام ایسے گمنام شخص کے ذریعہ سے سرانجام دے گا۔ وہ اور اس کی قائم کردہ جماعت دنیا بھر میں اسلام کے علم کو بلند کرے گی۔

انسانوں کی نظر میں یہ بات انہونی ہے مگر وہ خدا کی قدرت سے ہو کر رہے گی۔ بیشک ساری سکیم عجیب ہے۔ بلا شبہ یہ کام انسانی تصور کے لحاظ سے ناممکن اور محال ہے مگر خدائے ذوالعجائب نے اس طرح فرمایا ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی درد بھری دعائیں اور نعرہ ہائے پرسوز آسمانوں تک پہنچے کہ خداوند تعالیٰ نے فوج ملائکہ کو اتارا دلوں میں نیک تحریک شروع ہوئی اور وہ مرد خداؑ جو کل تک تن تنہا تھا آج سینکڑوں فدائیوں کے درمیان تھا اور کل کو ہزاروں پروانے اس کے گرد نظر آنے لگے۔ مہینوں اور سالوں میں ایک عجیب روحانی انقلاب برپا ہو گیا مخالف علماء دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے باِذن الٰہی تجویز فرمایا کہ ہر سال قادیان میں جسے آپؑ نے سلسلہ احمدیہ کا دائمی مرکز قرار دیا ایک سالانہ اجتماع ہوا کرے جس میں چمن احمدیت کے روحانی طیور جمع ہوا کریں۔ اسلام کے غلبہ کے لئے تجدید عہد کیا کریں، خدا اور رسول ﷺ کی باتیں سنا اور سنایا کریں، خدا کے فضلوں کا تذکرہ کریں، اس کی حمد کے ترانے گائیں۔ ہر سال سالانہ جلسہ کے روحانی اجتماعات قادیان مرکز سے نکل کر دنیا کے کونے کونے میں ہونے لگے۔ اور اسلام کی سربلندی کا کام ساری دنیا میں جاری و ساری ہے۔

24-25-26 نومبر 1967ء کو قادیان میں سالانہ جلسہ تھا اس بابرکت جلسہ سالانہ میں خاکسار کو بھی شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ جلسہ کیا تھا احمدیت کی صداقت کا ایک بولتا ہوا نشان تھا۔

تقسیم ملک کا سانحہ پنجاب کے دو حصوں میں بٹ جانے کے باعث مسلمانوں کے لئے قیامت خیز ثابت ہوا۔ قادیان بھارت میں شامل کر دیا گیا اور جماعت کی اکثریت کو اپنے گھر بار چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ البتہ 313 سرفروشان احمدیت قادیان کے درویش بن کر اسی آستانہ پر دھونی لگا کر بیٹھ گئے۔ اور سب کام حسب سابق جاری رہا۔

منارۃ المسیح کی بلندیوں سے اللہ اکبر کی صدائیں پانچوں وقت بلند ہوتی رہیں۔ قادیان میں خدا کے سلسلہ کے فدائی ڈٹے رہے اور ہر سال سالانہ روحانی اجتماع باقاعدہ منعقد ہوتا رہا۔

اسی طرح قادیان مرکز کے بعد ربوہ مرکز میں ہر سال جلسہ سالانہ منعقد ہو تا رہا ہے البتہ جماعت احمدیہ کے خلاف قوانین بننے کے بعد ربوہ مرکز میں جلسہ سالانہ منعقد نہیں ہو رہا۔

313 سرفروشان احمدیت

قادیان ہجرت کے بعد قادیان کی حفاظت کے لیے 313 سرفروشان احمدیت قادیان کے درویش بن کر بیٹھ جانے والوں میں خاکسار کے سب سے بڑے بھائی مکرم خواجہ احمد حسین صاحب درویش بھی ہیں۔ آپ کی وفات 92

سال کی عمر میں ہوئی۔

جلسہ کا روحانی ماحول

جلسہ سالانہ قادیان دارالامان کا ہو یا پاکستان کا ہو جلسہ کا روحانی ماحول ہوتا ہے۔قادیان کے جلسہ میں منعقدہ 1967ء میں خاکسار کو شمولیت کا موقع نصیب ہوا۔اور میں نے اپنی آنکھوں سے نظارہ کیا۔جلسہ میں شمولیت کے لیے دُور دُور سے زمین کے کناروں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شیدائی

یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَیَأْتُوْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

کا مظہر بنے ہوئے،جوق در جوق کھینچے چلے آرہے تھے۔بھارت کے دور ونزدیک شہروں،دیہاتوں،کشمیر اور بیرون ممالک کے نمائندے آئے ہوئے تھے۔کافی تعداد میں شمع احمدّیت کے پروانے قادیان جمع تھے۔یوپی،بہار ،اڑیسہ اور دہلی سے آنے والے بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔فجی اور افریقہ کے علاوہ پاکستان سے بھی احباب اس جلسہ سالانہ میں شامل تھے۔غرض جلسہ سالانہ کا اجتماع دُور بین نظر کے لئے اسلام کے شاندار مستقبل کا آئینہ دار تھا۔



اس جلسہ میں جو شاندار تقاریر ہوئیں اور ہم نے درویشان قادیان کے اخلاق وکردار کا جو نمایاں اثر ونفوذ غیر مسلموں سکھوں اور ہندوؤں میں دیکھا وہ بھی نہایت ایمان افروز ہے۔قادیان کے مقدس مقامات اور اس پاک شہر کے در ودیوار آج بھی شہادت دے رہے ہیں۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان اور پاکستان کے مبلغین اور دیگر افراد کے ولولہ انگیز مجاہدات ایمان کو تازہ کرنے والے ہیں۔جس بلند ہمتی اور اولوالعزمی کے ساتھ ہمارے یہ بھائی اور قابل صد احترام حیات درویش اور مرحومین درویش خدمات دینیہ بجالا رہے تھے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یاد تازہ کررہے تھے۔

تعداد حاضرین جلسہ

قادیان جلسہ سالانہ پر حاضرین کی تعداد اُس وقت چند ہزار تھی۔البتہ ربوہ کے جلسہ سالانہ کی تعداد اُس سال ایک لاکھ سے اوپر پہنچ چکی تھی۔ان اجتماعات کے اندر جو روح کام کرتی نظر آتی تھی وہ بنیادی طور پر وہی ہے جس کے طفیل اس روح سے ایمان کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

الحمدللہ اس عاجز کو بیت الدعاء میں نفل ادا کرنے اور بیت الاحمدیہ قادیان میں اپنے طور پر اور باجماعت تہجد پڑھنے اور احباب جماعت کو راتوں کو اٹھ کر بلبلاتے سُنا اور دیکھا۔نیز دیگر مقدس مقامات دیکھنے اور مینارۃ المسیح کے اوپر کے حصّہ تک چڑھنے کا موقع نصیب ہوا۔اسی طرح تقریباً دو بار صبح وشام بہشتی مقبرہ جانے کی توفیق ملتی رہی۔اور دیگر بزرگان کی قبور پر دعائیں کرنے کا موقع ملا۔اپنے عزیز رشتہ داران بزرگان کی قبروں پر دعا کی توفیق ملی۔الحمدللہ۔

اب میں جلسہ سالانہ کے ابتدائی جلسہ کی بنیاد اور اس روحانی معرکہ آرائی میں حق وصداقت کے بارے ذکر کروں گا۔

پہلا جلسہ سالانہ قادیان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 1891ء میں جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی اور رسالہ ''آسمانی فیصلہ'' کے نام سے تصنیف فرمایا جس میں آپؑ نے تمام مفکر علماء کو چیلنج کیا کہ:

''وہ آپ سے کامل مومنوں کی قرآنی معلومات مثلاً امور غیبیہ کا اظہار ،دعاؤں کی قبولیت اور معارف قرآن وغیرہ کی روشنی میں مقابلہ کرلیں اور ساتھ ہی یہ تجویز بھی دی کہ اس میں مقابلہ کو فیصلہ کن حیثیت دینے کے لیے پنجاب کے دارالخلافہ لاہور میں ایک انجمن قائم کی جائے اور اس کے ممبر فریقین کی

رضامندی سے ایک سال تک ان علامات کے متعلق فریقین کے کوائف کا ریکارڈ رکھے اور کثرت کی صورت میں اس روحانی معرکہ آرائی میں حق وصداقت کا فیصلہ کیا جائے۔ مجوزہ انجمن کی تشکیل پر مزید غور کرنے کے لیے حضور علیہ السلام نے 27 دسمبر 1891ء کو قادیان پہنچنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ اسی دن مسجد اقصیٰ میں احباب جمع ہوئے۔ بعد نمازِ ظہر جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔

پہلے حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے حضرت اقدس علیہ السلام کی تصنیف ''آسمانی فیصلہ'' کا مسودہ پڑھ کر سنایا۔ پھر یہ تجویز رکھی گئی کہ مجوزہ انجمن کے ممبر کون کون صاحبان ہوں گے اور کس طرح اس کی کاروائی کا آغاز ہو۔ حاضرین جلسہ نے بلا اتفاق یہ قرار دیا کہ سر دست اس رسالہ کو شائع کر دیا جائے اور مخالفین کا عندیہ معلوم کر کے بتراضی انجمن کے ممبر مقرر کئے جائیں۔ اس کے بعد جلسہ کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی اور حضرت اقدس علیہ السلام سے تمام حاضرین نے مصافحہ کیا۔

30 دسمبر 1891ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بذریعہ اشتہار تمام مبائعین کو اطلاع دی کہ احباب جماعت کی تربیّت اور اصلاح نفس غرض سے نیز ایمان ویقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لیے آئندہ ہر سال 27 دسمبر سے 29 دسمبر تک دوستوں کا ایک جلسہ منعقد ہوا کرے گا۔

(تاریخ احمدیت جلد اوّل صفحہ 441_440 مطبوعہ 2007ء)

اس پہلے تاریخی جلسہ سالانہ منعقدہ 27 دسمبر 1891ء میں حضور علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پچھتر (75) مخلصین جماعت نے شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔ اور حضور علیہ السلام نے ان کے نام اپنی تصنیف ''آسمانی فیصلہ'' میں درج فرما کر ان کا ذکر رہتی دنیا تک محفوظ فرما دیا۔

ان خوش قسمت احباب کی نسلیں چہار دانگِ عالم پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان کے لیے اپنے بزرگوں کے یہ نام یقینا باعث فخر ہوں گے۔

پہلا جلسہ سالانہ قادیان (ان کو منعقدہ 27 دسمبر 1891ء)

۱۔ منشی محمد روڑا صاحب نقشہ نویس محکمہ مجسٹریٹ کپورتھلہ

۲۔ منشی محمد عبدالرحمن صاحب محرر محکمہ جرنیلی۔ کپورتھلہ

۳۔ منشی محمد حبیب الرحمن رئیس صاحب۔ کپورتھلہ

۴۔ منشی ظفر احمد صاحب اپیل نویس۔ کپورتھلہ۔

۵۔ منشی محمد خان صاحب اہلمد فوجداری۔ کپورتھلہ

۶۔ منشی سردار خان صاحب کوٹ دفعدار۔ کپورتھلہ

۷۔ منشی امداد علی خان صاحب محرر سرشتہ تعلیم۔ کپورتھلہ

۸۔ مولوی محمد حسین صاحب۔ کپورتھلہ

۹۔ حافظ محمد علی صاحب۔ کپورتھلہ

۱۰۔ مرزا خدا بخش صاحب اتالیق نواب صاحب مالیر۔ کوٹلہ

۱۱۔ منشی رستم علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ریلوے۔ لاہور

۱۲۔ ڈپٹی حاجی سید فتح علی شاہ صاحب ڈپٹی کلکٹر انہار

۱۳۔ حاجی خواجہ محمد الدین صاحب رائیس۔ لاہور

۱۴۔ میاں محمد چنو صاحب رئیس۔ لاہور

۱۵۔ خلیفہ رجب الدین صاحب رئیں۔ لاہور

۱۶۔ منشی شمس الدین صاحب کلرک دفتر اگزیمز۔ لاہور

۱۷۔ منشی تاج دین صاحب اکونٹنٹ دفتر اگزیمز۔ لاہور

۱۸۔ منشی نبی بخش صاحب کلرک۔ لاہور

۱۹۔ حافظ فضل احمد صاحب۔ لاہور

۲۰۔ مولوی رحیم اللہ صاحب۔ لاہور

۲۱۔ مولوی غلام حسین صاحب امام مسجد گمٹی۔ لاہور

۲۲۔ منشی عبدالرحمن صاحب کلارک لوکو آفس۔ لاہور

۲۳۔ مولوی عبدالرحمن صاحب مسجد چینیا۔ لاہور

۲۴۔ منشی کرم الٰہی صاحب۔ لاہور

۲۵۔ سید ناصر شاہ صاحب سب اوورسیر

۲۶۔ حافظ محمد اکبر صاحب۔ لاہور

۲۷۔ مولوی غلام قادر صاحب فصیح مالک و مہتمم پنجاب پریس و میونسپل کمشنر۔ سیالکوٹ

۲۸۔ مولوی عبدالکریم صاحب۔ سیالکوٹ

۲۹۔ میر حامد شاہ صاحب اہلمد معافیات۔ سیالکوٹ

۳۰۔ میر محمود شاہ صاحب نقل نویس۔ سیالکوٹ

۳۱۔ منشی محمد دین صاحب سابق گرداور۔ سیالکوٹ

۳۲۔حکیم فضل الدین صاحب رئیس۔بھیرہ

۳۳۔میاں نجم الدین صاحب رئیس۔بھیرہ

۳۴۔منشی احمد اللہ صاحب صاحب محالدار محکمہ پرمٹ۔جموں

۳۵۔سید محمد شاہ صاحب رئیس۔جموں

۳۶۔مستری عمر الدین صاحب۔جموں

۳۷۔مولوی نور الدین صاحب حکیم خاص۔ریاست جموں

۳۸۔خلیفہ نور الدین صاحب صحاف۔جموں

۳۹۔قاضی محمد اکبر صاحب سابق تحصیلدار۔جموں

۴۰۔شیخ محمد جان صاحب ملازم راجہ امر سنگھ صاحب۔وزیر آباد

۴۱۔مولوی عبد القادر صاحب مدرس۔جماپور

۴۲۔شیخ رحمت اللہ صاحب میونسپل کمشنر۔گجرات

۴۳۔شیخ عبد الرحمن صاحب بی اے۔گجرات

۴۴۔منشی غلام اکبر صاحب یتیم کلرک اگزیمز آفس۔لاہور

۴۵۔دوست محمد صاحب سارجنٹ پولیس۔جموں

۴۶۔مفتی فضل الرحمن صاحب رئیس۔جموں

۴۷۔منشی غلام محمد صاحب خلف مولوی دین محمد۔لاہور

۴۸۔سائیں شیر شاہ صاحب مجذوب۔جموں

۴۹۔صاحبزادہ افتخار احمد صاحب۔لدھیانہ

۵۰۔قاضی خواجہ علی صاحب ٹھیکیدار شکرم۔لدھیانہ

۵۱۔حافظ نور محمد صاحب کارخانہ دار پشمینہ۔لدھیانہ

۵۲۔شہزادہ حاجی عبد المجید صاحب۔لدھیانہ

۵۳۔حاجی عبد الرحمن صاحب۔لدھیانہ

۵۴۔شیخ شہاب الدین صاحب۔لدھیانہ

۵۵۔حاجی نظام الدین صاحب۔لدھیانہ

۵۶۔شیخ عبد الحق صاحب۔لدھیانہ

۵۷۔مولوی محکم الدین صاحب مختار۔امرتسر

۵۸۔شیخ نور احمد صاحب مالک مطبع ریاض ہند

۵۹۔منشی غلام محمد صاحب کاتب۔امرتسر

۶۰۔میاں جمال الدین صاحب۔موضوع سیکھواں

۶۱۔میاں امام الدین صاحب۔سیکھواں

۶۲۔میاں خیر الدین صاحب۔سیکھواں

۶۳۔مولوی محمد عیسیٰ صاحب مدرس۔نوشہرہ

۶۴۔میاں چراغ علی صاحب۔تھہ غلام نبی

۶۵۔شیخ شہاب الدین صاحب۔تھہ غلام نبی

۶۶۔میاں عبد اللہ صاحب۔سوہل

۶۷۔حافظ عبد الرحمٰن صاحب۔سوہیاں

۶۸۔داروغہ نعمت اللہ صاحب ہاشمی عباسی بٹالوی

۶۹۔حافظ حامد علی صاحب ملازم مرزا صاحب

۷۰۔حکیم جان محمد صاحب امام مسجد قادیانی

۷۱۔بابو علی محمد صاحب رئیس۔بٹالہ

۷۲۔میرزا اسمعیل بیگ صاحب قادیانی

۷۳۔میاں بڈھے خان نمبردار بیری

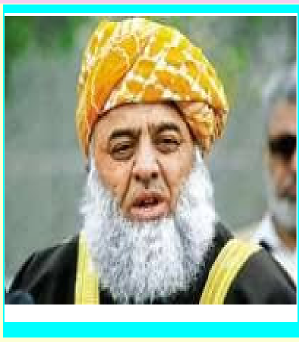
۷۴۔مرزا محمد علی صاحب رئیس

۷۵۔شیخ محمد عمر صاحب خلف حاجی غلام محمد صاحب

جلسہ قادیان کے اختتام پر ملاقات

حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی قادیان سے ان کے آفس میں تقریباً پون گھنٹہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ملاقات میں خاکسار کے درویش بھائی خواجہ احمد حسین صاحب بھی موجود تھے آپ نے 1947ء کے حالات بیان فرمائے اور درویشان کی قربانیوں کا ذکر فرمایا۔ نیز فرمایا کہ اُس وقت بہت مشکل حالات تھے جو سب نے بڑے صبر سے گزارے۔ نیز آپ نے ہماری چائے سے تواضع فرمائی۔

اسی طرح یہ مبارک اور تاریخی سفر جو تقریباً دس روز کا تھا بخیر وخوبی ختم ہوا۔ اور قادیان کی مقدس سرزمین میں رونق افروز ایام کو بامر مجبوری خیر باد کہتے ہوئے۔ پاکستان واپسی کا سفر شروع ہوا۔ اور قافلہ کے احباب بخیر وعافیت واپس ربوہ پاکستان پہنچ گئے۔ الحمد للہ ❁❁❁❁❁❁❁❁❁



فضل الرحمن صاحب، آپ بھی توہین مذہب کے الزام سے محفوظ نہیں ہیں

از ابونائل

مجھے سائنسی کانفرنسوں میں شرکت کے لئے مختلف ممالک میں جانے کا موقع ملا ہے۔ آج سے تقریبا دس گیارہ برس سری لنکا میں ہونے والی ایک کانفرنس میں بھی شرکت کا موقع ملا۔ میرے لئے یہ ایک منفرد تجربہ تھا۔ اس وقت سری لنکا میں تازہ تازہ خانہ جنگی ختم ہوئی تھی اور پاکستان نے اس جدو جہد میں سری لنکا کی مدد کی تھی۔ دنیا کے اکثر ممالک میں تو سبز پاسپورٹ دیکھتے ہی شک وشبہ کی نظریں آپ کا تعاقب کرتی ہیں لیکن سری لنکا میں بالکل برعکس معاملہ تھا۔ یہ سنتے ہی کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں آؤ بھگت کے سلوک کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ ایک سڑک پر پولیس چیکنگ کے لئے ٹریفک رکی ہوئی تھی۔ ایک پولیس کے کارکن نے ہم سے پوچھا کہ آپ کس ملک سے آئے ہیں اور یہ سن کر کہ ہمارا تعلق پاکستان سے ان صاحب نے ایک طرف سے راستہ بنا کر ہمیں نکال دیا تاکہ پاکستان سے آئے ہوئے مہمان کو تکلیف نہ ہو۔ ڈالر کو مقامی کرنسی میں تبدیل کرانے کے لئے پاسپورٹ دکھانا پڑتا تھا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ جب ہماری جیب سے سبز پاسپورٹ نکلا تو کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے شخص کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور اس نے پاکستان کا شکریہ ادا کیا۔

ان یادوں کی وجہ سے میں اکثر سوچتا تھا کہ پھر کبھی سری لنکا جاؤں گا۔ لیکن جب سری لنکا کی کرکٹ ٹیم پر حملہ ہوا تو یہ ارادہ متزلزل ہوگیا۔ اور چند روز قبل جس طرح سری لنکا کے ایک شخص کو سڑک پر وحشیانہ انداز میں قتل کیا گیا ہے، اب میرے دل میں دوبارہ سری لنکا جانے کی خواہش مکمل طور پر دم توڑ چکی ہے۔ اب ہم دنیا کے کسی ملک میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ بلکہ اب شاید ہم آئینہ دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہے۔

آپ جانتے ہیں کہ جذام میں اعضا کیوں ختم ہوجاتے ہیں؟ انگلیاں کیوں جھڑ جاتی ہیں؟ کیونکہ اس بیماری میں ان اعضا میں درد کی حس ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس وجہ سے پہلے یہ اعضا زخموں کا شکار ہوتے ہیں اور پھر ختم ہوتے جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض معاشرے بھی جذام کا شکار ہوجاتے ہیں ان میں درد کی حس ختم ہوجاتی ہے اور خواہ کیسی ہی قیامت کیوں نہ آجائے اس معاشرے کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔

اس واقعہ پر بہت سی اہم شخصیات کا ردعمل اسی معاشرتی جذام کا عکاس ہے۔ اس کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ وزیر دفاع سے جب سوال ہوا کہ آپ کی حکومت نے تحریک لبیک پر سے پابندی اُٹھائی اور پھر سیالکوٹ کا حادثہ ہوا۔ کیا یہ تجویز زیر غور ہے کہ اس قسم کی تنظیموں پر موثر پابندی لگائی جائے ورنہ یہ سلسلہ تو چلتا جائے گا۔ اس پر خٹک صاحب نے کمال خندہ پیشانی سے یہ جواب مرحمت عطا فرمایا کہ وجوہات آپ کو بھی پتہ ہیں، بچے ہیں، بڑے ہوتے ہیں، اسلامی دین ہے، سوچ زیادہ ہے، جوش میں آجاتے ہیں، جذبے میں کام کر جاتے ہیں۔ کام ہوگیا اچانک۔ میں جذبے میں آؤں گا تو غلط کام کرسکتا ہوں۔ پھر یہ بھی اعتراف کیا کہ جب ہم جوان تھے تو پاگل ہوتے تھے اور کچھ بھی کرنے کو تیار ہوتے تھے۔

پرویز خٹک صاحب کے فلسفہ کے مطابق اس قسم کے شرمناک قتل دینی سوچ کے نتیجہ میں کئے جاتے ہیں اور اگر سوچ زیادہ ہو تو اس کے نتیجہ میں اس قسم کے بھیانک جرائم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان پر زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب دنیا میں یہ خبر پھیلے گی کہ جس ملک کے پاس ایٹم بم موجود ہیں اس کا وزیر دفاع خود اعتراف کر رہا ہے کہ وہ جوانی میں مذہبی جذبات کی شدت میں پاگل ہوا کرتا تھا اور ان واقعات کو مذہبی جذبات کی آڑ میں جائز ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو پاکستان کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی۔

اب فضل الرحمن صاحب کی جاری کردہ ٹویٹ کا جائزہ لیتے ہیں۔ انہوں

نے ٹویٹ کیا کہ ریاست اگر توہین رسالت اور توہین ختم نبوت کے ملزمان کے خلاف کارروائی نہیں کرے گی۔تو اس قسم کے واقعات تو ہوں گے۔اس ٹویٹ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ فضل الرحمن صاحب ملزم اور مجرم میں فرق سمجھ نہیں پا رہے۔ملزم صرف اس شخص کو کہتے ہیں جس پر ایک الزام لگایا گیا ہے۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص پر ایک الزام لگایا گیا ہے اور وہ الزام غلط ہے۔ایسا شخص نہ صرف معصوم بلکہ مظلوم بھی ہے جس پر ناحق ایک غلط الزام لگایا گیا ہے۔اس لئے دنیا کی کوئی بھی ریاست صرف ملزم ہونے کی بنا پر کسی شخص کے خلاف کارروائی نہیں کرسکتی۔یہ پرلے درجہ کی ناانصافی ہوگی۔اگر کوئی ریاست ہر الزام پر ملزم کے خلاف کارروائی کرنے لگے تو دنیا بھر کا امن درہم برہم ہو جائے۔اور اگر اس بنا پر کہ ریاست اس شخص کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کررہی سڑکوں پر قتل کرنے کا سلسلہ شروع ہو جائے تو وہ فساد برپا ہوگا کہ دنیا روانڈا کے قتل عام کو بھول جائے گی۔

فضل الرحمن صاحب کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اس قسم کے الزامات اس مسلک پر بھی لگائے جاتے رہے ہیں جس سے وہ خود وابستہ ہیں۔یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ فضل الرحمن صاحب اور جمیعت العلماء اسلام کے احباب دیوبندی مسلک سے وابستہ ہیں۔اور تحریک لبیک کا گروہ بریلوی مسلک سے وابستہ ہے۔سو سال سے اب تک بریلوی علما دیوبندی احباب پر توہین اور گستاخی کے الزامات لگاتے آئے ہیں۔گو کہ میرے نزدیک یہ الزامات بالکل بے بنیاد ہیں۔بریلوی مسلک کے قائد احمد رضا خان صاحب بریلوی نے جن مسالک کا نام لے کر یہ فتویٰ دیا تھا کہ یہ لوگ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں ان میں دیوبندی احباب کو بھی شامل کیا تھا۔اور شیعہ احباب کے متعلق یہ کہا تھا کہ

" ان کی گستاخیوں کا اصل مطمح نظر حضرات انبیاء کرام اور خود حضور پر نور شافع یوم نشور ہیں صلی اللہ علیہ وسلم" [فتاوی رضویہ جلد 14 ص 403]

اور یہ الزام اس دور میں بھی لگایا جاتا ہے۔مثال کے طور پر جب 2009 میں احمد رضا خان صاحب بریلوی کی کتاب حسام الحرمین شائع ہوئی تو اس کے پیش لفظ میں عبد الحکیم شرف قادری صاحب صدر مدرس جامعہ نظامیہ لاہور نے دیوبندی احباب کی بعض تحریروں کے بارے میں یہ فتویٰ دیا

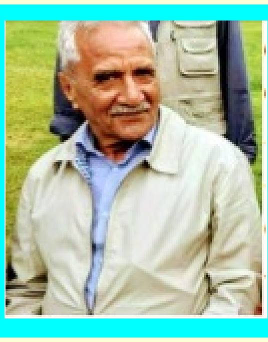
’’بنائے اختلاف وہ عبارات ہیں جن میں بارگاہ رسالت علی صاحب الصلوۃ والسلام میں کھلم کھلا گستاخی اور توہین کی گئی ہے۔‘‘

[حسام الحرمین اردو تالیف احمد رضا خان صاحب بریلوی اردو ترجمہ اقبال احمد فاروقی ناشر مکتبہ نبویہ لاہور 2009 ص 4]

اور اسی کتاب کے صفحہ 20 پر احمد رضا خان صاحب بریلوی نے دیوبندی احباب کے قائد محترم مولانا قاسم نانوتوی صاحب کو ختم نبوت کا منکر قرار دے دیا۔اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علماء سے دیوبندی احباب اور کئی دوسرے فرقوں کے خلاف فتوے حاصل کئے۔اسی طرح دیوبندی احباب نے بریلوی احباب کے خلاف جو کتب شائع کیں ان میں انہیں اور ان کے قائدین کو مشرک تک قرار دے دیا۔[مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں بریلوی مذہب کا علمی محاسبہ جلد اول مصنفہ سعید احمد قادری] دونوں طرف سے ان فتووں میں اتنی سخت زبان استعمال کی گئی ہے کہ اسے نہ ہی دہرانا مناسب ہوگا۔

فضل الرحمن صاحب کی عمر علمی دنیا کی بجائے سیاست کے میدان میں گذری ہے لیکن وہ یقینی طور پر ان سینکڑوں فتووں سے واقف ہوں گے جس میں خود ان کے مسلک کو بھی گستاخ اور توہین کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔اس پس منظر میں اگر فضل الرحمن صاحب کا یہ نظریہ قبول کیا جائے کہ اگر ریاست اس شخص کے خلاف کارروائی نہیں کرے گی جس پر ابھی صرف توہین رسالت یا توہین ختم نبوت کا الزام ہے اور ثابت نہیں کیا گیا تو سڑکوں پر مار مار کر لوگوں کو قتل کرنے اور ان کی لاش کو جلانے کے واقعات تو ہوں گے تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ خاکم بدہن پاکستان کی سڑکوں پر مختلف مسالک کے لوگ ایک دوسرے کا قتل عام شروع کردیں گے۔اور یہ یاد رکھیں کہ اس ملک میں ہزاروں مدرسوں کے لاکھوں طلبا موجود ہیں جو ان فتووں سے بخوبی واقف ہیں۔اس کے بعد ملک میں جو خانہ جنگی اور خون خرابہ شروع ہوگا اس کی زد سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا اور......فضل الرحمن صاحب بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

(8 دسمبر 2021۔بشکریہ "ہم سب")



محترم ماسٹر عمر حیات صاحب مرحوم

شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

شریف خان نیازی، لندن

محترم ماسٹر عمر حیات صاحب مرحوم 16 اپریل 1949ء کو شاہ پور ضلع سرگودھا میں مکرم حکیم محمد صدیق صاحب مرحوم کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا سانحہ ارتحال مجھے برسوں یاد رہے گا اور قلب وزبان ان کے ساتھ گزرے لمحات کو یاد کر کے علم کے حصار میں رہیں گے۔ انہوں نے 72 برس کی عمر میں سفر آخرت اختیار کیا

میرا ان کا تعلق 55 برس کے عرصے کو محیط ہے۔ یہ نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں۔ وہ 1965ء کے وسط میں ربوہ تشریف لائے تھے اور میرے لئے فیکٹری ایریا پورہی میں سکونت پذیر ہوئے۔ اسی سال انہوں نے تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں داخلہ لیا اور 1970ء میں یہاں سے بی اے کیا۔ 1972ء میں وہ تعلیم وتدریس کے شعبہ سے وابستہ ہوئے اور تادم آخر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران انہوں نے پرائیویٹ طور پر تاریخ کے مضمون میں ماسٹرز کی ڈگری بھی حاصل کی۔

بطور استاد آپ کی پہلی تقرری پرائمری سکول دارالرحمت وسطی ربوہ میں ہوئی۔ بعد میں تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں بھی پڑھاتے رہے۔ ملازمت سے سبک دوش ہوئے تو اس وقت تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ میں تعینات تھے اور ایک نیک نام استاد کی حیثیت سے معروف تھے۔

میرے ذہن میں ماسٹر عمر حیات صاحب کی شخصیت کی جو تصویری ہے وہ ایک بے تکلّف، بے ریا، سادگی پسند، خلوص ومحبت سے سرشار، خدمت خلق پر ہر دم مستعد، ہمدرد اور انسانیت پرست انسان کی ہے۔ تحمل اور برداشت ان کا خاص وصف تھا۔ اولاد کی کسی بھی بات پر وہ آپے سے باہر ہونے والے نہیں تھے۔ تحمل اور برداشت ان کا طرہ امتیاز تھا۔ اپنے بہت محدود وسائل اور قلیل آمدنی میں بھی نفاست اور سلیقہ شعاری سے اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہوئے انہوں نے زندگی گزاری اور بڑے باعزت طریق پر خاندانی تعلقات نبھاتے ہوئے اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم وتربیت اور اعلیٰ روزگار کے سامان کئے وہ بذات خود ایک کے ایک سچے احمدی اور مثالی گھرانے کی ایک تابندہ مثال ہے۔ انہوں نے اپنے جواں سال بھائی انوار احمد کی موت کا صدمہ بھی حوصلہ اور صبر سے برداشت کیا اور باقی زندگی بیوہ بھابھی اور اس بھابھی کے بچوں کا بہت خیال رکھا۔

مرحوم ایک صاحب علم اور وسیع مطالعہ رکھنے والی شخصیت تھے۔ اپنے موضوع پر مضبوط گرفت رکھتے تھے، خاص طور پر اسلامی تاریخ پر گہری نظر تھی اور اسلامی تاریخ کے اہم ادوار انہیں ازبر تھے۔ تاریخ کے موضوع پر گفتگو ہوئی تو بڑی روانی سے تاریخ کے اوراق اُلٹتے جاتے۔ اسی طرح علم وادب کے دیگر موضوعات، شعروشاعری، سیاست اور جماعتی تاریخ کا ایک انمول خزانہ تھے۔ جب بھی انہیں دیکھا ان کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب ہوتی۔ ہر وقت پڑھنے اور کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے۔ مجلس انصاراللہ پاکستان کے علمی مقابلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ خاص طور پر مقالہ تحریر کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور اکثر پہلی یا دوسری پوزیشن حاصل کرتے۔

انہوں نے حضرت صاحبزادہ عبداللطیف شہید، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفر لاہور وسیالکوٹ، نظام وصیت، اسلام کا فلسفہ جہاد اور ہستی باری تعالیٰ کے موضوعات پر گراں قدر مقالے تحریر کیے جنہیں علمی وادبی حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ وفات سے چند روز قبل ''اللہ اکبر'' کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا تھا۔ 31 جنوری 2021ء کو ان کی وفات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں خاص مقام عطا کرے۔ آمین۔

کسی انسان کا بڑا پن یہ ہے کہ وہ بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہو لیکن وہ معاف کرے اور تکبر کی بجائے انکساری اور عاجزی کا پیکر بن کر زندگی گزار دے۔ دوسروں کی ہمدردی، پیار و محبت اور دوسروں کی مدد کرنے کے جذبات سے لبریز ہو۔ میرے نزدیک ان کی زندگی ان تمام صفات سے مزین تھی ۔ کیوں کے رشتے اور خدمتوں اور قربانی کے جذبے امام الزمان مسیح دوراں علیہ السلام کی قائم کردہ جماعت میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ یہ اُسی پنیری کی پھلواریاں ہیں جو آقا کی عنایتوں کے عرق جگر اور اشک آلود دعاؤں سے سیراب ہوئیں اور آپ کے بیشمار غلاموں کی طرح ہمارے اپنے پیارے خدمت گزار عاجز بھائی عمر حیات کے کردار کی یادوں کے آنگن میں بھی ایک خوبصورت گلدستہ چھوڑ گئے۔ خدا تعالیٰ رہتی دنیا تک اس کی تر و تازگی اور مہک قائم رکھے۔ آمین۔

احکام خداوندی

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے بند کرتا ہے۔“ (کشتی نوح)

صبر کرنا

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا (المعارج:6)

پس صبر جمیل اختیار کر۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (الطور:49)

اور اپنے ربّ کے حکم کی خاطر صبر کر۔ پس یقیناً تُو ہماری آنکھوں کے سامنے (رہتا) ہے۔ اور اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کر جب تُو اُٹھتا ہے۔

مصیبت پہ صبر کرنا کہ اللہ ساتھ ہوتا ہے

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (الانفال:47)

اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم بزدل بن جاؤ گے اور تمہارا رعب جاتا رہے گا۔ اور صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (لقمان:18)

اے میرے پیارے بیٹے! نماز کو قائم کر اور اچھی باتوں کا حکم دے اور ناپسندیدہ باتوں سے منع کر اور اُس (مصیبت) پر صبر کر جو تجھے پہنچے۔ یقیناً یہ بہت اہم باتوں میں سے ہے۔

اللہ کا وعدہ پورا ہونے کے انتظار میں صبر کرنا

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ (الروم:61)

پس صبر کر۔ اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے وہ ہرگز تجھے بے وزن نہ سمجھیں۔

الٰہی فیصلے کے انتظار میں صبر کرنا

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ (القلم:49)

سو اپنے ربّ کے فیصلے کے انتظار میں صبر کر اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جب اس نے (اپنے ربّ کو) پکارا اور وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔

صبر کی تلقین کرنا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آل عمران:201)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو اور صبر کی تلقین کرو اور سرحدوں کی حفاظت پر مستعد رہو۔ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

عہد کو پورا کرنا

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا (بنی اسرائیل:35)

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریق پر کہ وہ بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔

رحمت للعالمین اتھارٹی کا قیام

اور وطن عزیز کے ''علمائے دین کی ''مصروفیات'' (طاہر تونسوی)

جھگڑا، جھگڑا، ہر وقت جھگڑا، ہر جگہ جھگڑا۔ کہنے کو تو ربیع الاول کا مہینہ ہے جناب وزیر اعظم صاحب کی طرف سے پورے ملک میں عشرہ رحمت للعالمین منانے کا اعلان کیا گیا تھا اور پھر بارہ ربیع الاول کیدن ایک شاندار تقریب میں آپ نے رحمت للعالمین اتھارٹی بنانے کا اعلان بھی فرما دیا تھا۔ جناب وزیر اعظم صاحب نے خود اس اتھارٹی کے خدوخال واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ وہ اتھارٹی ہوگی جس میں موجود ہو کر علمائے دین اور مذہبی سکالرز ایک طرف دنیا کو اسلام کا حقیقی اور خوبصورت چہرہ دکھائیں گے تو دوسری وطن عزیز میں اسلامی روایات اور اسلامی اقدار کو فروغ دیں گے۔

جناب وزیر اعظم صاحب آپ کی سوچ کو سلام۔ بہت ہی خوبصورت اور مستحسن سوچ ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس اقدام کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ لیکن یہ سوچ، خوبصورتی سے زیادہ معصومانہ ہے کیونکہ اس اتھارٹی میں سوسائٹی سے زیادہ سوسائٹی کو تبدیل کرنے والے علماء اور سکالرز کا رول ہوگا۔ کیا واقعی ہمارے وطن عزیز کے علماء یہ ذمہ داری نبھا سکتے ہیں؟ یہ وہ ملین ڈالر سوال ہے جو وطن عزیز میں آج ہر صاحب ذی شعور ہونٹوں میں دبائے بیٹھا ہے

میں نے وقت کے دھارے کو بدلنے والے ان علماء کا سرسری سا طائرانہ جائزہ لینے کی کوشش کی ہے کہ آخر یہ سکالرز اپنے اپنے ذاتی دائروں میں کن ''خدمات جلیلہ'' میں مصروف ہیں۔ سچ تو یہ ہیکہ میں نے یہ جانا کہ اگر عشرہ رحمت للعالمین منانے کی تیاریاں بھرپور ہیں تو اس سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ جھگڑے اور فساد سے متعلقہ ہر بند سوراخ کو کھولنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے جا رہے ہیں۔ ہر روز نئے سینئے مسائل ڈھونڈ کر زندہ کئے جا رہے ہیں۔ مثلاً یہ مسئلہ زندہ کیا جا رہا ہے کہ حضرت ابوطالبؓ ایمان لا کر فوت ہوئے



تھے یا کفر پر فوت ہوئے۔ یا پھر یہ کہ ''علیؓ کا پہلا نمبر ہے یا حضرت ابوبکرؓ کا''۔۔ یا پھر یہ کہ ''حضرت فاطمہؓ نے باغ فدک کا مطالبہ کر کے اجتہادی غلطی کی'' یا ''وہ معصوم عن الخطاء ہیں'' یا پھر یہ کہ ''یزید لعنتی تھا یا رضی اللہ تھا''۔ حیرت ہے ان جھگڑوں کی نحوست سمیگ سے بھی زیادہ گھنا کالا بادل بن کر بستیوں پر چھائے چلی جا رہی ہے مگر کسی نیرو کو اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ سموگ سے بھی زیادہ گھنا اور کالا بادل کیوں کہہ رہا ہوں وہ اس لئے کہ پہلے جھگڑا ہوتا تھا بریلوی کا دیوبندی سے یا دیوبندی کا وہابی سے یا وہابی کا اہل قرآن سے مگر حالیہ مذہبی مخاصمات کے ٹاپک بھی ڈھونڈ کر نئے نئے نکالے گئے ہیں اور تقسیم اور حلقہ بندیوں کی واردات بھی نئے سرے سے جاری کی جا رہی ہے۔ اب بریلوی بریلوی سے جھگڑ رہے ہیں اور وہابی وہابی سے چنانچہ دیکھیں۔ مشہور بریلوی مولوی ڈاکٹر مصباحی صاحب نے شان علیؓ بیان کرنے کے لئے ایک عجیب دلیل پیدا کی اور بیان کیا کہ ''علی باج محمد دا کوئی ویر دیکھا مینوں'' تقریر یوٹیوب پر آئی تو دوسری طرف سے ایک اور بڑا نام بریلوی نام پیر سید مظفر شاہ قادری مقابلہ پر آ گئے۔ آپ نے فرمایا ''ڈاکٹر مصباحی اپنی حد میں رہیں۔ ابھی مولا علی کے غلام مرے نہیں ہیں۔ یہ شعر نہیں ہے بکواس ہے'' جواب میں مصباحی صاحب بھی خوب گرجے اور کئی ساتھی علماء سمیت حملہ آور ہوئے۔ جواب میں کہاں خاموشی ہو سکتی تھی۔ اب اس محاذ پر تادم تحریر ایک بڑا لشکر ایک مزید اپنے سے

بڑے لشکر سے برسر پیکا ہے۔قریب ہی دوسرے محاذ پر اس سے بھی بڑا اور گھمبیر مسئلہ ایمان ابو طالب ؓ بیان کیا جارہا ہے۔اس میں ایک طرف شیعہ حضرات تو پہلے ہی سے مورچہ سنبھالے ہوئے تھے تو دوسری طرف بریلویوں کے سینکڑوں علماء بھی آپس میں گتھم گتھا ہوگئی ہیں۔ایک گروہ حضرت ابوطالب کو مومن اور جنتی ثابت کرنے کیلئے دلائل دے رہا ہے تو دوسرا ان کے بغیر کلمہ پڑھے،کفر کی حالت میں فوت ہونے پر بضد ہے۔مفتی ثمر عباس عطاری قادری صاحب جو کہ ایک مشہور بریلوی عالم دین ہیں کا ایک جلسہ میں یہ جواب دینا ہی تھا کہ انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا وہ طوفان بدتمیزی اور ہلڑ ہوا کہ انہیں اپنے ہی بریلوی بھائیوں کا جلسہ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

مزید مصروفیت کے لئے ہمارے پاس اس سے بھی مزید بڑا مسئلہ موجود ہے جو اس سے قبل تو صرف بریلویوں اور دیوبندیوں میں وجہ نزاع بنا ہوا تھا مگر اب خود دیوبندیوں کے لئے بھی سوہان روح بن گیا ہے۔یعنی مسئلہ حیات النبی ﷺ فی القبر۔چنانچہ اس محاذ پر مشہور دیوبندی عالم دین جناب مولانا منظور مینگل صاحب ایک دوسرے مشہور دیوبندی عالم دین مولانا خضر حیات بھکروی سے پنجہ آزما ہیں۔ایک کے پیچھے مولانا زرولی گروپ کھڑا ہے تو دوسرے کے پیچھے الیاس گھمن صاحب اپنی سپاہ کے ساتھ کھڑے ہیں اور بحث بلکہ بحث کیا کج بحثی کے جواب الجواب ریکارڈ توڑے جا رہے ہیں۔ثابت یہ کیا جارہا ہے کہ آپ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں یا نہیں۔اس مسئلہ پر بیسیوں کتب اور سینکڑوں تقاریر ریکارڈ کا حصہ بن چکی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پوری دیوبندی امت حیاتی اور مماتی کے دو گروپس میں تقسیم ہو چکی ہے۔اور ان علماء کے وارثین پوری تندہی سے اس محاذ کو سنبھالے کھڑے ہیں اور توپیں پوری حرارت ایمانی سے ایک دوسرے کے قلعہ جات کو تباہ کرنے میں مصروف ہیں۔

نئے نئے اختلافات کی تلاش میں علماء ایک اور انتہائی جذباتی اور نازک مسئلہ کو بھی چھیڑنے سے باز نہیں آئے چنانچہ ایک بڑے گروپ گروپ نے یہ مسئلہ لے کر لیکچر دینا شروع کر دیئے ہیں کہ یزید سے واقعہ کربلا سرزد ہی نہیں ہوا بلکہ حضرت امام حسین ؓ کی شہادت تو نامعلوم ڈاکوؤں کے ہاتھوں ہوئی



تھی۔بلکہ یزید تو نیک اور پارسا تھا۔بلکہ جنتی تھا اور حدیث رسول ﷺ قسطنطنیہ کا مئورد تھا۔بلکہ علیہ السلام تھا بلکہ رضی اللہ تھا۔اس محاذ پر تو گھمسان سے کوئی بڑا لفظ استعمال ہونا چاہیے کیونکہ ایک طرف تو شیعہ حضرات دیوبندیوں سے مصروف جنگ ہیں تو دوسری طرف دیوبندی خود دیوبندیوں کے خلاف برسر پیکار ہیں۔تیسری طرف پہلی دفعہ بریلویوں کا ایک بڑا گروپ بھی یزید کے جنتی ہونے کے نعرے لگانے لگ گیا ہے جبکہ جواب میں بریلویوں کا ہی دوسرا پلڑا العنت لعنت کے نعرے لگانے میں مصروف ہے۔پھر ان سب سے پرے چوتھا گروپ اہل حدیث کا وجود پا چکا ہے۔وہ تو باقاعدہ یزیدی اہل حدیث اور حسینی اہل حدیث کے دو بڑے بلاک میں تقسیم ہو گئے ہیں۔اور اب تو وہ اپنے آپ کو باقاعدہ طور پر یزیدی اہل حدیث اور حسینی اہل حدیث کے نام سے تعارف پیش کرنا شروع کر چکے ہیں۔چنانچہ دیوبندیوں میں سے لال مسجد والے مولوی عبدالعزیز صاحب انکے مدارس اور پورا گروپ،مولوی غلام اللہ مرحوم صاحب کا پنڈی والا مدرسہ اور ان کا پورا گروپ مفتی تقی عثمانی صاحب، مفتی طارق مسعود صاحب کراچی والے اور ان کا گروپ،مولوی الیاس گھمن صاحب اور ان کا گروپ،مکہ میں بیٹھے لال داڑھی والے شیخ مکی اور ہندوستان میں بیٹھے ڈاکٹر ذاکر نائیک یزید کی حمائت میں کھڑے ہیں جبکہ مولانا طارق جمیل صاحب اور مولانا اسحٰق جھالوی گروپ یزید کو لعنتی سمجھتا ہے۔حیرت تو بریلویوں پر ہے جن میں رویت ہلال کمیٹی والے مفتی منیب الرحمٰن صاحب جن کو بریلوی مفتی اعظم پاکستان اور مفتی فضل احمد چشتی صاحب جیسے عالم دین جنہیں بریلوی امام الغیرت، پاسبان اسلام، شمشیر بے نیام، مفکر اسلام، استاذ العلماء کے نام سے پیار کرتے ہیں۔چشتی صاحب کا پورا گروپ تو یہ چیلنج کر رہا ہے کہ ''کربلا میں مولا حسین ؓ کا پانی بھی بند نہیں ہوا۔پانی بند ہونا کوئی ثابت کر دے تو میں ناک کٹوادوں گا''

اہل حدیث تو بات کو ظلم کی حد تک بہت دور تک کھینچ لے گئے ہیں وہ تو کہتے

ہیں کہ ''واقعہ کربلا صرف رنگ بازی ہے۔یزید بے قصور ہے۔حضرت امام حسین کی شہادت تو یزید کی افوج کے ہاتھوں سے ہوئی ہی نہیں بلکہ نامعلوم ڈاکوؤں کے ہاتھوں ہوئی'' اہل حدیث عالم دین کفائت اللہ سنابلی اور مفتی ابو یحیٰ نور پوری گروپ کا یہ عقیدہ ہے۔مولانا کفائت اللہ سنابلی نے تو اس موضوع پر سینکڑوں صفحات کی کتاب تک لکھ ماری ہے ''یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ''۔اب صورت حال یہ ہے کہ یزید کے معاملہ پر پاکستان کے حالیہ اہل حدیث دو بڑے گروپس میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ایک گروپ جس کی قیادت لال رومال والے شیخ توصیف الرحمٰن صاحب اور پنڈی والے طالب الرحمٰن صاحب کر رہے ہیں اور ان کے ساتھ مفتی ابو یحیٰ نور پوری، مفتی کفائت اللہ سنابلی اور مولانا غلام مصطفیٰ ظہیر صاحب ہیں جبکہ دسری طرف، حافظ عمر صدیق صاحب کا گروپ ہے۔اہل حدیث کی دنوں ونگز اپنے اپنے کلپ یزیدی اہل حدیث اور حسینی اہل حدیث کے نام سے آن ائیر کر رہے ہیں بلکہ حسینی گروپ ہر کلپ کے ساتھ یہ شعر ٹائیٹل پر لگا رہے ہیں کہ کرتوت جان کر بھی ''کالے'' یزید کے۔پھر بھی اسی کے ساتھ ہیں یہ سالے یزید کے۔یہ فتنہ اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ ابھی تھما بھی نہیں تھا کہ مولانا سید عرفان شاہ مشہدی صاحب نے ایک نیا نعرہ لگا دیا ہے کہ علی دا پہلا نمبر۔اب یہ فتنہ تو جیسے ام الفتن بن گیا ہے۔ہر چڑھتے دن کے ساتھ جس کی شدت اور دھول میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔سید عرفان شاہ مشہدی کا ساتھ دینے کے لئے ایک طرف علی پور سیداں کی گدی۔مفتی حنیف قریشی صاحب کا گروپ۔سید ریاض حسین شاہ پنڈی والوں کا گروپ۔اور مفتی شمس الرحمٰن صاحب کا گروپ جیسے بڑے بڑے بریلوی خانوادے سینکڑوں ہزاروں علماء اور مفتیان کے ساتھ کھڑے ہو گئے ہیں تو دوسری طرف تحریک لبیک ڈاکٹر آصف اشرف جلالی گروپ۔گدی آف بھکی شریف۔گدی آف کوٹلہ شریف۔مفتی مظفر حسین شاہ صاحب اور مفتی ثمر عباس عطاری قادری، مفتی غفران محمود سیالوی اور آستانہ عالیہ شرق پور جیسے بہت بڑے بڑے بریلوی ٹبر اپنے سینکڑوں مدرسوں کے لاکھوں شاگردان کے ساتھ شمشیر بکف ہو گئے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ اگر علی کا پہلا نمبر تو حضرت ابوبکر کا کونسا نمبر ہے؟



یہ بڑے بڑے بکھیڑے ابھی سمٹنے نہ پائے تھے کہ مفتی اویس رضا قادری نے اپنی بیٹی اور بیٹے کی شادی محرم میں کر دی تو اس پر بھی ایک لمبی بحث شروع ہوگئی۔مفتی حنیف قریشی صاحب نے ایک فضول سا نازیبا بیان دے دیا بس پھر حمائیتیوں اور مخالفین کو لے کر ایک نئی گاڑی چل پڑی حتیٰ کہ دعوت اسلامی کے امیر بابا الیاس قادری صاحب اور مشہور بریلوی مناظر مظفر شاہ کے درمیان مناظرہ تک کی نوبت جا پہنچی۔یہ آگ ابھی بجھی نہیں تھی کہ علامہ امین شہیدی نے ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب کے بارہ میں اعلان کر دیا کہ ''فسادی ملّہ ڈاکٹر آصف زلیلی نے فاطمہؓ کے بعد علیؓ کو بھی خطا کار کہہ ڈالا۔پلید نے قرآن کا بھی انکار کر دیا'' جبکہ ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب ایک دوسرے معروف عالم دین اور مفسر قرآن اقبال چشتی کو کافر قرار دے کر ان کا تعارف یوں کروا رہے ہیں ''محبت اہل بیت کی آڑ میں اقبال چشتی کے کفریات''۔مفتی حنیف قریشی جو آج کل بریلویوں کے بہت معروف عالم دین گنے جاتے ہیں۔انہیں ایک دوسرے بریلوی پروفیسر اور پیر صاحب یعنی مفتی پروفیسر عبدالستار سعیدی بریلوی بے دین رافضی قرار دے کر بریلویت سے ہی نکال رہے ہیں ''نکل جاؤ مسلک سے۔تیرے جیسے رافضی کی کوئی ضرورت نہیں۔میرے شاگرد نے تجھے پورا ننگا کیا تھا سوچ میں تیرے ساتھ کیا کروں گا''۔ایک نامور بریلوی مناظر جناب سید مظفر حسین شاہ صاحب دوسرے بریلوی سکالر شمس الرحمٰن مشہدی اور مشہور گدی نشین اور پیر جناب سید ریاض حسین شاہ کو بریلویت کے دائرہ سے باہر نکالتے ہوئے بتا رہے ہیں کہ ''میں تو تیرے باپ کو زمین چٹا چکا ہوں تم کیا چیز ہو''۔ممتاز بلوچ دیوبندی عالم دین جناب منظور احمد مینگل صاحب دوسرے بڑے دیوبندی عالم دین جناب مفتی عبدالواحد قریشی سے مسئلہ حیات النبی ﷺ پر مناظرے کے چیلنجوں میں مصروف ہیں۔دیوبندی مولوی جناب بلال قریشی صاحب دوسرے دیوبندی مناظر اور ختم نبوت کے سکالر جناب مفتی مبشر احمد کو دجال جونیئر قرار دے کر ان

کومناظروں اور مباہلوں کے لئے پکار رہے ہیں۔

ممتاز بریلوی مفتی اکمل مدنی صاحب دوسرے بریلوی گروپ یعنی مفتی حنیف قریشی صاحب، سید عرفان شاہ مشہدی اور پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب کو دونمبر سنی قرار دیتے ہوئے ان کو راہ راست پر آنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔

کراچی کے مشہور یوٹیوبر دیوبندی عالم دین جناب مفتی طارق مسعود صاحب دوسرے بزرگ دیوبندی عالم دین جناب الیاس گھمن صاحب سے اس بات پر مناظرے اور مباحثے میں مصروف ہیں کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

فیصل آباد کے ممتاز بریلوی عالم دین جنہیں بریلوی حلقے ''مناظر اسلام'' کے نام سے عزت دیتے ہیں وہ ایک دوسرے بہت بڑے بریلوی گروپ یعنی سید عرفان شاہ صاحب۔ پیر سید منور شاہ جماعتی علی پور سیداں والے۔ اور پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب پنڈی والوں کو رافضی شیعہ قرار دیتے ہوئے پوچھ رہے ہیں کہ ''بتاؤ تو سہی کہ اگر علی دا پہلا نمبر ہے تو ابوبکر کا کون سا نمبر ہے؟''

جلالی گروپ سے تعلق رکھنے والے جناب عمران جلالی صاحب سید عرفان شاہ صاحب کے گروپ سے مناظرہ کے اعلان کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ مفتی چمن زمان۔ مفتی حنیف قریشی اور عرفان شاہ صاحب گستاخ اور جاہل عرفانی ٹولہ ہیں۔



معروف بریلوی پیر جناب نوشاہی قادری صاحب نے سید عرفان شاہ صاحب کے گروپ کی حمایت کرکے ان کے گروپ سے جا ملے ہیں تو اس پر جلالی گروپ کے مفتی زاہد جلالی صاحب ان پر بھی لعن طعن کرتے ہوئے فرمارہے ہیں ''عالمی مبلغ اسلام جناب پیر معروف شاہ نوشاہی قادری صاحب ہوش کے ناخن لیں۔ بریلی شریف کے فتویٰ کے مطابق عرفان شاہ کا بیان سننا حرام ہے'' جواب میں پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب نے اپنے گروپ کے تمام جید علماء کرام اور پیران کرام کے ساتھ مل کر ایک بڑا جلسہ کیا اور ان تمام بریلوی علماء کو ''یہودی طوطے قرار دے دیا جو پاکستان میں تخریب کاری میں مصروف ہیں۔'' جبکہ



جواب الجواب میں میاں تنویر احمد نقشبندی صاحبزادہ کوٹلہ شریف نے جوابی جلسہ میں عرفانی گروپ کے لتے لیتے ہوئے فرمایا کہ

''وہ وقت یاد کریک کہ جب آپ بیٹھے ہوتے تھے اور نعرہ لگتا تھا سنیوں کے شہنشاہ۔ اور آگے آپ خود بولتے تھے عرفان شاہ عرفان شاہ۔ اور اب یہ نعرہ لگ رہا ہے سنیوں کے شہنشاہ۔۔۔۔۔ (جانور کا نام سے گالی دے کر) بے حیاء بے حیاء۔ پھر آپ نے مزید غصہ میں میں پنجابی میں فرمایا: ''جن جیا۔ نہ منہ نہ متھا۔ جن پہاڑوں لتھا۔ چربی کڈا کے آئیوا کے چربی نال دماغ وی کڈادتا اے۔۔ تاڈے نام بیٹھا بُولی (جانور کا نام) تانوں کیڑے پاسے لے ٹریا اے''

اہل حدیث عالم دین جناب حافظ عمر صدیق صاحب کا گروپ جو کہ اہل حدیثوں میں حسینی اہل حدیث کہلوا رہا ہے مناظرہ کرنے اپنے تمام گروپ کے ساتھ حافظ کفائت اللہ سنابلی صاحب کے مدرسے جا پہنچے اور ان کو وہاں موجود نہ پاکر اعلان کرتے ہوئے فرمایا ''کہاں ہیں کنجر ابو یحیٰ اور امن پوری یزیدی مولوی لاوان کو میرے سامنے۔ میں یہاں تمہارے مدرسے میں بیٹھا ہوں''

ان کے واپس جانے کے فوری بعد جناب ابو یحیٰ صاحب کا بیان یوٹیوب کی زینت بن گیا کہ ''آپ نے بکواس کی انتہا کردی ہے۔ انہوں نے مسجد میں کھڑے ہوکر میرے لئے بولا کہ وہ دونوں حرام زادے کہاں ہیں اور میرے لئے کنجر کا لفظ بولا۔ میں آپ جیسے بدتمیز اور بدزبان سے بات کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ آپ نے مجھے حرام زادہ کہا میں آپ کو حرام زادہ تو نہیں کہتا لیکن یہ یاد کرواتا ہوں کہ کل تک جو لوگ آپ کو عمر صدیق کی بجائے عمر زندیق کہتے تھے میں ان کی زبان پکڑتا تھا لیکن شاید ہم اس بات پر حق بجانب نہیں تھے۔ آپ کو زندیق کیا جاتا تھا درست کہا جاتا تھا۔ شرم کریں آپ کو حیا نہیں۔ کیا آپ مسلمان ہیں؟

اسی دوران ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب نے ایک نئے بریلوی گروپ

یعنی تحریک منہاج القرآن سے بھی چھیڑ چھار شروع کردی ہے آپ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی منہاج القرآن پر شدید تنقید کرتے ہوئے فرما رہے تھے ''میلاد مناٰئیں مگر منہاجی شر نہ پھیلائیں''

بریلویوں میں سیکسی مفتی اور پیر کا یہ نعرہ لگانا کہ یزید خلیفہ برحق اور رحمۃ اللہ علیہ ہے اور کربلا میں یزیدیوں نے کوئی پانی بند نہیں کیا سید عرفان شاہ گروپ نے مفتی فضل احمد چشتی کو یزیدی گروپ قرار دے کر انہیں مباہلہ کا چیلنج دے دیا۔ ابھی ان گروپوں میں مباہلہ طے نہیں ہوا تھا کہ حجرہ شاہ مقیم کے سید مفتی مراتب علی شاہ بھی مفتی فضل احمد چشتی کے خلاف نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اسی دوران ہوا یہ کہ چشتیاں کے پاس ایک گاؤں میں مفتی فضل احمد چشتی صاحب کے مرید عنصر چشتی صاحب اور پیر مراتب علی شاہ صاحب کے مرید شبیر حسین کے درمیان بحث چل نکلی کہ میرا حسینی ہو کر سچا یا تیرا پیر یزیدی ہو کر سچا ہے۔ دونوں میں طے یہ پایا کہ آگ جلاتے ہیں اور آگ میں کود جاتے ہیں جو سچا ہوگا اور جس کا پیر سچا ہوگا وہ آگ میں نہیں جلے گا چنانچہ وہیں اوپلوں کی آگ جلائی گئی اور باری باری دونوں آگ میں کود پڑے۔ اب میدان کارزار یوں سجا ہے کہ دونوں پیر صاحبان نے اپنے



اپنے مریدین کو اپنے پاس بلوا لیا ہے گاؤں گاؤں دورے کر کے جلسے کئے جا رہے ہیں اور فخر یہ طور پر ایک گروہ شبیر حسین اور دوسرا گروہ عنصر چشتی کو فاتح مباہل اور اپنی اپنی گدی اور مؤقف کے سچا ہونے اور دوسرے فریق کے باطل ہونے خدائی فیصلہ لوگوں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے ان کو غازی کے خطاب اور پھولوں سے لادا جا رہا ہے یوں کفر اور اسلام کی ایک نئی جنگ بڑی آب و تاب سے لڑی جا رہی ہے۔

پھر اگر دیکھیں کہ یہ سکالرز اور علمائے دین اپنے ہی بھائی بندوں کو کن ''پاکیزہ القابات'' کی محبت سے نواز رہے ہیں وہ جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ ہم اپنی اقدار و روایات کا بڑے فخر سے ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً اسی مباہلہ والے گروپ کو دیکھیں تو حجرہ شاہ مقیم کے سید برادران مفتی فضل چشتی صاحب کو ''فضلو گشتی''



کے نام سے مخاطب کر رہے ہیں تو مفتی فضل چشتی صاحب حجرہ والے سید مراتب علی شاہ صاحب کو مرتبان شاہ کے نام سے عزت دے رہے ہیں۔ حافظ عمر صدیق صاحب جناب مفتی ابو یحیٰ صاحب کو ''کنجر'' اور وہ جواب میں انہیں ''زندیق اور گندا بچہ'' کے لقب سے نوازتے ہیں۔ مفتی الیاس قادری صاحب امیر اہل سنت کو مفتی حنیف قریشی صاحب ''جاہل پیر اور رانگ نمبر'' قرار دیتے ہیں۔ اور میاں تنویر احمد نقشبندی صاحب مفتی حنیف قریشی صاحب کو ''حنیف مویشی ٹیرا'' جیسے برے نام سے پکارتے ہیں۔ محترم ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب محترم سید ریاض حسین شاہ صاحب کو ''گستاخ'' قرار دیتے ہیں تو علامہ محمود احمد گولڑوی صاحب جناب جلالی صاحب کو ''دجالی'' اور ان کے ایک مرید مفتی زاہد صاحب کو ''زاہد خطائی'' کے بگڑے نام سے یاد کر رہے ہیں۔ جبکہ شیعہ عالم دین امین شہیدی صاحب جلالی صاحب کو ''فسادی مُلّہ ڈاکٹر آصف زلیلی'' کے بدترین نام سے یاد کر رہے ہیں۔ جناب فضل چشتی صاحب حجرہ شاہ مقیم کی گدی کو ''ہجروی کوفی'' اور ان کے ایک مفتی منیر نقشبندی صاحب کو ''منیر نفسبندی اور خنزیر نفسبندی'' جیسے غلیظ لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔

یہ ہیں وہ نئے فتن جو ہماری بستیوں کو اکاس بیل کی طرح جکڑتے جا رہے ہیں۔ دیوبندی، وہابی، بریلوی اور شیعہ۔ یہ جھگڑے تو صدیوں سے چلے آ رہے تھے اس پر تو کچھ کہنے اور لکھنے کی ضرورت نہیں ہے مگر حالیہ مندرجہ بالا علمی موشگافیاں۔ یہ ہے مذہبی سموگ کا وہ کالا دھواں جو دبے پاؤں سانسوں کو بند کرنے کے لئے گاؤں گاؤں شہر شہر پہ چھاتا جا رہا ہے اور ہم سب اسکی ہلاکت آفرینیوں سے بے نیاز اور بے فکر پڑے ہوئے ہیں۔ کیا بغداد کی تباہی کے وقت کے علمی محفلیں اور مناظرے ہمارے آج کے حالیہ علمی شگوفوں سے مختلف تھے؟؟۔ بالکل بھی نہیں۔ اور یہی بات جناب وزیر اعظم صاحب رحمت للعالمین اتھارٹی بنانے کے ساتھ ساتھ سوچنے کی ہے۔



گلدستہ

مرتبہ اے آر خان۔



سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی انصار اللہ، کو زریں نصائح

(خطاب اجتماع مجلس انصار اللہ یو۔کے 2021ء کی روشنی میں)

مرتبہ سر ڈاکٹر افتخار احمد ایاز۔لندن

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ 12 ستمبر 2021ء کو مجلس انصار اللہ یو کے کے سالانہ اجتماع کے اختتامی خطاب میں بصیرت افروز خطاب فرمایا اور انصار کو زریں نصائح فرمائیں۔اُن میں سے چند اہم نکات پیش خدمت ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب انصار اکو ان پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

(1) آپ جو اپنے آپ کو انصار اللہ کہتے ہیں اس بات کو ہر وقت سامنے رکھیں کہ انصار اللہ تبھی کہلا سکتے ہیں جب اس زمانے کے امام اللہ تعالیٰ کے فرستادہ حضرت مسیح موعود اور مہدی معہود کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے صرف نام کے انصار اللہ نہ ہوں بلکہ اس روح کو سمجھتے ہوئے نحنُ انصار اللہ کا نعرہ لگائیں۔

(2) انصار اللہ کی عمر تو ایسی عمر ہے کہ جس میں اگلی زندگی کا سفر زیادہ واضح نظر آتا ہے اور آنا چاہئے۔جتنی عمر بڑھتی ہے موت اتنی ہی قریب ہوتی جاتی ہے۔اس میں ہماری ترجیحات کیا ہونی چاہئیں پھر میں کہوں گا اس کا اندازہ ہم خود ہی سوچ کر لگا سکتے ہیں۔ہمیں تقویٰ اختیار کرنا چاہیے

(3) اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں تکمیل اشاعت دین کا کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کیا ہے یعنی تبلیغ اسلام کا عظیم کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے اور یہی کام کرنے کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کے افراد سے توقع کی ہے۔

(4) انصار اللہ کو سب سے بڑھ کر تبلیغ اسلام کا عظیم کام کرنے کا مخاطب اپنے آپ کو سمجھنا چاہئے۔

(5) پس ہمیں اپنے عہد بیعت کو نبھانے کے لئے اپنے انصار اللہ کے عہد کو نبھانے کے لئے اس عظیم کام میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مددگار بننے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ اس عظیم کام کو سرانجام دینے کے لئے میدان میں اترنا ہو گا تبھی ہم حقیقی انصار اللہ کہلا سکتے ہیں۔

(6) صرف منہ سے دعویٰ کر دینا کہ ہم انصار اللہ ہیں کافی نہیں ہے۔اس کے لئے ہمیں اپنے جائزے بھی لینے ہوں گے۔

(7) دین کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔اس کے لئے ہمیں تعلق باللہ میں بھی ترقی کرنی ہو گی تقویٰ میں بھی ترقی کرنی ہو گی۔

(8) ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم نے اپنی حالتوں میں وہ تبدیلی پیدا کر لی ہے یا اس تبدیلی کے پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے ضروری ہے۔اگر نہیں تو ہمارا نحنُ انصار اللہ کا نعرہ بے مقصد اور بے بنیاد ہے۔

(9) ہمیں بہت گہرائی میں جا کر اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مددگار کس طرح بن سکتے ہیں؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم سے کیا چاہتے ہیں ہمیں اس معیار کو حاصل کرنے کے لئے اپنے اندرونے کو کنگھالنا ہو گا اپنے اندر جھانکنا ہو گا۔

(10) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک احمدی کا جو معیار بیان فرماتے ہیں انصار اللہ کہلانے والوں کا کیا معیار ہونا چاہئے خود ہی ہمیں اپنے جائزے لینے ہوں گے۔

(11) جب خدا تعالیٰ کا ارادہ انسانی خلقت سے صرف عبادت ہے تو مومن کی شان نہیں کہ کسی دوسری چیز کو عین مقصود بنا لے۔حقوق نفس تو جائز ہیں مگر نفس کی بے اعتدالیاں جائز نہیں۔

(12) اگر زندگی کے مقصد کو ہم سمجھ گئے تو ہم حقیقی انصار میں شامل ہو جائیں گے کیونکہ یہی معیار حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں جو نبی کے حقیقی مددگار بن سکتے ہیں۔

(13) حضور فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ سے خدا تعالیٰ نے یہی چاہا ہے اور اس نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ تقویٰ کم ہو گیا ہے۔اب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ دنیا کو تقویٰ اور طہارت کی زندگی کا نمونہ دکھائے۔اسی غرض کے لیے اس نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔وہ تطہیر چاہتا ہے اور ایک پاک جماعت بنانا اس کا منشاء ہے۔

پس اس بات کے بعد ہمیں اپنے جائزے لینے چاہئیں کہ ہماری حقیقت میں تطہیر ہو گئی ہے۔کیا ہم نے اپنی زندگیوں کو اتنا پاک کر لیا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہم سے چاہتے ہیں۔

(14) تبلیغ کے لئے یہ دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں کہ اپنے عمل اور تعلیم میں مطابقت پیدا کرنا اور دوسرے صبر سے کام لیتے ہوئے مستقل مزاجی سے اور برداشت سے تبلیغ کرتے چلے جانا ہے۔پس ہمیں اس حوالے سے بھی اپنے جائزے لینے چاہیے اور تبلیغ کے کام کو آگے بڑھانا چاہئے۔

(15) انصار اللہ قرآن کریم کے حکموں کی تلاش کریں۔جو نواہی اور اوامر ہیں ان کو دیکھیں۔جو نہ کرنے والی باتیں ہیں ان سے رکیں۔جو کرنے والی باتیں ہیں ان کو اختیار کریں۔اپنی حالتوں کو بہتر بنائیں۔تبھی انصار اللہ حقیقی بیعت کا حق ادا کر سکتے ہیں اور تبھی ہم حقیقی رنگ میں انصار اللہ بن کے یہ پیغام دنیا کو پہنچا سکتے ہیں اور دنیا کو سیدھے رستے پہ چلا سکتے ہیں۔

(16) انصار اللہ کو حقیقی انصار اللہ بننے کے لئے بہت غور کرنے کی ضرورت ہے۔پس اللہ تعالیٰ کی محبت ہمیں اپنے دل میں پیدا کرنے کی بہت کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے عمل بھی اس وقت حقیقی عمل بنیں گے جب ہم خدا تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے نیکیاں بجالانے کی کوشش کریں گے۔

(17) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہماری کامیابی دعاؤں سے ہی ہونی ہے۔پس جب ہم اپنی عملی حالتوں کی تبدیلی کے ساتھ دعاؤں اور عبادات کے اعلیٰ معیار حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تو تبھی ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی انصار میں شمار ہو سکتے ہیں۔

(18) ہم انصار اپنی اگلی نسلوں کے ذہنوں میں سوال پیدا کرنے کی بجائے ان کی اصلاح اور جماعت سے جوڑنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(19) اپنے خطاب کے آخر میں سیدنا حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے دعا فرمائی دعا سے قبل فرمایا کہ اس وقت مَیں جس جگہ سے بول رہا ہوں خطاب کر رہا ہوں یہ ایم۔ٹی۔اے اسلام آباد کا نیا سٹوڈیو ہے اور آج پہلی دفعہ یہاں سے یہ پروگرام جاری ہو رہا ہے گویا کہ انصار اللہ کے اس اجتماع کے ساتھ اس کا افتتاح بھی ہو گیا۔اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسلام کا پیغام،دین کا پیغام پہنچانے کا ذریعہ بنائے اور پہلے سے بڑھ کر ایم۔ٹی۔اے کے ذریعہ سے دنیا میں اسلام کا حقیقی پیغام پہنچ سکے۔

اکتوبر 2020 میں سامنے آنے والے چند تکلیف دہ واقعات سے انتخاب

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں احمدیوں پر ہونے والے دردناک مظالم کی الم انگیز داستان

انہوں نے کہا کہ احمدیوں سے بات کرنا منع ہے اور یہ کہ احمدیوں کے ساتھ کھانا کھانا حرام ہے۔استاد نے جواب دیا کہ قادیانیوں کے ساتھ میل جول منع ہے۔

ایک اور احمدی کو عقیدے کی بنیاد پر قتل کر دیا گیا۔

پشاور (اکتوبر 2020ء): اس ماہ کے آغاز ہی میں ایک اور احمدی کو پشاور میں عقدیے کی بناو پر قتل کر دیا گیا۔مرحوم کا نام پروفسر ڈاکٹر نعیم الدین خٹک تھا۔آپ کی عمر 56 سال تھی اور پیشہ کے اعتبار سے آپ پرمئر وسائنس کالج میں استاد تھے۔آپ نے Zoology میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔15،اکتوبر 2020ء کو آپ گھر واپس آرہے تھے کہ ڈیڑھ بجے کے قریب نامعلوم افراد

نے آپ پر گولولیوں سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ ڈاکٹر نعیم الدین کو پانچ گولیاں لگیں۔ آپ نے لواحقین میں ایک بیوہ، تین بیٹیاں اور دو بیٹے چھوڑے ہیں۔ گذشتہ چند ماہ کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ پشاور ان دنوں احمدیہ مخالف سرگرمیوں کا گڑھ بن چکا ہے۔ مختلف وزراء، لیڈر اور میڈیا پرسن دھڑلے سے احمدیوں کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے پائے گئے ہیں۔

تین احمدیوں کو جعلی مقدمے میں گرفتار کر لیا گیا

شوکت آباد کالونی، ضلع ننکانہ (اکتوبر 2020ء):

تین احمدی مسمی شرافت احمد (صدر جماعت) اکبر علی (سیکرٹری مال) اور طاہر نقاش کے خلاف 2/ مئی 2020ء کو تعزیرات پاکستان دفعات (B-298) اور (C-298) کے تحت پولیس سٹیشن مانگناں والی ضلع ننکانہ میں ایک مقدمہ درج کیا گیا تھا۔ نامزد ملزمان نے ایڈیشنل سیشنز جج عاصم محمود کی عدالت سے ضمانت قبل از گرفتاری حاصل کر لی تھی۔ بعد ازاں 7 اگست 2020ء کو ضمانت کی تصدیق کے موقع پر مخالفین نے کمرہ عدالت کے اندر اور باہر شرانگیزی کی کوشش کی، جس کی وجہ سے تینوں ملزمان نے پیش نہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ جج نے ان کی ضمانت کی درخواست خارج کر دی جس پر ملزمان نے ضمانت کے لیے ہائی کورٹ میں ایک اور درخواست دائر کر دی۔ 2/ اکتوبر 2020ء کو جسٹس اسجد جاوید نے ملزمان کی ضمانت مسترد کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کے خلاف بے سرو پا تبصرے کیے۔ جسٹس امجد نے کہا کہ احمدی اپنے ٹی وی پر قرآن کریم کے غلط تراجم نشر کرتے ہیں۔ حالانکہ اس بات کا مقدمہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ضمانت کے خارج ہونے کے بعد ان تینوں احمدی ملزمان کو کمرہ عدالت سے گرفتار کر کے شیخوپورہ جیل منتقل کر دیا گیا۔

مذہب کے اعلان میں حائل مشکلات

بستی شکرانی ضلع بہاولپور (اکتوبر 2020ء):

لقمان احمد کے چار بچے سکول میں پڑھتے ہیں۔ وہ اوچ شریف میں واقع ایک سرکاری سکول کی نہم جماعت میں اپنے بیٹے کا داخلہ کروانے گئے تو داخلہ فارم کے ساتھ ہی ایک تصدیق نامہ منسلک تھا جس کی عبارت کے مفہوم کے مطابق، دستخط کنندہ رسول اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر مکمل یقین رکھتا ہے اور حضور ﷺ کے بعد کسی کو ظلی یا بروزی طور پر نبی یا رسول تسلیم نہیں کرتا اور یہ کہ دستخط کنندہ کا تعلق کسی طرح بھی احمدی، لاہوری، یا قادیانی گروپ سے نہیں ہے اور یہ کہ دستخط کنندہ حضور اکرم ﷺ کے بعد دعوی نبوت کرنے والوں کو کافر، کاذب اور دھوکے باز سمجھتا ہے۔ اب اگر کوئی احمدی اس سکول میں داخلہ لینا چاہے تو اس کو اس فارم پر دستخط کرنا ہوں گے جو کہ ایک احمدی کے لیے کسی صورت ممکن نہیں۔ چنانچہ احمدی طالب علم یہاں داخلہ نہیں لے سکیں گے۔ اور اگر کسی نے داخلہ لے بھی لیا تو اسے کسی صورت اسلامیات پڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس بات کا خطرہ بھی بہرحال موجود ہے کہ اساتذہ اور دیگر طلبہ احمدی طالب علم کو اس کے عقیدے کی وجہ سے ہراساں کر سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ مذکورہ فارم انتظامیہ کی ذاتی اختراع معلوم ہوتی ہے کیونکہ آئین و قانون کی رو سے طالب علموں سے اس قسم کی تصدیق کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

احمدی طالب علم کو یونیورسٹی میں ہراسگی کا سامنا

لاہور (22 ستمبر 2020ء):

سفیر احمد لاہور کی معروف یونیورسٹی میں لیا بی اے کے طالب علم ہیں۔ مورخہ 22 ستمبر 2020ء کو وہ اسلامیات کی کلاس لے رہے تھے کہ اچانک ان کے پروفیسر نے انہیں کمرہ جماعت سے باہر چلے جانے اور بعد میں ان کے دفتر میں آ کر ان سے ملنے کا کہا لیکچر کے بعد جب سفیر احمد پروفیسر کے کمرے میں گئے تو وہاں پروفیسر کے علاوہ دو تین افراد اور بھی موجود تھے۔ ان کی موجودگی میں پروفیسر نے سفیر احمد سے پوچھا کہ کیا وہ مرزائی ہیں؟ جس پر سفیر احمد نے جواب دیتے ہوئے کہا:

کہ ''جی ہاں، میں احمدی ہوں۔'' اس پر لیکچرار نے بلند آواز سے سفیر احمد کو متنبہ کیا کہ "تم جو بھی ہو، آئندہ میری کلاس میں مت آنا۔ میں تمہیں امتحان میں پاس نہیں کروں گا۔ اس کے بعد جب سفیر احمد اپنے کلاس روم میں واپس گئے تو وہاں جماعت اسلامی کے سٹوڈنٹ ونگ اسلامی جمعیت کے طلبہ نے انہیں کمرہ جماعت میں داخل نہ ہونے دیا اور کہا کہ یونیورسٹی سے چلے جاؤ اور یہاں بھی واپس مت آنا۔ سفیر احمد اس واقعے کے بعد سے یونیورسٹی نہیں جا سکے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁



احمدیہ مسجد ہیوسٹن، امریکہ



احمدیہ مسجد نائیجیریا، افریقہ



مسجد نورالدین،جرمنی



مسجد انور،جرمنی